انٹرنیٹ ایڈیشن

مجلہ

افکارِ قاسمی

جنوری - تا - مارچ ۲۰۱۸ء

وفیات الاعیان نمبر

زیرنگرانی

مولانا کلیم احمد قاسمی

مدیر اعزازی

ناصر الدین مظاہری



پیشکش

الغزالی اُردو فورم www.algazali.org



وفیات الاعیان نمبر

مجلہ

افکارِ قاسمی

جنوری - تا - مارچ ۲۰۱۸ء



زیر سرپرستی
مولانا مبارک علی مظاہری

زیر نگرانی
مولانا کلیم احمد قاسمی

مدیر اعزازی
ناصر الدین مظاہری

معاون مدیر
محمد داود الرحمن علی

- دینی، علمی، اصلاحی، کمپوز شدہ مضامین قابل قبول ہوں گے۔
- نزاعی اور اختلافی نیز سیاسی مضامین شائع نہیں ہوں گے۔
- مضمون نگاروں کی تمام آراء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔
- تمام کمپوز شدہ مضامین صرف بذریعہ ای میل ارسال کریں۔
- ہر شمارہ ڈاؤنلوڈ کر کے محفوظ کرلیں ای میل سے نہیں بھیجا جائے گا۔

پیشکش

الغزالی اردو فورم www.algazali.org

آئینۂ مضامین

اناللّٰہ وانا الیہ راجعون

کل من علیہا فان

اداریہ ناصرالدین مظاہری

اس کار گہہ ہستی کو نیستی مقدر ہے ، ہست کو بود سے ایک ایسا تعلق ہے جس کو لیل ونہار کی گردشیں نہ تو ختم کرسکیں ، نہ یونان کے حکماء کی عقلیں کچھ کام آسکیں ، نہ سائنس دانوں کی سائنس اس سلسلہ میں کوئی کارنامہ انجام دے سکی ، قدرت کے اٹل قانون اور موت جیسی حقیقت سے سرمو انحراف آج تک نہ ہوسکا ، فراعنہ کی سطوتیں ، عمالقہ کی قوتیں ، جرہم کی شوکتیں ، عاد وثمود کی حشمتیں سب خاک کا حصہ بن کر عبرت کا نشان بن گئیں ، چنانچہ آج بھی آپ دنیا میں چل کر دیکھئے ، مصر کے عجائبات ، یونان کے کھنڈرات ، یمن اور جارڈن کے اجڑے دیار اور محرومیت کی خاموشیاں اپنی اپنی داستان دلخراش بیان کرتی نظر آتی ہیں ، شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کلام مقدس میں حضرت انسان سے فرمایا کہ تم روئے زمین میں چل پھر کر عبرتوں کے نشانات کو بچشم خود دیکھو۔

موت وہ ناقابل انکار و ناقابل فرار حقیقت ہے جو ہر کسی کو آنی ہے اور آ کر رہے گی ، بس فرق اتنا ہے کہ جاندار چیزوں پر موت طاری ہوگی اور بے جان چیزوں پر فنائیت ، جاندار چیزوں میں انسان اور جن یہ دو مخلوق ایسی ہیں جن کو حساب کتاب سے گزرنا ہے ، اپنی نیکیوں اور غلطیوں کے لئے جواب دہ ہونا ہے ، جنت اور جہنم کے فیصلے ہونے ہیں ، اعمال نامہ کا ملنا یقینی ہے ، جنت کی ابدی نعمتیں اور جہنم کی دہکتی اور چیختی آگ بھی ایک حقیقت ہے۔ انسان جتنی جلد ان حقائق کو تسلیم کر کے نیک اور نیکوکار بن جائے یہ اسی کے لئے فائدہ مند ہے۔

''افکار قاسمی'' الغزالی فورم کا وہ ترجمان ہے جو کئی سال پہلے تک معیاری مضامین اور اصلاحی مشمولات کی وجہ سے علمی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا رہا ، اس کا انٹرنیٹ ایڈیشن اہل علم حضرات ڈاؤنلوڈ کر کے اپنے پاس محفوظ رکھنے کا اہتمام اور التزام کرتے ، اظہار تشکر سے لبریز پیغامات ارسال کرتے ، اس مجلّہ سے فیضیاب وراہ یاب ہونے کی نوید جانفزا سناتے اور ادارہ کو محض

یہ سوچ کر مسرت ہوتی کہ اللہ احکم الحاکمین نے کسی نہ کسی درجہ میں دین اسلام کی ترویج واشاعت کے لئے سنہرا موقع بخشا ہے......درمیان میں بعض حضرات کے کنارہ کش ہوجانے کی وجہ سے یہ سلسلہ موقوف ہوگیا تھا......اب پھر نئے دم خم کے ساتھ ہم اس شمارہ کی اشاعت کا سلسلہ شروع کرنے پر خدائے وحدہ لاشریک لہ کا شکر بجالاتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو امت محمدیہ کے لئے محبوب ونافع فرما کر ہدایت ورہبری کا ذریعہ بنائے۔

یہ شمارہ عشرۂ رواں میں روانہ ہونے والی نہایت ہی اہم وبیش قیمت شخصیات کے چیدہ وچنیدہ تذکاروتذکرے پر مشتمل ہے اس میں سے بعض شخصیات ایسی ہیں جن پر مستقل خصوصی نمبرات کی اشاعت ہونی چاہئے تھی، بہت سی ایسی ہستیاں ہیں جن کی سوانح حیات منظرعام پرآجانی چاہئے تھیں تاکہ ان کے بعدوالے اپنے سے پہلوں کی زندگیوں سے نشان راہ تلاش کرکے ہدایت کی راہوں پرگامزن ہوسکتے لیکن افسوس! یاتو ان شخصیات پرلکھاہی نہ گیایالکھا گیاتو شائع نہ ہوا، شائع ہواتو صحیح معنوں میں اور صحیح ہاتھوں میں نہ پہنچا۔

''افکارقاسمی'' کے ارباب حل وعقد نے فیصلہ کیا کہ ایسی تمام ہستیوں کے قابل رشک علمی حالات کوجمع ویکجا کرکے انٹرنیٹ ایڈیشن شائع کرے کیونکہ آج کی تیز رفتاردنیامیں پرنٹ میڈیا سے زیادہ کامیاب الکٹرانک میڈیاہے جومنٹوں اورسیکنڈوں میں لاکھوں اوراق کوادھرسے ادھر منتقل کرتاہے اورکمال یہ ہے کہ مہنگائی کہ اس دورمیں چندپیسوں کے عوض ہزاروں روپوں کی کتابیں گھربیٹھے اپنے کمپیوٹریاموبائل پرڈانلوڈکرکے استفادہ کرسکتے ہیں۔

اس مجلّہ کو باوقاراورمعیاری بنانے کے لئے ہمیں آپ کی مستجاب دعاؤں کے علاوہ آپ کے علمی، دینی، تحقیقی اورمعاشرتی مضامین ومقالات کی بھی ضرورت ہے۔

شروع صفحات میں ''موت'' کے تعلق سے نہایت ہی اہم قیمتی معلومات بھی پیش کی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ قبول ونافع فرمائے اورہم خدام کی بخشش کا بہترین ذریعہ بنائے۔

وقتِ اجل

مولانا محمد رحمت اللہ سبحانیؒ

اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ .

جب کہ وقت اجل آجاتا ہے، نہ ہی ایک ساعت پیچھے ہوتا ہے، نہ ہی ایک ساعت آگے خواہ کوئی دولت میں قارون، تکبر میں فرعون، ظلم میں ضحاک تمرد میں نمرود، شہ زوری میں رستم، روئیں تنی میں اسفند یار، خوبصورتی میں یوسفؑ، صبر میں ایوبؑ، درازیٔ عمر میں نوحؑ، بسالت میں موسیٰؑ، مصوری میں ماتی، عشق میں مجنوں، عدل وسیاست میں عمرؓ، ملک گیری میں سکندر، دبدبہ میں جمشید، عیاشی میں محمد شاہ، اقبال میں اکبر، فصاحت میں سحبان، انصاف میں نوشیرواں، حکمت میں لقمان، دانش میں ارسطو، سخاوت میں حاتم، طوالت قامت میں عون بن عنق، موسیقی میں تان سین، شاعری میں انوری، فردوسی وسعدی، مردانگی میں محمد فاتح، خاموشی میں زکریا، گریہ میں یعقوبؑ، رضا جوئی میں ابراہیمؑ، غزا میں محمود، جہالت میں ابوجہل، حیاداری میں عثمانؓ، غربت میں یحییٰؑ، ذہانت میں فیضی، شقاوت میں یزید، تصوف میں بایزیدؒ، حکومت میں سلیمانؑ، نازک دماغی میں تاناشاہ، شجاعت میں علیؓ، خونریزی میں چنگیز، فلسفۂ اسلام میں امام غزالیؒ، رفاہ عام میں شیر شاہ سوری، محسن کشی میں رہیلہ، فقہ میں امام اعظمؒ، قادراندازی میں بہرام گور، کسب حلال میں سلطان ناصرالدین، صدق میں ابوبکرؓ، خوش الحانی میں داؤدؑ، کثیر الازدواجی میں واجد علی شاہ، جہاد میں سلطان صلاح الدین، سیاحت میں ابن بطوطہ، پختگیٔ ارادہ میں علاؤالدین خلجی، رتبۂ شہادت میں حضرت حسینؓ ہی کیوں نہ ہو لیکن موت سے کسی کو رستگاری نہیں۔

تادریں گلہ گوسفندے ہست — نہ نشیند اجل ز قصابی
بدنیا گر کسے پابندہ بودے — ابو القاسم محمد زندہ بودے

انسان خواہ کیسا ہی احمق اور کتنا ہی بیوقوف کیوں نہ ہو لیکن موت کا یقین اس سے علحدہ نہیں ہوسکتا، موت کا سیاہ بادل جو اس پر آنے والا ہے، اس کے فاصلے کے حساب اور میعاد نزول میں خواہ وہ غلطی کرے مگر اس کو یقین کامل ہے کہ وہ میرے سر پر ضرور آئے گا خواہ وہ کیسا ہی زبردست وقوی اور جوان عمر ہو، مگر موت کے پنجے میں ضرور گرفتار ہوگا، قضا وقدر نے جو موت کا فتویٰ دے دیا ہے وہ کسی طرح نہیں

ٹل سکتا، کوئی چیز دنیا میں ایسی نہیں ہے جس کو وہ کہہ سکے کہ یہ میری ہے مگر موت اور وہ زمین جو کہ اس کی ہڈیوں کو چھپائے گی، کوئی امر موت کے آنے سے زیادہ تحقیق اور موت کے آنے کے وقت سے زیادہ لا تحقیق نہیں، اس واسطے انسان کو چاہیے کہ وہ موت کے لئے ہمیشہ آمادہ رہے، خواہ ظاہری حالات اس کی زندگی کی کیسی ہی تائید کریں، کیونکہ زندگی میں آنے کا صرف ایک راستہ ہے اور جانے کے ہزاروں راستے ہیں، دنیا کی زندگی موت پر موقوف ہے، دنیا جب تک ہی دنیا ہے کہ ایک مخلوق مرتی ہے اور دوسری اس کی جگہ پیدا کرتی ہے اگر ہم موت سے غافل ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ موت ہمیں بھول گئی۔ ؎

رہِ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ
بہت اس طرف کو جاتے ہیں لوگ

لوگ موت کی یہ شکایت ناحق کرتے ہیں کہ وہ ناگہانی اچانک اور دفعتہً ہمارے پاس آجاتی ہے، حالانکہ موت سب جگہ موجود ہے وہ ہم کو سب جگہ ملتی ہے، ہر مقام پر ہر بہانے موت موجود ہے وہ تو ہمیشہ اپنے آنے کی خبر دیتی رہتی ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ میں مروں گا اور مرنے کا کوئی وقت معین نہیں اگر یہ دونوں باتیں معلوم نہ ہوتیں تو بے شک شکایت بجا ہوتی، ہم روزانہ بلکہ ہر وقت اپنی آنکھوں سے امیر وغریب، بچے، بوڑھے، تندرست اور بیماروں کو مرتے دیکھتے ہیں لیکن پھر بھی غفلت اس قدر اور اعمال ایسے ہیں کہ گویا ہم اس کو بالکل بھول بیٹھے ہیں، قدیم مشرقی بادشاہوں کا مقرر کردہ ایک افسر ہوا کرتا تھا جو ہر ایک صبح کو کسی خاص وقت ان کو موت کی یاد دلایا کرتا تھا، موت کے اکثر یاد رکھنے کا نتیجہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ انسان دنیا کے کاموں کی بے جا ہوس نہیں کرتا اور کسی پر ظلم وتعدی اور جور وستم کرنے سے باز رہتا ہے، جن بادشاہوں نے ساری دنیا کو فتح کرنے کی آرزو کی یا جن عالموں نے دنیا کے کل علوم میں کمال چاہا وہ اگر موت کو یاد رکھتے تو یہ آرزوئے بے جا نہ کرتے۔

فکر منزل ہوگئی ان کا گزرنا دیکھ کر
زندہ دل میں ہوگیا اوروں کا مرنا دیکھ کر

حکایت

ایک بیوہ عورت کا اکلوتا لڑکا مرگیا لیکن فرطِ محبت سے وہ بیچاری مامتا کی ماری اس کو زندہ خیال کر کے اس کے علاج کی کوشش میں در بدر پھرتی تھی، ہر چند کہ حکما اس کو سمجھاتے کہ تمہارا لڑکا مر چکا ہے لیکن جوش محبت میں اندھی ہونے کے باعث اس کو یقین نہ آتا تھا، آخر کار لوگ اس کو مہاتما بدھ کے پاس

لے گئے کہ شاید وہ اپنے تدبر ودانائی سے اس عورت کو سمجھا سکیں، مہاتما بدھ نے اس سے کہا کہ فی الحقیقت تمہارا لڑکا مر گیا ہے لیکن میں اس کو زندہ ضرور کرسکتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے ایسے گھر سے پانی کا کٹورا لا کر دے جس گھر میں کبھی کوئی آدمی مرا نہ ہوتا کہ میں اس پانی پر تیرے بیٹے کو زندہ کرنے کا منتر پھونکوں، اس عورت نے پانی حاصل کرنے کے لئے تمام شہر چھان مارا لیکن کوئی گھر ایسا نہ ملا جس میں کوئی نہ مرا ہو، بلکہ بہت سے گھروں میں سے تو یہ جواب ملا کہ مَرے زیادہ ہیں اور زندہ کم ہیں، آخر کار لاچار اور مایوس ہو کر وہ مہاتما بدھ کے پاس واپس آئی اور اپنی اس کوشش میں ناکام رہنے کا ماجرا بیان کیا مہاتما نے اس سے کہا کہ جب تمام شہر میں تجھے ایک گھر بھی ایسا نہیں ملا کہ جس میں کوئی مرا نہ ہو تو تو اپنے مرے ہوئے لڑکے کے زندہ ہونے کی کیا امید کرسکتی ہے، اس بات سے اس عورت کو صبر اور اپنے لڑکے کے مر جانے کا یقین آ گیا اور اس کی تجہیز و تکفین پر رضا مند ہوگئی۔

نہ رنج رفتگاں کر رفتہ رفتہ
پہنچ جائے گا تو بھی کارِ رواں تک

زرکسیــــــز شاہِ ایران اپنی بے شمار فوج کو دیکھ رہا تھا جب کہ وہ یونانیوں سے لڑنے کے لئے دریائے ہلی پانٹ عبور کر رہی تھی، خوشی سے چہرہ ہشاش بشاش تھا کہ میں لاکھوں آدمیوں پر حکمران ہوں، مگر دفعۃً چہرہ بدل گیا اور بے اختیار اشکبار ہو گیا۔ اس خیال سے کہ چالیس پچاس سال کے اندر اندر ان آدمیوں میں سے کوئی نہ رہے گا۔

چرا بسر نہ رود زود دفتر ایام
کہ خود بخود ورق ایں کتاب می گردد

ایک سادھو کی منڈلی میں کسی نے کہا کہ والئے جے پور مہاراجہ امر سنگھ تو مر مر کے بچے ہیں، سادھو نے کہا، بچہ بچ بچ کے مرے گا، آخر کب تک بچے گا۔

موتِ مطلق چوں مالِ زندگی ست
مرگِ موش ومرگ ِ اسکندر یکے ست

استاذ، لڑکو! اس کہانی سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر بکرا اپنی ماں کا کہنا مانتا اور جنگل کی طرف نہ جاتا تو شیر اس کو کسی طرح سے نہ کھا سکتا تھا۔

ایک لڑکا: ''جناب اگر وہ شیر سے بچ جاتا تو انسان اس کو کھا جاتے'' صحیح نتیجہ تو یہ ہے زندگی ایک مسلسل سفر ہے جس کی آخری منزل موت ہے ع۔ چہ بر تخت مردن چہ بر تختۂ پا

اسی مفہوم کا ہندی مقولہ ہے ''جب آیا اس دیہہ کا انت جیسے گدھا ویسے سنت''

قبر پر کر ایک تعمق کی نظر
بحر ہستی کی یہیں پر تھاہ ہے

ایک شخص نے اپنی اکلوتی بیٹی کے جہیز میں ضروریات زندگی کی تمام اشیاء بہم پہنچائیں، قضائے الٰہی سے وہ لڑکی شادی کے چند روز بعد ہی فوت ہوگئی، الم رسیدہ باپ نے یہ شعر فرط غم میں موزوں کیا ؎

یہ آیا یاد اے آرامِ جاں اس نامرادی میں　　کفن دینا تمہیں بھولے تھے ہم سامان شادی میں
اس گلستاں میں بہت کلیاں مجھے تڑپا گئیں　　کیوں لگی تھیں شاخ میں کیوں بن کھلے مرجھا گئیں

ایک منصف (سب جج) کا جنازہ جارہا تھا، کسی شاعر نے فی البدیہہ شعر پڑھا ؎

آج دنیا کی کچہری سے سدھارے منصف
ملک الموت کی ڈگری ہوئی ہائے منصف

حکایت

ایک سوداگر نے اپنے دوست سے جو ایک جہاز کا ناخدا تھا، پوچھا تمہارے والد بزرگوار نے کیونکر وفات پائی؟ ناخدا نے کہا آپ میرے والد کی نسبت خاص کر کیا پوچھتے ہیں؟ میرے آباء واجداد سب ڈوب کر مرتے آئے ہیں، اس واسطے کہ صدہا پشت سے جہاز رانی کا پیشہ ہمارے خاندان میں ہے، سوداگر نے کہا کیا تم کو ڈر نہیں لگتا کہ تم بھی ایک دن باپ دادا کی طرح ڈوب کر ہی مرو گے؟ ناخدا نے کہا بے شک ڈوبنے کا خوف تو ہے لیکن موت سے گریز کہاں ہوسکتا ہے، بھلا میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے آباء واجداد کیونکر مرے؟ سوداگر نے جواب دیا کہ گھر میں مرے اور کہاں مرے، ناخدا نے کہا، آپ نہیں ڈرتے کہ اسی گھر میں آپ کو بھی مرنا ہوگا۔ ؎

قوی شدیم چہ شد ناتواں شدیم چہ شد　　چنیں شدیم چہ شد یا چناں شدیم چہ شد
بہیچ گونہ دریں گلستاں قرارے نیست　　تو بہار شدی چہ شد ما خزاں شدیم چہ شد

نتیجہ یہ کہ آدمی خشکی میں رہے یا دریا میں، موت سے کسی جگہ نجات نہیں ہے ؎

پیام مرگ سے اے دل ترا کیوں دم نکلتا ہے　　مسافر روز جاتے ہیں یہ رستہ خوب چلتا ہے

مصروف طائران چمن میں کلیل میں   صیاد تانت باندھ رہا ہے غلیل میں

حکایت

ایک دن حضرت سلیمانؑ کے پاس ملک الموت آدمی کی شکل میں ملاقات کے لئے آئے، اس وقت حضرت سلیمانؑ کا وزیر بھی بیٹھا ہوا تھا، ملک الموت نے اس وزیر کی طرف کئی مرتبہ غور کے ساتھ دیکھا، جب ملک الموت چلے گئے تو وزیر نے حضرت سلیمانؑ سے پوچھا یا حضرت! یہ کون شخص تھا؟ حضرت سلیمان نے فرمایا۔عزرائیل۔وزیر نے کہا مجھ کوکئی بار عزرائیل نے گھورا، اس سے مجھ کو بڑا خوف پیدا ہوا۔آپ ہوا کو حکم دیجئے کہ مجھ کو بوماس کے جزیرے میں پہنچادے، حضرت سلیمان نے ہوا کو حکم دیا اور بات کی بات میں وزیر ہوا کے گھوڑے پر سوار کئی ہزار کوس جزیرہ بوماس میں جا داخل ہوا، جونہی ٹاپو میں قدم رکھا حضرت عزرائیل آموجود ہوئے اور وزیر کی روح قبض کی، کئی روز بعد پھر عزرائیل حضرت سلیمان کی خدمت میں گئے اور حضرت سلیمان نے اپنے وزیر کا قصہ بیان کیا، عزرائیل نے عرض کیا اس روز جو میں اس شخص کی طرف بار بار دیکھتا تھا اس کی یہی وجہ تھی میں حیران تھا کہ اس کی مدت حیات پوری ہو چکی ہے اور دو گھڑی بعد جزیرہ بوماس میں مجھ کو اس کی روح قبض کرنے کا حکم ہے یہ یہاں کیوں بیٹھا ہے؟ نتیجہ یہ کہ انسان کا خمیر جہاں کا ہے وہیں اس کو مرنا ہے ؎

دو چیز آدمی را ستانند بزور   یکے آب ودانہ دگر خاک گور

سیٹھ جی کو فکر تھی اک اک کو دس دس کیجئے   آیا ملک الموت بولا جان واپس کیجئے

حکایت

ایک ہرن کی آنکھ کسی صدمے کی وجہ سے جاتی رہی بے چارہ شکاریوں کے ڈر سے دریا کے کنارے چرا کرتا تھا اور جو آنکھ کہ ضائع ہو چکی تھی دریا کی طرف سے کچھ خطرہ نہ سمجھ کر اس آنکھ کا رخ دریا کی طرف رکھتا اتفاقاً کوئی شکاری کشتی میں سوار چلا جاتا تھا، جونہی وہ ہرن کے برابر آیا گولی ماری اور ہرن کا کام تمام کیا، یاد رکھو زندگی کو ہر طرف سے آفت ہے کسی حالت میں مطمئن نہیں رہنا چاہیے ؎

نہ پوچھو میری انتہا موت ہے   وہ مجرم ہوں جس کی سزا موت ہے

قیام زندگی بحر فنا میں غیر ممکن ہے   یہ کشتی تیر کی صورت چلی جاتی ہے طوفاں میں

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

ملکہ الزبتھ اول نے مرتے وقت کہا کہ اگر کوئی ڈاکٹر اب مجھے زندہ رکھے تو میں ایک منٹ کی قیمت ایک لاکھ روپے دینے کو تیار ہوں۔

شتربان صحرا گزیں گر بمیرد شہنشاہ مسند نشین ہم نماند
اگر مرد ناداں بو حشت بمیرد خرد مند باریک بین ہم نماند
تخت آرا تھا جو کل وہ آج زیر خاک ہے عالم فانی کا منظر کیسا عبرتناک ہے

حضرت خواجہ حسن بصریؒ جواہرات کی تجارت کیا کرتے تھے ایک مرتبہ آپ روم تشریف لے گئے وہاں وزیر سے ملاقات ہوئی، وزیر نے کہا آج ہم ایک جگہ جارہے ہیں اگر آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں تو اچھا ہے، آپ بھی راضی ہوگئے اوران کے ہمراہ جنگل تشریف لے گئے، جنگل میں دیکھا کہ اطلس کا ایک قیمتی خیمہ ایستادہ ہے، وزیر کے پہنچتے ہی سب سے پہلے ایک لشکر جرار نے خیمے کا طواف کیا پھر حکیموں اور فلاسفروں نے اس خیمے کا طواف کیا۔اس کے بعد بے شمار حسین عورتیں زرق برق پوشاک پہنے اور زر وجواہرات کے طشت لے کر اس خیمے کے گرد طواف کر کے لوٹ آئیں اس کے بعد بادشاہ اور وزیر اس خیمہ کے اندر گئے اور کچھ دیر بعد باہر آگئے۔

یہ نظارہ دیکھ کر آپ بہت دیر تک سوچتے رہے جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وزیر سے اس امر کے متعلق دریافت کیا، وزیر نے کہا کہ قیصر روم کا ایک حسین وجمیل نوجوان اکلوتا فرزند فوت ہوگیا، اس خیمہ کے اندر اس کی قبر ہے، ہم لوگ سال بھر کے بعد اسی طرح خیمہ کی زیارت کو آتے ہیں اور اس قسم کا مظاہرہ کرتے ہوئے صاحب قبر کو یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ اگر تجھ کو زندہ کرنے میں ہمارا ذرہ بھر امکان ہوتا تو ہم تمام فوج، حکیم، ڈاکٹر، فلاسفر، بزرگ، مال ودولت غرضیکہ ہر طرح کوشش کر کے سب کچھ تجھ پر نثار کر دیتے مگر تیرا معاملہ تو ایسی ذات کے ساتھ ہے جس کے مقابلہ میں تیرا باپ تو کیا ساری کائنات کی طاقت بالکل ہیچ ہے۔

عام است حکم میراجل بر جہانیاں
ایں حکم من وتوبہ تنہا نمی کند

یہ بات سن کر آپ پر اس قدر اثر ہوا کہ اپنا کاروبار چھوڑ کر بصرہ واپس آگئے اور تمام بیش قیمت جواہرات فی سبیل اللہ غرباء میں تقسیم کر دئے اور ترک دنیا کی قسم کھا کر گوشہ نشین ہوگئے اور ستر سال تک

ایسی عبادت کی کہ اپنے زمانے کے تمام بزرگوں پر سبقت لے گئے۔

جان لیتا جو شبستان فنا کا انجام
صورت شمع ہر اک بزم میں گریاں ہوتا

ایک شاعر نے اپنے آخری وقت میں حاضرین کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا جو اس نے اسی وقت اپنے حسب حال موزوں کیا تھا ۔

السلام اے بعد ما آئندگان رفتنی
بر شما خوش باد ناخوش ہائے دنیائے دنی

(ترجمہ) سلامتی ہو تم پر اے ہمارے بعد آنے والے جانے والو! دنیائے دنی کی ناخوشیاں تمہارے لئے مبارک ہوں۔

اہل ہستی کو عدم کا مرحلہ درپیش ہے
موت کو نزدیک جو سمجھے وہ دُور اندیش ہے

انسان کا کسی وقت بھی موت سے غافل ہو جانا محاصرہ میں اپنی جگہ پر سو جانا ہے لیکن بڑھاپے میں اس سے غفلت کرنا حملہ کے وقت سونا ہے۔

بنی آدم کا قدم کسی ایسی جگہ نہیں پڑتا، جہاں کسی مردہ کی ہڈی اس کے پاؤں کے نیچے نہ آئے، خواہ وہ شاہ کی ہو یا گدا کی۔

گر کسے خاکِ مردہ باز کند
نشناسد تو نگر از درویش

قدرت نے افزائش عمر کی ایک حد مقرر کر دی ہے مگر کمی کی کوئی حد نہیں ہے۔

باغ دنیا میں ہیں مرجھاتے یہ پھول
کچھ کھلے کچھ ادھ کھلے کچھ بن کھلے

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک دن حضرت نوح کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی عمر سب پیغمبروں سے زیادہ ہوئی آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ فرمایا ''مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک مکان کے دو دروازے ہیں ایک میں سے اندر گیا اور دوسرے میں سے باہر نکل آیا۔

جہاں چیست ہم چوں سرائے دو در ازیں سو بیا وازاں سو گزر

دنیا خوابیست وزندگانی در وے خوابیست کہ درخواب یہ بنی آں را
ہوکر ا پرورد گیتی عاقبت خونش بریخت حال آں فرزند چوں باشد کہ خصمش ماوراست

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں

دنیا پلے ست راہگذر دارِ عاقبت
صاحب تمیزخانہ نگیرند بر پلے

یعنی عاقبت کی رہگذر میں دنیا ایک پل کی مانند ہے کوئی عقلمند پل پر اپنا گھر نہیں بناتا۔

پہنچا قبرستان میں اک بادشاہ دیکھا اک درویش اس جا بیٹھا تھا
پوچھا آبادی میں کیوں آتے نہیں بولا سب آبادی آتی ہے یہیں

ایک نیک دل بادشاہ نے اپنے محل خاص میں ایک تابوت اس خیال سے رکھ چھوڑا تھا کہ اس کو دیکھ دیکھ کر موت کی یاد تازہ رہ سکے۔ایک روز آئینے میں ایک سفید بال اپنی داڑھی میں نظر آیا،حکم دیا کہ اب تابوت اٹھادیا جائے،موت کو یاد کرنے کے لئے اب اس کی کوئی ضرورت نہیں،جب کہ نشان مرگ یعنی سفید بال ہر وقت میرے سامنے موجود ہے۔

حضرت معاویہ کے پاس ایک شخص نجران سے آیا جس کی عمر دوسو برس کی تھی آپ نے اس سے دنیا کی حالت پوچھی اس نے کہا'' کچھ برس تو مصیبت میں کٹے اور کچھ آرام میں،دن رات یونہی غیر محسوس رفتار سے گزرتے جاتے ہیں۔

عمر کی رفتار ہو محسوس یہ دشوار ہے یہ زمین چلتی ہے تیزی سے مگر ہلتی نہیں
رفتار عمر قطع رہ اضطراب ہے اس سال کے دنوں کو برق آفتاب ہے
زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے بج رہا ہے اور بے آواز ہے
لحظہ بیش بنود آنچہ زعمر تو گزشت وآنچہ باقی ست بیک لحظہ دیگر گزرد
ایں ہمہ شوکت وناموس شہاں آخرکار چند سطریست کہ بر صفحہ دفتر گزرد

پیدا ہونے والے پیدا ہوتے ہیں،مرنے والے مرتے ہیں اگر بچے پیدا نہ ہوں تو مخلوق تباہ ہوجائے اور اگر موت نہ ہوتو دنیا میں آبادی کی گنجائش نہ رہے،غرضیکہ یہ سلسلہ اسی غیر متعین رفتار اور بے اندازہ مقدار پر جاری ہے'' حضرت معاویہ نے فرمایا کہ جو تیرا دل چاہتا ہے مانگ،اس نے عرض کیا

میری عمر گزشتہ آپ دے سکتے ہیں؟ یا موت، جو آنے والی ہے اس کو آپ روک سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ''یہ تو دونوں باتیں نہیں ہوسکتیں'' اس نے عرض کیا ''تو پھر مجھ کو آپ سے کچھ حاجت نہیں''۔

کسی کی مرگ پر اے دلے نہ کیجئے چشم تر ہرگز　　بہت سا رو یئے ان پر جو اس جینے پہ مرتے ہیں

بائبل میں لکھا ہے کہ شہر بابل زمانہ قدیم سے لے کر آج تک آبادی و بربادی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ یعنی عاقبت کی رہگذر میں دنیا ایک پل کی مانند ہے کوئی عقلمند پل پر اپنا گھر نہیں بناتا۔

فنا کا دور جاری ہے مگر مرتے ہیں جینے پر　　طلسم زندگانی بھی عجب اک راز فطرت ہے
کس سے پوچھتا میں گل بلبل کی سرگزشت　　دو چار برگ خشک تو دو چار پر ملے
دنیا جسے کہتے ہیں بلاخانہ ہے　　پامال ہے جو عاقل وفرزانہ ہے
ما بین زمین و آسمان یوں ہیں ہم　　جیسے دو آسیا میں اک دانہ ہے

حضرت عثمانؓ جب کسی قبر پر جاتے تو اتنا روتے کہ ریش مبارک بھیگ جاتی، کسی نے کہا کہ آپ جنت اور دوزخ کے بیان پر اتنا نہیں روتے جتنا آپ قبروں پر روتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے منزل اول ہے اگر اس سے مردہ بچ گیا تو اور منزلیں بھی اس پر آسان ہو جاتی ہیں اگر اس منزل سے نجات نہ پائی تو دوسری منزلیں بھی کڑی ہو جاتی ہیں۔

کہا احباب نے یہ دفن کے وقت　　کہ ہم کیونکر وہاں کا حال جانیں
لحد تک آپ کی تعظیم کردی　　اب آگے آپ کے اعمال جانیں

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اپنی موت سے پہلے سخت ریاضت شروع کردی تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اپنے نفس پر کچھ نرمی کریں، آپ نے فرمایا کہ گھوڑ دوڑ میں جب گھوڑے چھٹ کر حک کے قریب پہنچتے ہیں تو اپنا پورا زور لگا دیتے ہیں۔

عطاء خراسانیؒ کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کی طرف سے گزرے تو بہت زور زور سے قہقہے لگا کر ہنس رہے تھے فرمایا کہ ان لوگوں میں لذات کو تلخ کرنے والی کا ذکر بھی شامل کردو پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ وہ موت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لوگوں نے کسی آدمی کی بہت تعریف کی فرمایا ''وہ شخص موت کی یاد میں کیسا تھا؟'' عرض کیا کہ موت کو یاد کرتے تو ہم نے اس کو سنا نہیں فرمایا ''تو وہ اس درجے کا نہیں

جس پر تم اس کو سمجھتے ہو‘‘ اگر حیوانات اپنی موت کو ایسا جانیں جیسا کہ تم جانتے ہو تو کوئی جانور بھی تم کو موٹا نہ نظر آئے فرمایا موت سے اپنی لذتوں کو کڑوا کرو تا کہ تمہاری خواہش ان کی طرف سے جاتی رہے اور خدا کی طرف رجوع ہوسکو۔

ہر کام کو ہے ہر وقت نے گھیرا — پر نہیں اے موت وقت مقرر تیرا
طے ہو رہی ہے منزل چونکو کہ وقت کم ہے — ملک فنا کی جانب ہر سانس اک قدم ہے

نوشیرواں کو ایک شخص نے مبارک باد دی کہ تمہارے ایک جانی دشمن کو خدا نے اٹھالیا، نوشیروان نے کہا، کیا تم نے یہ بھی سنا کہ خدا مجھے چھوڑ دے گا۔

جو شخص کل کو اپنی زندگی کا دن تصور کرتا ہے وہ موت کی ناگہانی آمد اور غیر متوقع گرفت ہی سے غافل نہیں بلکہ مستلزم الحیات وجود مرگ کا بھی قائل نہیں۔

غافل نہ کھائیو فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

اے اہل دنیا! جان لو کہ تم کو بھی ایک دن مرنا، موت کے بعد اٹھنا اور اپنے نیک و بد اعمال کی جزاء اور سزا کو پہنچنا ہے پس دنیا کے چند روز جینے پر مت پھولو اور موت کو کبھی نہ بھولو، دنیا مصیبت کا گھر ہے، فنا ہونا اس کا مشہور اور دھوکا دینا اس کا شعار ہے، اس کی ہر ایک چیز کا انجام زوال ہے اور اس کا ہمیشہ کسی کے پاس رہنا محال ہے جب آدمی کو اس میں تھوڑا آرام ملتا ہے تو اس کے عوض برسوں کا رنج سامنے آجاتا ہے، موت ہر ایک کے سر پر قائم ہے اور اس کا ذائقہ چکھنا سب کو لازم ہے، خدا تعالیٰ کے بندو! آج تمہارا دنیا میں ایسا حال ہے جیسا تم سے پہلے لوگوں کا تھا جو تم سے عمر میں زیادہ طاقت میں قوی آبادی میں کثیر اور مکانات میں اعلیٰ تھے مگر زمانہ کے انقلاب سے آج ان کی آواز بھی نہیں نکلتی، ان کے جسم قبروں میں سڑ گئے، شہر اجڑ گئے اور مکانات گر گئے۔ یا وہ محلات عالیشان گاؤ تکیۓ اور مخملی فرش تھے یا اب پتھر اور اینٹیں خاک گور اور گوشہ لحد ہے کیا تمہیں کچھ شبہ ہے کہ جیسا ان کا حال ہوا وہی تمہارا حال نہ ہوگا؟ وہی تنہائی نہ ہوگی اور وہی خاک میں یہ جسم کیڑوں کی خوراک نہ ہوگا۔

سنورتے تھے کہ اک عالم کی آنکھیں ہم کو دیکھیں گی — خبر کیا تھی ہماری مجلس ماتم کو دیکھیں گی
ستم ہے جامۂ ہستی کا اس تن سے جدا ہونا — لباس تنگ ہے اترے گا آخر دھجیاں ہوکر

جتنی بڑھتی ہے اتنی گھٹتی ہے زندگی آپ ہی آپ کٹتی ہے
رفتن ونا آمدن باید ز آب آموختن خانہ ویرانی بہ عالم از حباب آموختن
نظر غور سے جو دنیا کی حالت دیکھی ہم نے برپا یہی ہر روز قیامت دیکھی

اے عزیز! جان لے کہ یہ دنیا تھوڑی ہے اور تھوڑی میں سے بھی تھوڑی رہی ہے اور اس کا بھی شبہ ہے کہ تھوڑی بھی ہے یا نہیں، تو اس قلیل المیعاد اور کثیر الآلام دنیا میں کس طرح مطمئن بیٹھا ہے، اپنے آپ کو باقی اور باقی سب دنیا کو فانی سمجھتا ہے۔ ؎

اسٹیشن فنا کی بھی کیا خوب ریل ہے اس راہ میں ہر ایک پسنجر کا میل ہے
جو کوئی دن کو چلے شب کو ٹھہر جاتا ہے قاصد عمر رواں آٹھ پہر جاتا ہے
منزلیں ملک عدم کی صرف نسیاں ہوگئیں موت ہی آئے گی اب رستہ بتانے کے لئے
اے دل یہ کہا کس نے جہاں میں قرار کر اور جانِ ناز نیں کو اسیر حصار کر
تو دیکھ جب سے آیا ہے کتنے ہی چل بسے ان رفتگاں میں خود کو بھی اک شمار کر

بادشاہوں کی عیش وعشرت، خدم وحشم اور تجمل وشوکت کو نہ دیکھنا چاہیے بلکہ دیکھنا چاہیے کہ کیسے چھٹ پٹ چلے جاتے ہیں اور نزع کے وقت جب یہ لوگ دنیا اور دولت دنیا سے بجز علیحدہ کئے جاتے ہیں، اس وقت ان کو کس قدر صدمہ ورنج پہنچتا ہے برخلاف اس کے غریب لوگ موت کو راحت خیال کرتے ہیں کیونکہ دنیا سے جاتے وقت ان کو کسی چیز کی علیحدگی کا رنج وصدمہ نہیں ہوتا۔

موت سے کوئی نہ گھبرائے اگر یہ سمجھے کہ یہ دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑا دیتی ہے
نیست پر وائے عدم وہستی را ازقفس مرغ بہر جا کہ رود بستان است
بیٹھے نہیں زمیں میں خزانوں کو گاڑ کے جب موت آئی چل دئے دامن کو جھاڑ کے
موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مرجاتے ہیں

....

اگر موت آئے نہ رنجور ہو جو چھٹی ہو مزدور مسرور ہو
بدل جاتے جینے کا دکھ چین سے جو مرجائے سوجائے سکھ چین سے
ملا مرنے والوں کو آرام وہ کہ اٹھنے کا لیتے نہیں نام وہ

بنی اسرائیل میں سے کسی نے بہت سا مال جمع کیا تھا جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا،

میرا سب قسم کا مال مجھے دکھلاؤ، سب قسم کی قیمتی چیزیں اور زر و جواہرات اس کے سامنے لائے گئے جب اس نے ان چیزوں کو دیکھا تو بہت رویا، ملک الموت نے جو اس کو روتے دیکھا تو کہا، روتا کیوں ہے؟ قسم ہے رب العزت کی کہ میں تیرے جسم سے تیری جان کو نکالے بغیر نہ نکلونگا، اس نے کہا مجھے اتنی مہلت تو دے کہ میں ان چیزوں کو خدا کی راہ میں صدقہ دے دوں۔ ملک الموت نے کہا یہ نہیں ہوگا، اب مہلت کا وقت گیا، اس وقت سے پیشتر جو اتنی مہلت دراز تجھے حاصل تھی اس میں کیوں نہ دے دیا یہ کہہ کر اس کی روح قبض کر لی۔

آسودگی بگوشہ ہستی نہ دیدہ ایم
جاں دادہ ایم وکنج مزارے خریدہ ایم

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک لوگ نہایت طویل العمر اور قلیل الامراض ہوتے تھے، لیکن طوالت عمر و قلت امراض کے غرور میں موت کو بھول کر وہ حد سے زیادہ گناہ کرنے لگ گئے جس کے عذاب میں ان پر طوفان بھیج کر سب کو ہلاک کر دیا گیا، خدا نے حضرت نوح علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ آئندہ دنیا کو طوفان سے نابود نہ کروں گا، اس لئے اس نے آدمیوں کی عمریں کم کر دیں اور امراض بڑھا دئے کہ نہ زیادہ عمریں ہوں گی اور نہ گناہوں کا طوفان برپا ہوگا جس کے سبب مجھے پھر ان کو طوفان میں غرق کرنا پڑے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا معمول تھا کہ روزانہ رات کو علماء کے مجمع کو بلاتے، جو موت، قیامت، اور آخرت کا ذکر کرتے اور ایسا روتے جیسا کہ جنازہ سامنے رکھا ہو۔

ایک حکیم کا قول ہے کہ دنیا ایک اجڑا ہوا مکان ہے اور اس سے زیادہ تر وہ دل اجاڑ ہے جو دنیا کا پھیلا چاہیے۔

دنیا طلبی میں تیرا اس قدر انہماک اس بات کی روشن دلیل ہے کہ تو موت کو مشتبہ اور زندگی کو یقینی خیال کرتا ہے، مکانات کی مضبوط بنیادیں تیری زندگی کی بنیاد کو مضبوط نہیں کرسکتیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہمارا دل ہے عمارت کے ولولوں کے لئے — زمانہ کہتا ہے یہ سب ہیں زلزلوں کے لئے
یاقصۂ حیات کو اتنا نہ طول دے — یا اعتبار ہستی ناپائیدار کر

بادۂ حیات کے سرشار موت بہت جلد تیرے سرور زندگی کو مبدل بہ خمار کرنے والی ہے، تیار رہ۔

08082208685

عبث طول امل یہ ہے چناں ہوگا چنیں ہوگا نہیں ہے دور وہ ساعت کہ تو زیر زمیں ہوگا
نزع میں پیش نظر ہیں عمر بھر کے واقعات ساری دنیا کا مرقع آخری منظر میں ہے
اے دل چو آگہی کہ فنا در پئے بقا است این آرزوئی دور ودر از از پئے چراست
ایک پل میں موت کی ترشی سے ہوش آجائیگا کس نشے میں مست ہے مست شراب زندگی
ہر ذی حیات موجہ دریا نیستی ست نقش وجود خویش بریں آب بست ورفت
عمر عزیز طے شد وغافل نشستہ برخاست شور محشر وکاہل نشستہ
کردیا نزع نے واقف کہ ہستی کیا تھی ہوش آیا تو کھلا حال کہ مستی کیا تھی

کوئی بزرگ دنیاوی صحبتوں سے بچنے کے لئے ہمیشہ سفر میں رہا کرتے تھے، اثنائے سفر میں آپ کا گزر ایک شہر کے پاس سے ہوا جہاں کے لوگ ایک جلوس کی شکل میں خوشیاں منا رہے تھے، آپ نے دریافت کیا کہ یہ جشن کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ایک امیر زادہ کی سالگرہ ہے، آپ نے اسی شہر میں اقامت اختیار کرلی کہ یہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں جو زندگی کے کم ہونے اور موت کے نزدیک آنے پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ ؎

آدمی کو موت کے آنے کی ہے لازم خوشی عید ہے جس روز چھٹکارا ہوا محبوس کا
زندگی ہی میں بتدریج ہیں مرتے جاتے وقت کے ساتھ ہی ہم بھی ہیں گزرتے جاتے
دیکھو تو ثبات عمر فانی کیا ہے یاں وقفۂ پیری وجوانی کیا ہے
اے شاہ چہ گوئی چو پیر مند از تو جائے کہ بترسی ونہ ترسید از تو

موت اس شخص پر اتنی ہی زیادہ بھاری ہوگی جتنا کہ وہ تعلقات دنیوی میں زیادہ الجھا ہوا ہوگا اس لئے جدائی کا وقت آنے سے پہلے ہی مخلوق سے جدا ہوجا، آسانی رہے گی ؎

قتل ہوکہ ہم بچے آزار سے عمر کے دن کٹ گئے تلوار سے
دنیا نیر زد آنکہ پریشاں کنی وے زنہار بد مکن کہ نکر داست عاقلے
دنیا مثال بحر عمیق است وپر نہنگ آسودہ عارفاں کہ گرفتند ساحلے
جابرابر ہے دل مادر میں ہر فرزند کی رتبہ زیر خاک یکساں ہے گدا وشاہ کا

حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ ہم جنازہ کے ساتھ جاتے تو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ ماتم پرسی کس شخص

سے کریں اس لئے کہ سب کو غم یکساں ہوتا تھا ؎

مجلس وعظ رفتنت ہوس است
مرگ ہمسایہ واعظ تو بس است

حصول عبرت اور حقیقت شناسی کے لئے قبرستان سے بہتر کوئی جگہ نہیں ؎

بڑھاؤ میلِ گورستاں نشینی
ہے گورستاں نشینی پیش بینی

حضرت رسول کریمؐ کا فرمان ہے کہ میں نے دونوں آنکھیں کبھی اس طرح نہیں کھولیں جس میں یہ خیال نہ کیا کہ پلکیں بند کرنے سے پہلے میری روح عزرائیلؑ قبض کریگا اور کوئی نگاہ میں نے اوپر کو ایسی نہیں جس میں یہ خیال نہ کیا کہ نیچے کو نگاہ کرنے تک میں جیتا رہوں گا اور کوئی لقمہ ایسا نہیں کھایا جس میں یہ خیال نہ کیا کہ میں موت سے پہلے اس کو نگل جاؤں گا اگر تم عاقل ہو تو اپنی جانوں کو مردوں میں شمار کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لکڑیوں میں سے ایک کو اپنے سامنے گاڑا اور دوسری کو اس کے پاس اور تیسری کو دور گاڑا اور فرمایا ''پاس پاس کی دو لکڑیوں میں سے ایک انسان ہے اور دوسری لکڑی موت اور دور کی لکڑی انسان کی امید ہے کہ آدمی اس سے معاملہ رکھتا ہے اور موت اس تک پہنچنے نہیں دیتی''۔

تجھے اے امید فردا دل وجاں سے پیار کرتے گر اپنی زندگی کا ہم اعتبار کرتے
ہیں انتھک کوششیں جاری حیات جاودانی کی ذرا دیکھے کوئی نا دانیاں انسانِ فانی کی

ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر بندوں کو اپنی موت معلوم ہوتی نہ کوئی کوتوال اور پاسبان ہوتا، کھلے دروازے سب آرام سے سوتے اور یاد خدا کرتے یہ سب جھمیلے موت کے بھولنے سے ہوئے ؎

غم دستار می خوردم مبادا بر زمیں افتد ندانستم کہ ایں سر نیز زیر خاک خواہد شد
اے خوف مرگ دل میں جو انساں کے تو رہے پھر کچھ ہوس رہے نہ کوئی آرزو رہے

حضرت یحییٰؒ بن ابی کثیر جب کسی جنازے کے ساتھ جاتے تو واپسی پر لوگ انہیں چارپائی پر لاتے، ان کو چلنے یا سواری کی طاقت نہ رہتی۔ اسی حالت میں کئی دن شدت خوف کی وجہ سے کام تو درکنار کلام بھی نہ کر سکتے۔

روایت ہے کہ ابتداء میں خدا نے انسانوں کو اس خیال سے ہزار ہزار سال کی عمر بخشی تھی کہ وہ اسے

عبادت میں صرف کریں گے لیکن بڑے بے پروا نکلے۔انہوں نے خیال کیا کہ جب اتنی لمبی عمر ہے تو پھر کیوں نہ زندگی کا لطف اٹھایا جائے ،اس لئے کافی عرصہ عیش وعشرت کریں جب بڑھاپا آئے گا تو خدا کو یاد کرلیں گے اس پر انسانی زندگی کی میعاد گھٹا کر ایک سو سال کردی تا کہ وہ اس حیات چندروزہ کو تو ضرور ذکر عبادت اور فکر عاقبت میں گزاریں لیکن برعکس انسانوں نے کھاؤ پیو اور موج اڑاؤ کل تو فنا ہونا ہی ہے کے مقولے پر عمل کیا۔

اگر یک پردہ غفلت نہ نبودے
زبیم مرگ ہر دم مرگ بودے

اے وہ شخص کہ اپنے زیادہ تندرست رہنے سے دھوکے میں ہے کیا تو نے بیماری کے بغیر کسی کو مرتے نہیں دیکھا؟ یا بیماری آنے میں کچھ دیر لگتی ہے؟ موت سے پہلے اپنے حال پر رحم کھا ۔

گھڑے کو کمہار ایک جب گھڑ چکا تو اس دم گھڑے سے یہ آئی صدا
نہ جانو کہ سنگ سپہر قضا ترا پہلے توڑے یا میرا گلا
میں جانتا ہوں بلبل جو ہے تیری حقیقت اک مشت استخواں میں دو پر جڑے ہوئے ہیں
معلوم ہے حسینو! اس حسن کی حقیقت ظاہر میں رنگ وبو ہے باطن سڑے ہوئے ہیں

اے غافل ہنستا کیوں ہے؟ شاید کہ تیرا کفن بزاز کی دکان پر آچکا ہو، یہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں ،اس کے گھر ایسے ہیں کہ اس پر فنا لکھ دی ہے۔اوران میں رہنے والوں پر وہاں سے چلا جانا جو اس وقت آباد نظر آتے ہیں وہ چندروز میں اجڑ جاتے ہیں سوچو اس خیال میں نہ رہو کہ جوانی میں موت کا آنا بعید ہے، بہت کم لوگ بڑھاپے تک پہنچتے ہیں کیونکہ بہتوں کو جوانی اور لڑکپن ہی میں موت آجاتی ہے،موت کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں، نہ صبح وشام نہ شب وروز ، نہ گرمی سردی، وقت جب آجاتا ہے، ذرا سی دیر کا بھی پس وپیش نہیں ہوتا ۔

گشت چوں رشتۂ عمرم کوتاہ معنی سال گرہ فہمیدم
ہرگردش فلک بہ سرانتقام ہے ہر شام عیش صبح الم کا پیام ہے
فانی ہر اک چیز یہاں لاکلام ہے کہتے ہیں جس کو باقی وہ اللہ کا نام ہے

بسل مات ار ستاتالیس وافلاطون بافلیج ولقمان بسرسام وجالینوس مبطوناً

مرض سل سے ارسطالیس مرااور افلاطون فالج سے لقمان سرسام سے اور جالینوس اسہال سے مرا

حالانکہ انہی امراض میں ان حکماء کو ید طولیٰ اور رتبہ کمال حاصل تھا، دھنتر وید کو سانپ پکڑنے میں انتہائی مہارت تھی، اس کو سانپ نے کاٹا اور مر گیا، غرض یہ کہ جو بنا ہے سوفنا ہے''لوٹی کی کوئی بوٹی نہیں۔ پنجابی مثل ہے، بلا یئے آپ چڑھائے تاپ، امراض ذریعہ موت ہیں۔

دنیا یہ سدا عبرت واندیشہ کی جا ہے یاں کیسا مقام آٹھ پہر کوچ لگا ہے
جاتے ہیں چلے مرگ کا دروازہ کھلا ہے رہ جانتے نہ کوئی ،یہی آواز درا ہے
تن میں ہوا جو ہے کوئی دم کی بندھی ہوئی گٹھڑی ہے غافلو یہ بھرم کی بندھی ہوئی

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ''موت کا معاملہ نہایت خطرناک ہے اور لوگ اس سے بہت غافل ہیں اول تو اپنے مشاغل کی وجہ سے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تب بھی چونکہ دل دوسری طرف مشغول ہوتا ہے، اس لئے محض زبانی تذکرہ مفید نہیں ہے بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ دل کو سب طرف سے بالکل فارغ کر کے اس طرح سوچے کہ گویا موت سامنے ہی کھڑی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اپنے عزیز واقارب اور جاننے والے احباب کا حال سوچے کہ کیونکر ان کو چار پائی پر لے جا کر مٹی کے نیچے داب دیا۔ ان کی صورتوں کا ان کے اعلیٰ منصوبوں کا خیال کرے اور یہ غور کرے کہ اب مٹی نے کس طرح ان اچھی صورتوں کو پلٹ دیا ہوگا، ان کے بدن کے ٹکڑے الگ الگ ہوگئے ہوں گے کس طرح بچوں کو یتیم، بیوی کو بیوہ اور عزیز واقارب کو روتا چھوڑ کر چل دئے، ان کے سامان، ان کے مال، ان کے کپڑے پڑے ہیں کس طرح دنیا کی لذتوں میں مشغول تھے، آج مٹی میں پڑے ہیں، کیسا موت کو بھلا رکھا تھا آج اس کے شکار ہو گئے کس طرح جوانی کے نشے میں مست ومدہوش تھے، آج کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے، کیسے دنیا کے دھندوں میں ہر وقت مشغول رہتے تھے، آج ہاتھ اور پاؤں الگ الگ پڑے ہیں، زبان کو کیڑے چمٹ رہے ہیں، بدن میں کیڑے پڑ گئے ہوں گے، کیسا کھل کھلا کر ہنستے تھے، آج دانت گرے پڑے ہوں گے، کیسی کیسی تدبیریں سوچتے، حالانکہ موت سر پر تھی، مرنے کا دن قریب تھا مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ آج رات کو میں نہیں ہوں گا، یہی حال میرا ہے، آج میں اتنے انتظامات کر رہا ہوں، کل کی خبر نہیں کیا ہوگا۔''



حسن خاتمہ

ترتیب: مفتی ناصرالدین مظاہری

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو قبر میں سب سے پہلے جس چیز کی بشارت دیجائیگی وہ یہ ہے کہ اس سے کہا جائیگا کہ تجھ کو اللہ کی رضا اور جنت کی خوش خبری ہے، تیرا آنا بھلائی کو پہنچا اور تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت کردی ان سب کی جنہوں نے تجھے تیری قبر تک پہنچایا اور سچ کہا جس نے تیری گواہی دی اور دعا قبول ہوگئی جس نے تیرے لئے مغفرت طلب کی۔

ملاقات الأرواح للميت الخ

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی روح جب قبض ہوتی ہے تو اللہ کے بندوں میں سے نیک لوگ اس سے ملاقات کرتے ہیں جیسا کہ اہل دنیا میں سے کچھ بشارت دینے والے کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے ساتھی کو دیکھو کہ آرام کررہا ہے کہ دنیاوی زندگی میں بہت سخت تکلیف میں تھا پھر وہ سوال کرتے ہیں کہ اس نے کیا کیا اور فلانہ نے شادی کی۔

علم الموتى بزوارهم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جب وہ اپنے بھائی سے ملے اور اس کے پاس بیٹھے مگر یہ کہ وہ اس سے مانوس ہوجاتا ہے اور وہ اس کے پاس ہی رہتا ہے حتی کہ دوسرا کھڑا ہوجائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص کسی ایسی قبر کے پاس سے گزرتا ہے کہ جس کو وہ جانتا ہے تو اس کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کا جواب دیتا ہے۔

مقر الأرواح

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شہداء ریاض الجنہ کے ایک خاص حصہ میں ہوں گے، ان کے پاس بیل اور مچھلی بھیجی جائے گی .... پھر جب ان کو کسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے تو

ان میں سے ایک دوسرے کی چیں کاٹ دیتا ہے تو وہ لوگ اس میں سے کھاتے ہیں اور اس میں سے وہ جنت کی ہر چیز کی لذت محسوس کرتے ہیں۔

قبر میں مومن کا لباس

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میرے یہ دونوں کپڑے (جو میں نے پہن رکھے ہیں) دھل دو اور مجھے انہیں دو کپڑوں میں کفن دینا، کیوں کہ ابو بکر دو شخصوں میں سے ایک ہے یا تو اس کو بہترین لباس پہنایا جائے گا یا اس کا کفن بھی کھینچ لیا جائے گا۔

مردوں کا قبروں میں ایک دوسرے کی زیارت کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا ولی ہے تو وہ اس کو اچھا کفن دے کیوں کہ مردے اپنی قبروں میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔

محمد ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ مردے اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ان کا کفن لپٹا ہوا اور بندھا ہوا ہو اور انہوں نے فرمایا کہ مردے قبروں میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔

ابراہیم بن عبد الصمد سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا ان لوگوں نے جو صبح کے وقت قلعہ کے پاس گزر رہے تھے انہوں نے کہا کہ جب ہم جنگل میں ثابت بنانی کی قبر کے پاس سے گزرے تو ہم نے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔

اور ابوالنضر نیشاپوری سے مروی ہے کہ جو گورکن تھے اور نیک صالح متقی تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک قبر کھودی تو اس قبر میں ایک دوسری قبر نمودار ہوئی، میں نے غور سے دیکھا تو اچانک میں ایک خوبصورت عمدہ لباس پاکیزہ خوشبو والے چار زانو بیٹھے ہوئے نوجوان شخص کے پاس موجود ہوں جس کی بغل میں ایک کتاب ہے جو بہت عمدہ خط میں لکھی ہوئی ہے میں نے ایسا عمدہ خط کبھی نہیں دیکھا وہ نوجوان قرآن پڑھ رہا ہے پھر اس نوجوان نے میری طرف نظر اٹھائی اور کہا کیا قیامت قائم ہوگئی؟ میں نے کہا نہیں تو اس نے کہا کہ میرے اوپر جو مٹی کا ڈھیلا رکھا ہوا تھا تو وہ دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دو، راوی کہتے ہیں کہ میں نے وہ ڈھیلا اس کی جگہ پر لوٹا دیا۔

حضرت یافعیؒ روضۃ الصالحین میں ایک شخص سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے ایک شخص کی قبر کھودی اور اس کی لحد بنائی تو جس وقت میں اس لحد کو برابر کر رہا تھا اچانک ایک اینٹ اس کے برابر والی لحد کی گر پڑی، میں جو دیکھا تو یکا یک ایک بوڑھے بزرگ شخص اپنی قبر میں بیٹھے ہوئے ہیں جنہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے ہیں اور ان کے کپڑے ملنے کی وجہ سے بچ رہے ہیں اور ان کی بغل میں سونے کا ایک مصحف ہے جو سونے سے لکھا ہوا ہے وہ اس کو دیکھ کر پڑھ رہے ہیں پھر انہوں نے اپنا سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور کہا کیا قیامت قائم ہوگئی؟ تو میں نے کہا نہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ اینٹ (جو اپنی جگہ سے گر گئی ہے) اس کی جگہ پر رکھ دو، اللہ تم کو عافیت سے رکھے تو میں نے وہ اینٹ اس کی جگہ پر لوٹا دی۔

موت کی فضیلت اور وہ زندگی سے زیادہ بہتر ہے

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''موت ''مومن کا تحفہ ہے۔

حسین بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''موت'' مومن کا گلدستہ ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''موت'' مومن ....۔

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ''دنیا'' کافر کے لئے جنت ہے اور مومن کے لئے قید خانہ ہے اور جس وقت مومن کی روح نکلتی ہے وہ اس آدمی کی طرح ہے جس طرح کوئی آدمی قید خانہ میں ہو پھر ان کو وہاں سے نکالا گیا ہو چنانچہ وہ دنیا میں گھومتا پھرتا اور تفریح کرتا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے فرمایا ''دنیا'' مومن کے لئے قید خانہ ہے چنانچہ جب وہ مرجاتا ہے اپنی جماعت سے الگ ہو جاتا ہے (اور) جہاں چاہے تفریح کرتا ہے۔

ابن مسعودؓ نے فرمایا ''موت'' ہر مسلمان کے لئے تحفہ ہے۔

حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''موت'' ہر مسلمان کے لئے کفارہ ہے۔

حضرت ابو مالک ''الاشعریؓ'' سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ ''موت'' کو اس شخص کے لئے محبوب بنا دیجئے جو مجھ کو تیرا رسول جانتا ہو۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ''انسؓ'' فرمایا: کہ اگر تم میری وصیت کی حفاظت کرو گے تو تم کو موت سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو فرشتے اس کے پاس ریشم کا ایک کپڑا لے کر آتے ہیں جس میں مشک، عنبر اور ریحان ہوتا ہے پھر اس کی روح کو اس طرح نکالتے ہیں جیسے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے، اور اس سے کہا جائے گا اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کے جوار رحمت اور کرم کی طرف چل اس طرح کے تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش جب اس بندے کی روح نکل جاتی ہے تو مشک و ریحان پر اس کو رکھتے ہیں اور ریشم کا کپڑا اس پر لپیٹتے ہیں اور اسے اعلیٰ علیین میں لے جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن اپنی قبر میں سرسبز باغ میں ہوتا ہے اور اس کی قبر اس کے لئے ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس کی قبر اس کے لئے چودھویں رات کی طرح روشن کر دی جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ کچھ صحابہ ایک قبر پر بیٹھے تھے ان کو یہ خیال نہ تھا کہ یہ قبر ہے تو اچانک اس قبر میں سے ایک شخص کے سورہ ملک پڑھنے کی آواز آنے لگی یہاں تک اس (صاحب قبر) نے سورہ ملک کو ختم کر دیا تو صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اس بات کی خبر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورہ ملک آڑ ہے، بچانے والی ہے جو اس کو عذاب قبر سے نجات دلائے گی۔

ابو القاسم سعدی نے کتاب الارواح میں لکھا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس بات کی تصدیق کہ رات گزارنے والا اس کو اپنی قبر میں پڑھتا ہے اس لئے کہ عبداللہ نے رسول اللہ کو اس بات کی خبر دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں جنگل سے اپنا مال لینے گیا تو رات ہوگی چنانچہ میں عبدالملک بن عمرو بن حرام کی قبر کے پاس آ گیا تو میں نے قبر میں تلاوت قرآن سنی جب

سے اچھی میں نے نہیں سنی، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے اس واقعہ کو آپ سے ذکر کیا آپ نے فرمایا وہ عبداللہ ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو قبض کر کے زبرجد ویاقوت کے قندیلوں میں رکھا ہے پھر ان (قندیلوں) کو جنت کے درمیان لٹکا دیا ہے، جب رات ہوتی ہے تو ان کی روحیں ان کے پاس آتی ہیں اور طلوع فجر تک رہتی ہیں جب فجر طلوع ہوتی ہے تو ان کی روحیں اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔

روحوں کا ٹھکانہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں جنت میں صبح جہاں چاہتی ہیں نکل جاتی ہیں پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں پناہ لیتی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب احد میں تمہارے ساتھی شہید ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھ دیا جو جنت کے نہروں پر آتے ہیں اور اس کے پھلوں کو کھاتے ہیں عرش کے سایہ میں سونے کے لٹکے ہوئے قندیلوں میں پناہ لیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء نہر جنت کے پاس سبز قبہ میں ہوں گے، صبح وشام جنت سے ان کے پاس ان کا رزق پہنچے گا۔

میت کا اس شخص کو پہچاننا جو اس کو غسل دے کر تیار کرتا ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردہ اپنے غسل دینے والے اور اٹھا کر چلنے والے کو پہچانتا ہے اور اس شخص کو بھی پہچانتا ہے جو اس کو کفناتا ہے اور اس کو اس کی قبر میں رکھتا ہے۔

آسمان وزمین کا مردہ پر رونا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان

کیلئے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک دروازہ سے انسان کا عمل اوپر لے جاتا ہے اور دوسرے سے اس کا رزق اتارا جاتا ہے اور اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو آسمان وزمین اس کی موت پر گریہ وزاری کرتے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ جب سے آ نے منکر نکیر کی آواز اور قبر کی تنگی کے بارے میں مجھ سے بیان فرمایا اس وقت سے کوئی چیز میرے لئے نافع نہیں ہو رہی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ منکر نکیر کی آوار مومنین کے کانوں میں اس طرح پڑے گی جیسے سرواشمہ آنکھ میں ڈال دیا جائے۔ اور قبر مؤمن پر اس طرح تنگ ہوگی جیسے ایک مہربان ماں سے اس کا لخت جگر دردسر کی شکایت کرتا ہے تو ماں بڑی نرمی وآہستگی سے اس کا سر دباتی ہے لیکن اے عائشہ! ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی ذات میں شک کرتے ہیں ان لوگوں کو قبر میں اس طرح بھیجا جائے گا جیسے پتھر کی چٹان انڈے پر گر کر اس کو کچل دیتی ہے۔

قبر میں مومن کا استقبال

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ مومن قبر میں دفنادیا جاتا ہے تو قبر اُھلا و مرحباً پیش کرتے ہوئے اس سے کہتی ہے کہ میرے اوپر چلنے والے تمام انسانوں میں میرے لئے تو سب سے زیادہ محبوب تھا۔

پس جب آج تجھ کو میرے حوالہ کر دیا گیا تو تو اپنے ساتھ میرا برتاؤ دیکھے گا پھر قبر اس کے لئے منتہائے نظر تک کشادہ ہو جاتی ہے اور جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھل دیا جاتا ہے راوی کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

وہ بشارت جو بندۂ مومن کو منکر نکیر کے سوال کے وقت سنائی جاتی ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن بندہ کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اسے رکھ کر واپس ہوتے ہیں حال یہ ہے کہ وہ ان کے جوتوں کی کھٹکھٹاہت سنتا ہے فرمایا دریں اثناء دوفرشتے اس کے پاس آکر بیٹھ جاتے ہیں اور اس سے

سوال کرتے ہیں کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا تو اگر بندہ مومن ہوتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں پھر وہ دونوں فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ جہنم میں اپنے ٹھکانہ کی طرف دیکھ کہ اللہ نے اس کی وجہ سے تیرا ٹھکانہ جنت میں تبدیل فرما دیا تو وہ بندہ ان دونوں ٹھکانوں کی طرف دیکھتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ مردہ کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور لوگ اس کو رکھ کر واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے پس وہ مردہ اگر مومن ہوتا ہے تو نماز اس کے سر کی جانب آجاتی ہے اور زکوۃ اس کے دائیں جانب اور روزہ اس کے بائیں جانب اور دیگر افعال خیرات وتطوعات اور لوگوں پر احسانات اس کے پاؤں کی جانب آجاتے ہیں پس اگر (عذاب) اس کے سر کی جانب سے آتا ہے تو نماز کہتی ہے میری طرف سے داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں پھر اس کی داہنی جانب سے آتا ہے تو زکوۃ کہتی ہے میری طرف سے آنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

پھر اس کی بائیں جانب سے آتا ہے تو روزہ کہتا ہے کہ میری طرف سے داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں، پھر اس کے پیروں کی طرف سے آتا ہے تو اس کے دیگر اعمال صالحہ احسانات وغیرہ کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جاوہ بیٹھ جاتا ہے اور سورج اس کے سامنے کر دیا جاتا ہے حال یہ کہ قریب الغروب ہوتا ہے پھر اس سے فرشتے کہتے ہیں کہ ہمارے سوالات کا جواب دیجئے (یہ سن کر) وہ مومن بندہ کہتا ہے کہ مجھے نماز پڑھنے دیجئے فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اس وقت تیرا مشغلہ یہی ہے کہ تو ہمارے سوالات کا جواب دئے وہ کہتا ہے تم مجھ سے کیا سوال کرنا چاہتے ہو تو فرشتے پوچھتے ہیں کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا وہ جواب دیتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے پاس ہمارے رب کی طرف سے واضح دلائل لے کر آئے پس ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان کی اتباع کی اس سے کہا جائے گا کہ تو نے سچ کہا اسی پر تو زندہ رہا اور اسی پر تیرا خاتمہ ہوا اور اسی پر تو اٹھایا جائے گا ان شاء اللہ تو بے خوف لوگوں میں سے ہوگا، پھر منتہائے نظر تک اس کی قبر کشادہ کر دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اس کے سامنے ایک دروازہ جہنم کی طرف کھول دو پس اس کے سامنے وہ دروازہ کھل دیا جاتا ہے اور اس سے کہا

جاتا ہے کہ اگر تو اللہ کی نافرمانی کرتا تو یہی تیرا ٹھکانہ تھا یہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتا ہے اور اس کے سامنے ایک دروازہ جنت کی طرف کھولنے کا حکم ہوتا ہے پس وہ کھول دیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیری منزل ہے اور وہ ٹھکانہ ہے جو اللہ نے تیرے لئے تیار کیا ہے یہ دیکھ کر اس کی خوشی دوبالا ہوتی ہے پھر اس کے جسم کو اس کی اصل یعنی میں مٹی میں ملا دیا جاتا ہے اور اس کی روح نسیم طیب (سبز پرندہ) میں ڈال دی جاتی ہے جو جنت کے درخت میں لٹکا ہوا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مردہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے وہ اعمال صالحہ اس کو آ کر گھیر لیتے ہیں جو خالص اللہ کی خوشنودی کے لئے ہوتے ہیں پر اگر (عذاب) اس کے سر جانب سے آتا ہے تو قرآن کریم کی تلاوت اس کے سامنے ہو جاتی ہے اور اگر اس کے پاؤں کی جانب سے آتا ہے تو تہجد کی نمازیں سامنے آجاتی ہیں اور اگر اس کے ہاتھوں کی طرف سے آتا ہے تو ہاتھ اس طرح پھیل کر کہتے ہیں جیسے دعاء وصدقہ کے لئے پھیلائے جاتے ہیں کہ تمہارے لئے اس پر کوئی راہ نہیں اور اگر اس کے چہرہ کی طرف سے آتا ہے تو اس کے اذکار وروزہ سامنے آجاتے ہیں۔...........................

......اور اس سے اس کے اعمال صالحہ اس طرح الگ ہو جاتے ہیں جیسے انسان اپنے بھائی دوست اور اہل وعیال سے جدا ہوتا ہے اس وقت اس سے کہا جاتا ہے کہ (اب تو) سوجا اللہ تیری خواب گاہ میں برکت فرمائے پس تیری حالت کیا ہی خوب اچھی ہے اور تیرے ساتھی کیا خوب عمدہ ساتھی ہیں۔



چار چیزیں جو بدن کو قوت دیتی ہیں:

بدن میں چار چیزیں قوت پہنچاتی ہیں(۱) تازہ گوشت (۲) خوشبو سونگھنا (۳) بکثرت غسل (۴) سوتی کپڑا پہننا۔ (حضرت امام شافعی)

آخری لمحات و پیغامات

جمع وترتیب: ناصرالدین مظاہری

اللہ تعالیٰ نے اس فانی دنیا کی قسمت اور تقدیر ''فنائیت'' کی روشنائی سے تحریر فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز پر موت طاری ہونی ہے، کسی کو دوام یا استمرار نہیں ہے، انبیاء کرام، صحابہ عظام اور اللہ کے نیک و برگزیدہ بندے سبھی نے موت کے پیالہ کو پیا ہے۔

موت ایک ایسی سچائی اور اٹل حقیقت ہے جس سے نہ تو راہ فرار اختیار کرنا ممکن ہے نہ ہی ہمیشہ ہمیش کسی کو قرار حاصل ہوسکتا ہے، اسی لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ موت کا تذکرہ ہمیں موت کی یاد دلاتا ہے۔

ذیل میں چند اولوالعزم شخصیات کے آخری لمحات میں آخری کلمات کو یکجا و مرتب کر کے شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یہ آیت پاک تلاوت فرمائی: وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْد۔ پھر اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ سے فرمایا: میرے یہ دو کپڑے دیکھو (جو میں نے پہن رکھے ہیں) ان کو دھل کر انہیں دو کپڑوں میں مجھے کفن دیں، کیونکہ زندہ شخص بمقابلہ مردہ کے نئے کپڑے کا زیادہ لائق ہے۔

وفات کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر آپ قبول فرمائیں تو میں آپ کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ یقیناً اللہ عزوجل کا رات کا ایک حق ہے جس کو وہ دن میں قبول نہیں فرماتے اور دن کا بھی ایک حق ہے جس کو وہ رات میں قبول نہیں فرماتے اور اللہ تعالیٰ شانہ نفل اس وقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک آپ فرض ادا نہ کرلیں اور حقیقت میں ان لوگوں کی میزان بھاری ہے جنہوں نے باوجود دشواری کے دنیا میں حق کی اتباع کی جس کی وجہ سے آخرت میں ان کی میزان بھاری ہوگئی اور میزان کے یہی لائق ہے کہ جب اس میں حق رکھا جائے تو وہ بھاری ہوجائے اور حقیقت میں ان لوگوں کی میزان ہلکی ہے جنہوں نے آسان ہونے کی وجہ سے دنیا میں باطل کی پیروی کی جس کی وجہ سے آخرت میں ان کی میزان ہلکی ہوگئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب نیزہ مارا گیا...... حضرت عبیدہ بن عباسؓ ان کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین آپ نے اسلام قبول کیا جب کہ لوگوں نے کفر کیا اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کیا جب کہ لوگوں نے ان کی مدد چھوڑی اور آپ شہید ہوئے جب کہ آپ کے بارے میں دو شخصوں کا بھی کوئی اختلاف نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حال میں ہوئی تھی کہ وہ آپ سے راضی تھے تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ آپ اپنی گفتگو دہراؤ۔ حضرت ابن عباسؓ نے دوبارہ یہی باتیں عرض کر دیں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، فریب خوردہ شخص وہ ہے جس کو تم نے فریب دیا خدا کی قسم! اگر مشرق سے مغرب تک (پوری دنیا) میری ملک ہوتی تو میں قیامت کی ہولناکی سے بچنے کے لئے اس کو فدیہ میں دیدیتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سر مرض الوفات میں میری ران پر رکھا ہوا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا سر زمین پر رکھدو، میں نے عرض کیا آپ کو اس سے کیا لینا دینا سر زمین پر رہے یا میری ران پر۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: **لا أم لک** (تیری ماں مرے) میرا سر زمین پر رکھ دو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کا سر زمین پر رکھ دیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میری اور تیری ماں کی ہلاکت ہے اگر میرا پروردگار عزیز وجلیل مجھ پر رحم نہ فرمائے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

جب حضرت عثمان غنیؓ کو عہد شکنی کرنے والوں نے نیزہ مارا اور خون آپ کی ریش مبارک پر بہہ رہا تھا تو اس وقت انہوں نے یہ کلمات کہے: **لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّی كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ** (سوائے آپ کے کوئی معبود نہیں آپ کی ذات پاک ہے بے شک میں ظالموں میں سے ہوں)۔

اے اللہ! میں اپنے تمام امور میں آپ سے رہنمائی طلب کرتا ہوں اور آپ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں اور میں اپنی مصیبت میں آپ ہی سے صبر مانگتا ہوں، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان کے خزانوں کی تفتیش کی گئی تو اس میں ایک مقفل صندوق نکلا، اس کو لوگوں نے کھولا تو اس میں ایک ورق تھا

جس پر لکھا ہوا تھا، هذه وصية عثمان . (یہ حضرت عثمانؓ کی وصیت ہے)

بسم اللّٰه الرحمن الرحيم .عثمان بن عفا ن اشهدان لا اله الا اللّٰه وحدهٗ لا شريك لـه وان مـحـمداً عبدهٗ ورسوله ،وأن الجنة حق وأن الله يبعث من فى القبور ليوم لا ريب فيه . ان اللّٰه لا يخلف الميعاد عليها يحياوعليها يموت وعليها يبعث ان شاء اللّٰه .

عثمان بن عفانؓ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودنہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اوراس کے رسول ہیں اور جنت حق ہے۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ مردوں کوان کی قبروں سے اس دن اٹھائیں گے کہ جس میں کوئی شک نہیں بے شک اللہ تعالی وعدہ خلافی نہیں کرتا،اسی پر وہ زندہ رہے،اسی پران کی وفات ہوئی اوران شاءاللہ اسی پر وہ اٹھائیں جائیں گے۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب نیزہ مارا گیا (توجب ان کو ہوش آیا) انہوں نے فرمایا مجھ کو مارنے والے کے ساتھ کیا معاملہ ہوا، لوگوں نے بتایا کہ ہم نے اس کو پکڑ لیا ہے،حضرت علیؓ نے فرمایا اس کو میرا کھانا کھلاؤ اوراس کو میرا پانی پلاؤ کیوں کہ اگر میں زندہ رہا تو اس کے بارے میں میری یہی رائے ہے اور اگر انتقال ہوجائے تو اس پر صرف ایک وار کرنا اس سے زیادہ نہ کرنا پھر حضرت حسنؓ کو وصیت فرمائی کہ ان کو غسل دیں اور فرمایا کہ مجھے بیش قیمت کفن نہ دینا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کفن میں حد سے تجاوز مت کرو کیونکہ وہ جلد کھینچ لیا جائے گا اور وصیت فرمائی کہ مجھ کو درمیانی چال لے کر چلنا، نہ زیادہ تیزی سے اور نہ بالکل سست رفتار، کیوں کہ اگر معاملہ خیر ہوگا تو تم مجھے جلدی اس تک پہنچادو گے اور معاملہ اگر شر کا ہوگا تو تم مجھے اپنے کندھوں سے اتاردو گے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

حضرت معاذ بن جبلؓ کی جب انتقال کی گھڑی آئی تو انہوں نے اپنے پروردگار کو یہ کہہ کر پکارا، اے میرے پروردگار! بے شک میں آپ سے زندگی میں ڈرتا تھا اور آج میری آپ سے امید وابستہ ہے اے اللہ! یقیناً آپ جانتے ہیں کہ مجھے دنیا پسند نہیں تھی،نہروں کا چلنا، درختوں کا لگانا مجھے پسند نہ تھا، مجھے تو صرف سخت دوپہر کی پیاس اور گھنٹوں مشقتیں برداشت کرنا اور علم کے ختم کئے جانے کے وقت علماء سے

مزاحمت کرنا پسند تھا پھر لا الہ الا اللّٰہ کہا اوران کی روح پرواز کر گئی۔

امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہترین انسان معاذ بن جبلؓ ہیں اور امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ لوگوں میں میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہیں پھر آگے اسی حدیث میں فرمایا کو لوگوں میں حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبلؓ ہیں۔

حضرت بلال ابن رباح رضی اللہ عنہ

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو ان کی بیوی نے واحزناہ (ہائے غم) کہہ کر پکارا، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے موت کی سختی میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے چہرہ پر پردہ ہٹا کر فرمایا ''واحزناہ'' نہ کہو بلکہ کہو ''وافرحاہ'' (کیا ہی خوشی کا موقع ہے) پھر فرمایا کل (یوم آخرت میں) ہم اپنے احباب محمد صلی اللہ اور آپ کے اصحاب سے ملاقات کریں گے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو ان کی بیوی رونے لگیں، حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کیوں رورہی ہو؟ انہوں نے کہا میں کیوں نہ روؤں جب کہ آپ کی وفات ایک ارض بیاباں میں ہورہی ہے اور ہمارے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں جس میں آپ کو کفن دے سکیں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مت رُو اور بشارت سنو اس لئے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جماعت سے جن میں سے میں بھی ہوں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ایک شخص زمین کے بیابان حصہ میں وفات پائے گا اور مؤمنین کی ایک جماعت جس میں حاضر ہوگی اوران لوگوں میں (جن کو مخاطب بنا کر آپ نے یہ فرمایا تھا) سے ہر ایک کی وفات بستی اور جماعت میں ہوئی لہٰذا میں ہی وہ شخص ہوں جس کی وفات ارض بیابان میں ہورہی ہے، خدا کی قسم نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اور نہ تو جھوٹ کہہ رہی ہے۔

لہٰذا راستہ کو دیکھو (کہ وہ جماعت جس کے بارے میں آپ نے پیشین گوئی فرمائی تھی آرہی ہوگی؟) انہوں نے کہا یہاں جماعت کہاں سے آئے گی؟ جب کہ حجاج بھی واپس چلے گئے اور راستہ بھی کٹ گیا، حضرت ابوذرؓ نے فرمایا دیکھو (اس لئے کہ میرے نبی کا فرمان جھوٹا نہیں ہوسکتا) آپ کی بیوی نے فرمایا

کہ اچانک میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا اور اپنے کپڑوں کو سمیٹا تو وہ جلد ہی میری طرف بڑھی اور مجھ سے کہا اے اللہ کی بندی تجھے کیا ہوگیا (یہاں بیابان جنگل میں تو کیا کر رہی ہے) انہوں نے کہا مسلمانوں میں سے ایک شخص ہے جس کو تم کفن دو گے۔اس جماعت نے اس شخص کے بارے میں پوچھا کہ وہ شخص کون ہیں؟ بیوی نے بتایا کہ وہ شخص حضرت ابوذرؓ ہیں، وہ لوگ کہنے لگے (وہ ابوذر) جو صاحب رسول ہیں ہمارے ماں باپ ان پر قربان (یہ کہتے ہوئے) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حدیث سنا کر بشارت دی اور فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے امیر یا عریف یا قاصد کفن نہ دے ان لوگوں میں ایک نوجوان انصاری کے علاوہ ہر شخص ان تین عہدوں میں سے کسی نہ کسی پر فائز تھا تو (آپ کی وصیت کے مطابق) ان انصاری نوجوان کے دو کپڑوں میں آپ کی تکفین کی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جو اس جماعت میں موجود تھے، حضرت ابوذر کی نماز پڑھائی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا، سنو کوئی شخص ہے اس پچھاڑنے والے کی طرح عمل کرنے والا؟ سنو! کوئی ہے میرے اس دن کے مانند عمل کرنے والا؟ سنو! کوئی ہے میرے اس وقت کے مانند عمل کرنے والا؟ اتنا کہہ کر آپ کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

اپنی وفات کے وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ رونے لگے آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں، فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہمارے خرچ کرنے کی چیزیں سوار (مسافر) کے توشہ کے برابر ہوں (اس سے زائد نہ ہو) اور (آج) میرے ارد گرد یہ بہت سارے توشے ہیں، مروی ہے کہ ان کے پاس اس وقت پانی رکھنے کا صرف ایک ٹب ایک پیالہ جس کے اندر پانی اور کھانا رکھا جا سکے اور ایک لوٹا تھا جس سے پاکی حاصل کی جا سکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے فرزند کو بلا کر فرمایا میں تجھ کو پانچ عادات حسنہ کی وصیت کرتا ہوں، میرے حوالہ سے ان کو محفوظ کر۔

(۱) اگر آج کا دن کل گذشتہ سے بہتر کر سکتا ہے تو ضرور کر۔

(۲) لوگوں کے سامنے ناامیدی کا اظہار کر (یعنی لوگوں سے امید نہ لگا) اس لئے کہ یہ بہترین غنیٰ ہے۔

(۳) لوگوں سے ضرورت طلبی کو ترک کر دے اس لئے کہ یہ باقی رہنے والا فقر ہے۔

(۴) جس کام سے معذرت کرنی پڑے اس کو ترک کر دے اور اس پر عمل نہ کر۔

(۵) جب تو نماز پڑھے تو دنیا کو الوداع کہنے والے کی طرح اس نماز کو ادا کر، گویا اس کے بعد تو دوسری نماز پڑھے گا۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت حکم دیا کہ میرا بستر گھر کے آنگن میں لے چلو، چنانچہ آپ کا بستر صحن میں لایا گیا پھر آپ نے فرمایا اے اللہ! میرا گمان ہے کہ میں تیرے پاس جانے والا ہوں کیونکہ اتنی تکلیف (زندگی میں) مجھے کبھی نہیں پہنچی، میں اپنے بارے میں ثواب کی امید رکھتا ہوں۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے فرمایا کہ مجھے بٹھا دیجئے انہوں نے آپ کو بٹھا دیا آپ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگے حتیٰ کہ ذکر کرتے کرتے رونے لگے اور فرمایا اے معاویہ! بے بسی اور شکستگی کے بعد اب اللہ کو یاد کرتا ہے؟ پھر اور زیادہ روئے اور فرمایا اے میرے رب! اے میرے رب! سخت دل والے گنہگار بوڑھے پر رحم فرمایا اے اللہ لغزشوں کو معاف فرما اور غلطیوں سے درگزر فرما۔ ایسا شخص جو آپ کے سوا کسی سے امید نہیں کرتا اور آپ کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہیں کرتا اس پر آپ اپنے حلم سے سخاوت کیجئے، پھر ان کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو بن العاصؓ اپنی وفات کے وقت روئے اور اپنا چہرہ دیوار کی طرف پلٹ لیا، یہ دیکھ کر ان کے صاحبزادہ نے عرض کیا اے ابوجان! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نے بشارت نہیں سنائی ؟ حضرت عمرو بن العاص نے ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا وہ بشارتیں جن کو ہم شمار کریں ان میں سب سے زیادہ افضل '' **شهادة ان لا اله الا الله وأن محمدرسول الله** '' ہے۔ (اور میری زندگی) تین احوال پر ہے جو قابل ذکر ہے۔

(۱) میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والے دشمنوں میں سب سے زیادہ بغض رکھنے والا میں ہی تھا اور اس بات کا سب سے زیادہ خواہاں تھا کہ آپ پر قدرت پاکر آپ کو قتل کردوں (یہ حالت ایسی تھی کہ) اگر اسی حالت میں، میں دنیا سے چلا جاتا تو میں اہل جہنم میں سے ہوتا، پھر جب اللہ نے میرے دل میں اسلام کو داخل کردیا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا (یا رسول اللہ) اپنا داہنا دست مبارک دراز فرمادیجئے میں آپ سے بیعت کرنے آیا ہوں آپ نے اپنا دست مبارک پھیلایا، میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا عمرو کیا ہوا ؟ میں نے کہا کہ میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں ،فرمایا بتا ! کیا شرط ہے؟ حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا کہ شرط یہ ہے کہ آپ مجھے معاف فرمادیجئے ، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں ہے کہ انسان کے اسلام سے قبل جتنے معاصی اور گناہ ہوتے ہیں (اسلام لانے کے بعد) اسلام ان تمام کو ختم کردیتا ہے اور ہجرت سے قبل کئے ہوئے گناہوں کو ہجرت ختم کردیتی ہے ایسے ہی حج سے قبل کئے ہوئے گناہوں کو حج ختم کردیتا ہے۔؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب مجھے کوئی شخص نہیں ہے اور نہ میری آنکھیں ان سے بھاتیں (ادب واحترام کی وجہ سے نگاہ نیچی رکھنے کی وجہ سے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کی وجہ سے میں ان سے اپنی آنکھیں بھر بھی نہیں سکتا، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ بیان کرنے کیلئے مجھ سے کہا جائے تو میں آپ کے اوصاف بیان کرنے کی اپنے اندر استطاعت نہیں پاتا اسلئے کہ میں نے اپنی آنکھوں کو آپ سے بھرا نہیں (آپ کے ادب واحترام کی وجہ سے) اور اگر میری وفات اسی حالت پر ہوجائے تو اللہ کی ذات سے مجھے امید ہے کہ میرا شمار اہل جنت میں سے ہوگا۔لہٰذا جب میری وفات ہوجائے تو نوحہ کرنے والی میرے ساتھ نہ ہو، نہ آگ میرے ساتھ ہو اور جب تم مجھے دفن کردو تو مٹی کو ہاں نما بنادینا پھر میری قبر کے اردگرد اتنی دیر کھڑے رہنا جتنے وقت ذبح کرنے والا اونٹنی ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کرتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وفات کے قریب ہوئے، اپنے نوجوانوں کو بلایا اوران سے فرمایا: تم سب جاؤ اور میرے لئے گہری قبر کھودو چنانچہ ان نوجوانوں نے ایسا کیا تو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم سب میرے پاس بیٹھو، خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے بے شک یہ (جان) دومنزلوں میں سے کسی ایک کے لئے ہے یا تو میری قبر کشادہ ہوجائے گی یہاں تک کہ ہر کنارہ چالیس گز کا ہوگا اور جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ میرے لئے کھول دیا جائے گا چنانچہ میں جنت میں اپنی منزل اپنی بیویوں اور جو کچھ اللہ عزوجل نے میرے لئے جنت میں نعمتوں کو تیار کررکھا ہے دیکھوں گا پھر ہمیں اس دن سے میرے ٹھکانوں پر جنت میں میری منزلوں کو پیش کیا جائے گا تاکہ اس کی آرام اور خوشبو پہنچے یہاں تک کہ دوبارہ پیدا کیا جاؤں۔

دوسری صورت ہے کہ مجھ پر میری قبر تنگ ہوجائے گی تا آں کہ اس سے میری پسلیاں آپس میں مل جائیں گی حتی کہ اس سے بھی زیادہ تنگ ہوجائے گی اور میرے لئے جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جائے گا، اللہ عزوجل نے جہنم میں زنجیریں، طوق، سانپ تیار کررکھے ہیں دیکھوں گا پھر ہمیں اس دن سے منزل کی طرف جہنم کے ٹھکانے پیش کئے جائیں گے اور مجھ کو جہنم کی گرم ہوا اور کھولتا ہوا پانی پہنچے گا حتی کہ میں دوبارہ پیدا کردیا جاؤں۔

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ

جب غزوۂ ''احد'' ختم ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون شخص ہے جو جا کر دیکھے کہ سعد بن ربیع نے کیا کیا؟ ایک صحابی گئے تو سعد بن ربیع کی روح پرواز ہونے سے قبل ان کو دیکھا تو حضرت سعدؓ نے پکارا تم کیا کررہے ہو؟ صحابی نے فرمایا مجھ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تاکہ میں دیکھوں کہ تم نے کیا کیا؟ حضرت سعدؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا سلام کہنا اوران کو خبر دینا کہ میری وفات ہوگئی، مجھے بارہ نیزے لگے اور مجھے چیرتے ہوئے نکل گئے، یقیناً میں ہلاک ہونے والا ہوں، اور میری قوم کو میرا سلام پہنچادینا اوران سے کہنا اے قوم تمہیں کوئی گناہ نہیں اگر تم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور تم میں ایک آنکھ ہے جو حرکت کر رہی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا میرے بستر کو اٹھا کر آنگن میں لے چلو، پھر فرمایا: میرے سامنے میرے غلاموں، خادموں، پڑوسیوں اور میرے پاس آنے والے ہر شخص کو لاؤ، وہ ان کے سامنے اکٹھا ہو گئے تو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں اپنے اس دن کو دنیا کا آخری دن اور آخرت کو پہلی رات سمجھتا ہوں اور مجھے پتہ نہیں کہ شاید میں نے اپنے ہاتھ وزبان سے تم پر کچھ ظلم کیا ہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں بندوں کی جان ہے وہ قیامت کے دن بدلہ لینے والا ہے، تم میں سے جو بھی اس کے متعلق اپنے دل میں تنگی محسوس کرے تو وہ میرے جان نکلنے سے پہلے مجھ سے بدلہ لے لے۔

لوگوں نے کہا: بلکہ آپ تو باپ اور مؤدب کے درجہ میں ہیں۔

عبادہ بن صامت نے فرمایا: کیا تم نے اس کے متعلق ہر چیز کیلئے مجھے معاف کر دیا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں۔

عبادہ بن صامت نے کہا: اے اللہ تو گواہ رہنا۔ اب میری وصیت کو اچھی طرح یاد کرلو۔ تم میں سے اگر کوئی آدمی روئے گا تو مجھے تنگی محسوس ہوگی۔ جب میری موت ہو جائے، تو تم اچھی طرح وضو کرو اور تم میں سے ہر شخص مسجد میں جا کر نماز پڑھے پھر اللہ کے بندوں کے لئے اور خود اپنے لئے دعا واستغفار کرے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم صبر اور نماز کے ذریعہ سے مدد حاصل کرو کیونکہ نماز یقیناً دشوار کن امر ہے مگر متقیوں کے لئے (ان پر کچھ بھی دشوار نہیں) پھر مجھے اپنی قبر کے پاس جلدی لیجانا اور جہنم کی میرے لئے خواہش نہ کرنا۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ

امام مزنیؒ، امام شافعیؒ کے مرض الوفات میں ان کے پاس حاضر ہوئے۔ امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی سے فرمایا: اے ابوعبداللہ آپ کے ساتھ کیا ہوا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ میں دنیا سے کوچ کرنے والا ہوں۔ اپنے بھائیوں سے ملنے والا ہوں، اور اللہ کے سامنے میری پیشی ہونے والی ہے، مجھے نہیں پتہ کہ میری روح جنت میں جائے گی کہ میں روح کو مبارک باد دوں یا جہنم میں جائے گی کہ میں اسے ملامت کروں۔ پھر وہ شعر پڑھنے لگے۔

جب میرا دل سخت ہو جاتا ہے اور میرے راستے تنگ ہو جاتے ہیں تو میں اپنی امید کو آپ کے در گذر کے سامنے پیش کر دیتا ہوں۔

جب میرا گناہ بڑا ہو جاتا ہے تو میں اسے (گناہ کو) آپ کے عفو سے ملا دیتا ہوں۔ کیونکہ آپ کا عفو اس گناہ سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ آپ برابر گناہ کو معاف کرتے رہے اور آپ ہمیشہ سخاوت کرتے رہے، احسان اور مہربانی فرما کر معاف فرماتے رہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ

حضرت حسن بصری کی موت کا وقت آیا تو انہوں نے دونوں ہاتھوں کو ہلایا اور کہا: کہ یہ صبر اور سپردگی کا مرتبہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عبداللہ ابن مبارک کی موت کا جب وقت آیا تو ان پر موت کی سختیاں بڑھ گئیں پھر ان کو افاقہ ہوا اور انہوں نے اپنے چہرے سے کپڑے کو ہٹایا اور مسکراتے ہوئے کہا، اس جیسی چیزوں میں کام کرنے والوں کو کام کرنا چاہیے۔ لا الہ الا اللّٰہ اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

حضرت فضیل بن عیاضؒ کی جب موت کا وقت آیا تو ان پر غشی طاری ہوگئی پھر افاقہ ہوا اور فرمایا: ہائے کتنا لمبا سفر ہے اور ہائے کتنا کم توشہ ہے۔

حضرت امام محمد بن سیرینؒ

حضرت امام محمد بن سیرینؒ کی موت کا وقت آیا تو وہ رو پڑے۔ ان سے پوچھا گیا: کہ کونسی چیز آپ کو رلا رہی ہے (آپ کیوں رو رہے ہو) تو انہوں نے فرمایا کہ پچھلے دنوں میں اپنی زیادتی اور بلند جنت کیلئے کم عمل پر رو رہا ہوں اور کیا دہکتی ہوئی آگ سے وہ اعمال مجھے بچا دیں گے (اس پر رو رہا ہوں)

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

جب خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کا وقت آیا، اپنے بیٹوں سے سلمہ ابن عبدالملک کی موجودگی میں فرمایا: اے بیٹو! میں نے تمہارے لئے بہت بھلائی چھوڑی جب بھی تم کسی مسلمان یا ذمی

کے پاس سے گزرو تو وہ تمہارے بارے میں اچھا خیال کریں۔

اے بیٹے! مجھے دو باتوں میں اختیار دیا گیا ہے یا تو تم مالدار ہو جاؤ اور میں جہنم میں داخل ہو جاؤں یا تم محتاج رہو اور میں جنت میں داخل ہو جاؤں میرا خیال ہے کہ تم اس کے محتاج رہو مجھے یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔

جاؤ اللہ تمہاری حفاظت کرے، جاؤ اللہ تمہیں رزق دے، میرے پاس سے کھڑے ہو جاؤ، میں ایسی مخلوق کو دیکھ رہا ہوں جس کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے نہ وہ جنات ہیں نہ انسان۔

سلمہ نے کہا: ہم کھڑے ہوئے ہم نے ان کو چھوڑ دیا اور ہم ان کے پاس سے ہٹ گئے اور ہم نے ایک پکارنے والے کو پکارتے ہوئے سنا **تِلْکَ الدَّارُ الْآخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَاداً وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ.** (یہ عالم آخرت ہم انہی لوگوں کیلئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ تکبر کرتے ہیں نہ فساد برپا کرتے ہیں بہترین انجام متقی لوگوں کا ہے)

پھر آواز پست ہوئی تو ہم کھڑے ہو کر داخل ہوئے تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ کپڑے میں لپٹے ہوئے آنکھیں بند کئے ہوئے ایک میت ہیں۔

خلیفہ مامون الرشیدؒ

جس وقت حضرت مامون کی موت کا وقت قریب ہوا، آپ نے فرمایا، مجھ کو تخت سے اتارو تو لوگوں نے ان کو زمین پر اتارا، انہوں نے اپنے رخسار کو مٹی پر رکھا اور فرمایا: اے وہ ذات جس کی بادشاہت لازوال ہے اس شخص پر رحم کیجئے جس کی حکومت زوال پذیر ہوگئی۔

عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ

نقل کیا جاتا ہے کہ عبدالملک بن مروان کو جب موت کا احساس ہوا تو انہوں نے فرمایا: مجھے بلند مقام پر کردو تو ان کو بلند مقام پر کردیا گیا، روح پرواز کرنا شروع ہوگئی تو آپ نے فرمایا: اے دنیا تو کتنی سرسبز وشاداب ہے، بے شک تیری درازی بہت تھوڑی ہے بلاشبہ تیری کثرت حقارت ہے، یقیناً ہم تجھ سے دھوکے میں تھے۔

ہشام بن عبدالملک رحمہ اللہ

جب ہشام ابن عبدالملک کی موت کا وقت قریب آیا انہوں نے اپنے اہل وعیال کو اپنے اردگرد

روتے ہوئے دیکھا تو فرمانے لگے: ہشام تمہارے پاس دنیا لے کر آیا اور تم لوگ اس کے لئے آہ وبکا کررہے ہو، تمہارے لئے اس نے وہ چیز چھوڑ دی جو اس نے جمع کی اور تم نے اس کے لئے وہ چیز چھوڑی جس کا بوجھ اس پر ہے کتنی بڑی مصیبت ہے اگر اللہ اس پر رحم نہ کرے۔

معتصم رحمہ اللہ

معتصم رحمہ اللہ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ میری عمر اتنی کم ہوگی تو میں ایسا نہ کرتا۔

ہارون رشید رحمہ اللہ

جس وقت خلیفۂ وقت ہارون رشید رحمہ اللہ بیماری میں مبتلا ہوئے، تمام اطباء آپ کی شفایابی سے مایوس ہوگئے اور آپ کو اپنی وفات کا وقت قریب معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میرے لئے کفن لے کر آؤ چنانچہ آپ کے لئے کفن لایا گیا پھر آپ نے فرمایا کہ میری قبر بھی تیار کرو آپ کے لئے قبر کھود دی گئی تو آپ نے اپنی قبر کو دیکھ کر یہ آیات کریمہ تلاوت فرمائی مَااَغنٰی عَنِّی مَالِیَه .هَلَکَ عَنِّی سُلْطَانِیَه .
(میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا، میری سلطنت و بادشاہت بھی برباد ہوگئی۔)

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں جو یکتا ہے اور ہر چیز کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے اور سلامتی نازل ہو، نبی کریم ﷺ پر، حمد وصلوٰۃ کے بعد میں نے ان چیزوں کو جمع کیا ہے اولاً اپنے نفس کی تذکیر کے لئے اور اپنے بھائیوں کیلئے تا کہ ہم لوگ ان کے ذریعہ نصیحت حاصل کریں اور اس فانی دنیا کی حقیقت کو خوب سمجھ لیں۔ اور اس پوری جماعت کا خاتمہ بالخیر ہو، خاص طور پر آپؐ کے بستر مرگ پر آخیری لمحات، اللہ تعالیٰ آپ پر سب سے افضل درود اور سب سے پاکیزہ سلام نازل فرمائے۔ ۱۱ھ میں ۱۲/ربیع الاول کو پیر کے روز آپ ﷺ کا مرض شدت اختیار کر گیا آپ ﷺ کے مرض کی خبر تمام صحابہ میں پھیل گئی اور اس خبر سے انہیں بڑا صدمہ پہنچا اور جس وقت آپ ﷺ مرض کی وجہ سے نماز میں حاضر ہونے پر قادر نہ رہے تو اس وقت آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو لوگوں کا امام بننے کا حکم فرمایا اور اسی دن فجر کے وقت جب کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو نماز پڑھا رہے تھے تو اچانک حضور ﷺ نماز ہی کے درمیان تشریف لے آئے

اور آپ ﷺ برابر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کمرے کے پردے کو کھول کر مسلمانوں کو نماز کی صفوں میں دیکھ کر مسکرا رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ شاید حضور ﷺ کا نماز کے لئے نکلنے کا ارادہ ہے اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے تا کہ صفوں میں مل جائے اور مسلمانوں کو دورانِ نماز ہی ابتلاء فتنہ کا خدشہ ہوا، خوشی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر۔ تو آپ ﷺ نے جب صحابہ کی جانب ہاتھ سے اشارہ کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جانب بھی نماز کے مکمل کرانے کا اشارہ کیا پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب بیٹھ کر نماز ادا کی، اس کے بعد آپ ﷺ اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے آئے اور مسلمانوں کو اس کی وجہ سے بڑی فرحت و مسرت ہوئی اور لوگوں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ کو آپ کے مرض سے افاقہ ہو گیا ہے۔

چاشت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف دوبارہ عود کر آئی تو آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کو بلا کر خفیہ طور سے ان سے فرمایا کہ اسی تکلیف میں میری روح پرواز کر جائے گی، یہ سن کر حضرت فاطمہؓ رونے لگیں پھر آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو خبر دی کہ میرے بعد میرے اہل میں سے سب سے پہلے تمہیں مجھ سے ملو گی یہ سن کر آپ ہنسنے لگیں۔

پھر آپ ﷺ کی تکلیف نے شدت اختیار کر لی اور اپنی حد و انتہاء کو پہنچ گئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا **واکرباہ** آپ ﷺ نے جواباً کہا **لا کرب علیٰ ابیبک بعد الیوم** (آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔) پھر آپ ﷺ نے بستر مرگ پر مسلمانوں کو بار بار پابندیٔ صلاۃ اور غلام باندیوں کا خیال رکھنے کی وصیت فرمائی۔

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ اپنے ہاتھ میں مسواک لئے ہوئے تھے آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا کہ میں اس کو حضور کے لئے لے لوں، آپ نے سر کے اشارے سے فرمایا کہ ہاں (لے لو) پھر آپ کے مرض نے شدت اختیار کر لی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر دوبارہ دریافت کیا کہ میں اس کو آپؐ کے لئے نرم کر دوں، آپؐ نے سر کے اشارہ سے فرمایا ہاں، تو حضرت عائشہؓ نے اس کو نرم کر کے (چبا کر) تیار کر دیا۔

پھر آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو پانی کے برتن میں ڈال کر اپنے چہرۂ انور کو دھونے لگے اور اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری و ساری تھے **لا الہ الا اللّٰہ ان الموت سکرات** اور نہایہ میں ہے

کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جس وقت آپ کے لبوں پر یہ الفاظ وآیت کریمہ جاری تھی، **مع الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین اللھم اغفرلی وارحمنی** اے اللہ! بخشش فرما کر مجھ پر رحم فرما اوران لوگوں میں شامل فرما جن پر تو نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین میں اور مجھ کو رفیق اعلیٰ کے ساتھ لاحق فرما اے اللہ رفیق اعلیٰ کے ساتھ اے اللہ رفیق اعلیٰ کے ساتھ اے اللہ رفیق اعلیٰ کے ساتھ۔

اللہ کی مخلوق میں سب سے بہترین شخص کی روح پرواز کرگئی، مخلوق میں سب سے زیادہ پاکباز شخص کی روح اس کے رب کے پاس کوچ کرگئی، اس ذات کی روح پرواز کرگئی جس کو اللہ رب العزت نے دونوں عالم کیلئے رحمت بنا کر بھیجا تھا اللہ اس ذات پر درود وسلام نازل فرمائے، آمین



اے موت تو ہی آ! نہ آئیں گے وہ کبھی
آنکھیں ہیں ایک عرصہ سے وَا انتظار میں
مرنے کے بعد بھی ہے وہی کشمکش خدا
میں قبر میں ہوں دل مرا ہے کوئے یار میں

آہ! حضرت مولانا قاری امیر حسنؒ

مفتی ناصر الدین مظاہری

نامور عالم حضرت مولانا محمد حنیف مظاہری کی وفات، شیخ الحدیث حضرت مولانا خورشید عالم قاسمی کی رحلت کا زخم، مناظر اسلام اور حنفیت کے اہم ستون حضرت مولانا ابوبکر غازی پوریؒ کی جدائی کی کسک اور امام الفرائض حضرت مولانا سید وقار علیؒ کا سانحۂ ارتحال یکے بعد دیگرے ان بزرگوں کی جدائی سے پوری ملت اسلامیہ رنجور اور غموں سے چور تھی کہ آج صبح ہی صبح خبر ملی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ کے نامور شاگرد، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے اجل خلیفہ اور محی السنۃ حضرت مولانا ابرارالحق ہردوئیؒ کے دست راست اور مظاہر علوم کے فرزند حضرت مولانا قاری امیر حسنؒ بھی مولائے حقیقی سے جاملے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔

حصار شب میں گھرے سویرے، اداسیاں صف بہ صف اندھیرے
وفا کی شمعیں جلاؤ یارو! کہ سب در و بام بجھ گئے ہیں

حضرت مولانا قاری امیر حسنؒ: کی رحلت ایک عہد کا خاتمہ ہے، آپ سلوک وتصوف کے بلند مقام پر فائز ایک ایسی شخصیت تھے جن کے سوز ساز زندگی کی چمک اور آہ سحر گاہی کی برکت سے ایک عالم فیضیاب تھا، آپ کا فیض ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کئی ملکوں تک پھیلا ہوا تھا، دنیا کے اکثر ملکوں میں آپ کے معتقدین اور متوسلین موجود ہیں، بیسیوں سال سے آپ رمضان المبارک میں اعتکاف کیلئے مدرسہ مفتاح العلوم خضرآباد، میل وشارم (مدراس) تشریف لے جاتے تھے جہاں کی وسیع وعریض مسجد معتکفین سے بھری اور ذکر الٰہی سے ہری رہتی تھی۔

۱۹۲۶ء(۱۳۴۳ھ) میں چھپرہ ضلع بہار کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، والد ماجد کا نام نامی مظفر حسین تھا، ابتدائی دینی تعلیم وہیں کے مکاتب میں حاصل کی، پھر ۱۳۵۵ھ میں مظاہر علوم سہارنپور تشریف لائے اور یہاں کئی سال تک درجہ بہ درجہ حصول علم میں مصروف رہنے کے بعد ۱۳۶۰ھ میں فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد ایک سال فنون میں داخلہ لیا اور تجوید وقراءت، فقہ اور حدیث کی کئی کتابیں پڑھیں، کچھ عرصہ آپ نے سہارنپور کے مشہور طبیب اور اس وقت مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرست حکیم مولانا محمد ایوبؒ سے طب وحکمت کی بعض کتابیں پڑھیں۔

مظاہر علوم میں بطور خاص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبداللطیفؒ، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ، استاذ الکل حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ، حضرت مولانا سید الشکور کیمبل پوریؒ وغیرہ کا شمار آپ کے اہم اساتذہ میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ جو قاری صاحبؒ کے اہم استاذ اور مشفق مربی تھے، قاری صاحبؒ سے ان کی فراغت کے بعد فرمایا کہ تم ہردوئی چلے جاؤ جہاں مولانا ابرار الحقؒ کام کررہے ہیں، آپؒ حسب ایماء وہاں تشریف لے گئے اور اخیر وقت تک نہایت سادگی بے نفسی اور محنت ومحبت کے ساتھ مدرسہ کی خدمت انجام دیتے رہے، وہاں کے معمولات اور مشاغل دن رات صرف اور صرف درس وتدریس، وعظ ونصیحت، رشد وہدایت، تنبیہ وتربیت، نگرانی اور عبادت وریاضت تھا، کبھی کسی ملاقاتی کو نصیحت فرماتے تو کبھی کسی طالب کی کسی ادنی درجہ کی غلطی پر نکیر، کسی استاذ کی اصلاح تو کسی مہمان کی خاطر ومدارات، کبھی وعظ ونصیحت کا مشغلہ تو کبھی اللہ اللہ کی صدائیں، کبھی مدرسہ کی طرف سے متعلقہ کتابوں کی تدریس تو کبھی کسی بھی اہم اصلاحی کتاب کا مطالعہ، کل ملاکر آپ کی شبانہ روز کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی جس میں سمع خراشی، وقت کا ضیاع، فضول گوئی، ہنسی مذاق، دل لگی کسی بھی چیز کا گزر نہیں ہوتا تھا طلبہ میں آپ کی شخصیت پر رعب وپرجلال، علماء میں آپ کی ہیبت اور دبدبہ قابل رشک اور عملہ میں آپ کا کردار بلندی کے افق پر نظر آتا تھا۔

محترم مولانا عبدالقوی مظاہری نے حضرت کے چند قیمتی مواعظ کو یکجا شائع کیا ہے اس میں لکھتے ہیں

''ان کا وعظ عبرت انگیز، نصیحت سبق آموز، تنبیہ چشم کشا، مجلسیں دلچسپ، محفلیں علم افزاء اور سراپا جذب وکشش سے بھرپور اور ایک ایک ادا شان محبوبیت سے معمور ہے''

یہ کسی مرید اور ارادت مند کے تأثرات نہیں بلکہ ایک طالب علم اور اہم علمی شخصیت کا اظہار خیال ہے جس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں ہے، قاری صاحب تھے ہی مختلف خوبیوں کے مالک، سب کچھ ہونے

کے باوجود کچھ نہ ہونے کا یقین، سلوک وتصوف کا دریا اپنے اندر لئے ہوئے مگر ہیچمدانی کا پختہ تصور، پوری دنیا میں عزت وعظمت اور وقعت ومنزلت سے دیکھے جاتے مگر آپ کی سادگی، آپ کا تواضع، آپ کی کسرنفسی، آپ کی خاموشی، آپ کی نرمی وشفقت، آپ کی محبانہ ومخلصانہ مروت اور پیار ودلار سے لبریز آپ کے گفتار پر قتل ہونے کو جی چاہتا تھا، ادائیں ایسی پیاری، گفتگو ایسی شیریں، چال ایسی سبک اور چہرہ ایسا تروتازہ کہ دیکھنے والا یک ٹک دیکھے چلا جائے، وہ علم کے بحر بیکراں، تصوف کے شناور، سلوک کے ناخدا، تربیت کے ماہر اور جذب کی بلندیوں پر فائز عظیم شخص تھے، ان کو ان کی سادگی اور گمنامی میں رہنے کی عادت نے آسمان اور زمین کی وسعتوں میں مقبول کردیا تھا، انہوں نے اپنے آپ کو جتنا مٹایا اللہ تعالیٰ نے انھیں اتنا ہی ابھارا تھا، تواضع اور فروتنی جس کی تعلیم اور ہدایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اس کا عکس جمیل آپ کی ذات میں جھلکتا تھا، غرور وتکبر کا دور دور تک شائبہ نہ تھا، طلبہ کی اصلاح کے لئے آپ ہروقت بے چین وبے قرار رہتے تھے جس کا عملی نمونہ مدرسہ کی چہاردیواری میں آپ کی نشست وبرخاست اور آپ کے اصلاحی مزاج سے ہوتا تھا۔

آج صنف نازک میں مردوں سے کہیں زیادہ برائیاں پنپ رہی ہیں، ان کا ذہن اور عقل کم ہوتی ہے اسلئے شیطان بھی اپنی رسی بنائے رکھتا ہے جس سے مردوں کو گمراہ کرنے کی راہ شیطان کے لئے آسان ہوجاتی ہے، حضرت قاری صاحبؒ کو اس پہلو پر بھی نہایت درجہ فکر تھا اور اپنے وعظ ونصائح میں بطورخاص عورتوں کو بھی مخاطب بنا کر ان میں پیدا ہونے والی خامیوں، خرابیوں اور ان سے رونما ہونے والے فتنوں اور مفاسد کا تذکرہ کرکے ان سے بچنے کے طریقے اور حکمتیں ارشاد فرماتے تھے۔

آپ کی تقریر عشق الٰہی اور محبت رسول سے لبریز ہوتی تھی، ایک ایک بات دل پر اثر انداز ہوتی تھی، نہ تو مقفع اور مسجع عبارات ہوتی تھیں، نہ ہی عمدہ اور اعلیٰ ادبی اسلوب ہوتا تھا، نہ تو ادیبوں اور شاعروں کی سی ادائیں تھیں، نہ ہی پرجوش واعظین جیسی گھن اور گرج ہوتی تھی نہایت سادگی کے ساتھ آپ اپنی بات کو عمدہ اور اعلیٰ پیرایہ میں کچھ ایسے کہتے تھے کہ سننے والے کو محسوس ہوتا تھا کہ گویا یہ میرے لئے اور میرے دل کی ترجمانی حضرت والا کی زبانی ہورہی ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر کرتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

آپ کی خاموشی بھی نصیحت تھی، آپ کی گفتگو بھی نصیحت تھی، آپ کا چلنا پھرنا بھی نصیحت تھا، آپ کا اٹھنا بیٹھنا بھی نصیحت تھا، آپ کا کھانا پینا بھی نصیحت تھا کیونکہ آپ ہر موڑ اور ہر موقع پر اتباع سنت کو حرز جان بنائے ہوئے تھے، ان کی زندگی حدیث نبوی بن گئی تھی اور خود مجنوں کی طرح عشق رسول میں زار و زنزار ہو گئے تھے، انھیں اللہ کی بنائی ہوئی ہر چیز میں قدرت الٰہی کا نظارہ، اللہ احکم الحاکمین کی صناعی کا دیدار اور اس کا عکس و پرتو نظر آتا تھا، ان کی نظریں جو کچھ دیکھتی تھیں ہمارا ادارک اور ہمارے ذہنوں کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں۔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

صفائے قلب اور شفائے قلب، تزکیہ وتجلیہ، ذکر واذکار اور سنت و عبادت یہی چیزیں موصوف کی خلوت اور جلوت کی ساتھی تھیں، ان ہی چیزوں سے انھیں پیار اور عشق تھا، ان ہی سے لو لگائے ہوئے تھے، اسی لئے جب کوئی لفظ یا ملفوظ ان کی زبان فیض ترجمان سے نکلتا تھا تو وہ مخاطب پر براہ راست اثر انداز ہوتا تھا، وہ جو کچھ کہتے تھے دل سے کہتے تھے، جو کچھ بولتے تھے دل سے بولتے تھے زبان تو صرف ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے نقل مکانی کا، سو حضرت والا نے بھی اس وسیلہ کو اتنا ہی استعمال کیا جتنے کا انھیں حکم تھا، اپنی تقریروں میں مبالغہ آرائی نہیں کی، اپنی تقریر کو خواہ مخواہ طویل کر کے مجمع کو اکتانے کا موقع نہیں دیا، سادہ اسلوب اور صاف گفتگو کر کے سب کو استفادہ کا موقع دیا، الفاظ کی بندش، تراکیب کا استعمال، استعارات کی زبان اور لفاظی کر کے اپنی علمی دھاک بٹھانے کی کوشش نہیں فرمائی، اسی وجہ سے آپ کی تقریر ہر خاص و عام کے لئے نہایت مفید اور فائدہ مند ثابت ہوئی۔

ایک بار پھر مولانا عبدالقوی کا تذکرہ کرنے پر یہ راقم خود کو مجبور پاتا ہے۔

> ’’حضرت مولانا قاری امیر حسن اس دور قحط الرجال میں حق تعالیٰ شانہ کی ایک عظیم اور قابل قدر غنیمت ہیں، اللہ پاک نے آپ کی ذات کے اندر فضائل وشمائل پوری فیاضی کے ساتھ ودیعت فرمائے ہیں، آپ کی بزرگی و پرہیزگاری، اتباع سنت اور استقامت علی الشریعت کے احوال واقوال اس وقت سے کانوں میں پڑے اور علم میں آئے جس وقت میں ان الفاظ کے ظاہری مفہوم تک سے بھی نابلد تھا‘‘

آپ کی صالحیت اور شرافت نفسی مظاہر علوم میں دوران طالب علمی اساتذہ وعملہ اور طلبہ وعلماء سب

پر عیاں ہوچکی تھی ،مظاہر علوم کا تصوف فقیہانہ ہے،حضرت مولانا قاری امیر حسنؒ کی صالحیت کو دیکھتے ہوئے قطب العالم حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے ۲۸ر رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ کو اجازت بیعت وخلافت سے نوازا۔اس وقت سے زندگی کے اخیر سانس تک اساتذہ ومرشد گرامی کے دئے ہوئے اسباق کو یاد کرنے اور عملی جامہ پہنانے میں گزار دی اور پھر بھی زبان حال سے یہ کہتے رہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تو تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحقؒ کے دینی،دعوتی،تعلیمی اور اصلاحی امور کو شانہ بشانہ انجام دیتے رہے، پوری زندگی ہر دو حضرات نے شیر وشکر ہوکر گزار دی ورنہ اتنا طویل عرصہ مادہ پرستی کے اس دور میں کون گزار پاتا ہے۔

اذان جس کی طرف آج کے دور میں غفلت انتہا کو پہنچی ہوئی ہے،اذان کیلئے مؤذن کا تقرر اس کی لیاقت اور صلاحیت کے بغیر ہی کر لیا جاتا ہے،حالانکہ اذان اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق دی جانی چاہئے ۔ہمارے حضرت اقدس قاری صاحبؒ اس سلسلہ میں خصوصی طور پر اپنی توجہ مرکوز فرماتے رہے،اذان کی تعلیم اور تربیت آپ کی زندگی کا ایک حصہ بن گیا اور خدا جانے کتنے بندوں کو اپنی اذان سنت نبوی کے مطابق سیکھنے کی توفیق ملی۔

میری ناقص معلومات کے مطابق حضرت قاری صاحبؒ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے البتہ آپ کے دو کتابچے نظر سے گزرے ہیں جن میں پہلا کتابچہ ۱۱۸صفحات پر مشتمل ہے جس کا نام ''کلمات صدق وعدل'' ہے، یہ کتابچہ آپ کے دو ارادت مندوں جناب مولانا احمد علی اور جناب مولانا محمد وسیم نے جمع کیا ہے جس میں آپ کے قیمتی ملفوظات کو سلیقے کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے۔

دوسرا کتابچہ محترم مولانا عبدالقوی حیدرآبادی مدظلہ کا جمع فرمودہ ہے جو صرف ۲۸ر صفحات پر مشتمل ہے ،اس کتابچہ میں حضرتؒ کے چند اہم مختصر اور جامع بیانات ہیں جن کو پڑھ کر روح کو تازگی ملتی ہے۔اول الذکر کتابچہ میل وشارم سے اور موخر الذکر کتابچہ حیدرآباد سے شائع ہوا ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ ایک عرصہ سے رمضان المبارک کا اعتکاف مدرسہ مفتاح العلوم میل وشارم کی مسجد میں رکھتے تھے جہاں ایک بڑا مجمع ذکر وفکر کی مجلس میں شامل ہوکر دل کی دنیا روشن کرتا تھا۔آج صبح

صبح میرے ای میل پر یہ sms موجود تھا۔

Friday, February 24, 2012Qari Amir Hasan Sahab Encircled by Divine Mercy

Announcing the passing away of Remainder and Reminder of Pious Predecessors Hazrat Qari Amir Hasan Sahab today morning on Friday, February 23, 2012 at Mumbai. Burial is scheduled for after Friday Prayers in Mumbai.

Verily we are for our Lord and unto Him is our return. May Allah(SWT) grant him a place in Jannat-ul-Firdaus, honourable patience to the grieved family and all those who were associated with him and a replacement of him for the Ummah

یعنی sms کرنے والے نے بڑے سادے لفظوں میں یہ اطلاع دی کہ آج ۲۳ فروری ۲۰۱۲ء کو مشہور ومعروف بزرگ عالم دین حضرت مولانا قاری امیر حسن بمبئی میں انتقال فرما گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ آج بعد نماز ظہر ہوگی اور بمبئی ہی میں تدفین ہوگی۔

موصوف نہایت متقی، پرہیزگار، ملنسار اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ خبر میرے لئے کلفت اثر تھی کیونکہ حضرت والا مظاہر علوم کے قابل فخر سپوت تھے جن کے تقدس اور تقویٰ کی عالم میں شہرت اور مقبولیت تھی، خدا جانے ملت اسلامیہ کو کتنے زخم مقدر ہیں اور کتنی عظیم شخصیات کی جدائی پر ان آنکھوں کو آنسو بہانا لکھا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحبؒ کو جنت الفردس میں اعلی وبالا مقام عطا فرمائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، ان کے دعوتی مشن، اصلاحی تحریک، تعلیمی کارواں اور روحانی سلسلہ کو جاری وساری فرمائے۔

مظاہر علوم میں حضرت والا کے انتقال کی خبر کلفت اثر جیسے ہی ملی رنج وغم کا ماحول ہوگیا، ناظم مدرسہ حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ العالی نے فوری طور پر تمام مکاتب میں ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کا حکم صادر فرمایا اور کہا کہ حضرت قاری صاحبؒ اپنے اوصاف وکمالات اور اپنی پاک وپاکیزہ صفات کی وجہ سے ان شاء اللہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔



مولانا صفی اللّٰہؒ: جلال آباد سے جنت آباد تک

ناصرالدین مظاہری

قیدحیات وبندغم،اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

لیجئے! جس چیز کا دھڑکا اور اندیشہ تھا،قسام ازل نے دست اجل کوایک اور عالم وصالح بزرگ کی رحلت کا پروانہ تھمادیااور سعیداب سعید، جانشین مسیح الامت، مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کے روح رواں اورسیکڑوں علماء وصلحاء کے پیرطریقت محترم مولانا صفی اللہ خانؒ (بھائی جان) نے کل من علیھافان کی صداقت اورسچائی کیلئے خودکوبطوردلیل پیش کردیا،طویل عرصہ تک موت وزیست کے درمیان جی جی کر مرنے اور مرمرکر جینے کے بعد بالاخر فتح کا پرچم موت کے ہاتھوں میں نظرآیا۔اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

گردش دوراں نے حالات کے کتنے نشیب وفراز دیکھے ہیں،موت کے پنجوں نے کتنی ہی شخصیات کو گلے لگایاہے،انبیاؑاور صحابہ کرام بھی کل نفس ذائقۃ الموت پر مہر تصدیق ثبت کرچکے،اب کسی بھی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہی ، جونیک اوراچھے لوگ تھے وہ اس جان جہاں سےٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کے مانند گرتے اورموسم خزاں میں پتوں کے مانند جھڑتے جارہے ہیں۔

ضرورت جتنی جتنی بڑھ رہی ہے صبح روشن کی
اندھیرا اور گہرا اور گہرا ہوتا جاتا ہے

غالباً۱۹۹۵ءکی کوئی تاریخ تھی، میں محترم مولانامحمدیعقوب بلندشہری کی معیت میں پہلی بارقصہ جلال آباد پہنچا،مدرسہ کے سامنے سے گاڑی گزری تو خواہش ہوئی کہ اس عظیم الشان مدرسہ کادیدار کرتا چلوں جوکسی زمانہ میں دنیاکے مختلف ملکوں کے شیدائیان علم وفن کا گہوارہ رہاہے،جس کے فکرکی خوشبو سے آج بھی افریقہ کے جنگلات میں کہکشاؤں کی جھلکیاں اورعلم روحانیت کی قوس وقزح کی رنگینیاں دلوں کوموہ رہی ہیں،اس مدرسہ کودیکھ کرمیں اپنی نظروں کوروشن کروں جہاں سے سیکڑوں بندگان خداوندکوبصیرت ایمانی اورفراست ایقانی

حاصل ہوئی ہے ،لیکن گاڑی آگے بڑھ گئی،اندازہ ہوا کہ شاید کہیں اور جانیکاارادہ ہے لیکن ایک منٹ کے بعدگاڑی ایک وسیع وعریض ،خوشنما عمارت کے سامنے پہنچ گئی ،عمارت کیاتھی دلوں کواپنی طرف کھینچ رہی تھی،عمارت کی تراش وخراش،اس کامحل وقوع اوراس کی کشادگی،اس کے مکینوں کی وسعت قلبی کی گواہی دے رہی تھی،ہم لوگ گاڑی سے اتر کراندر پہنچےتو معلوم ہوا کہ یہ کسی سیاسی سپاہی کی حویلی نہیں مسیح الامت حضرت مولاناشاہ محمدمسیح اللہ خان جلال آبادیؒ کا دولت خانہ،ہزاروں عقیدت مندوں کی عقیدتوں کامرکز ومحور،اللہ اللہ کی صدائیں لگانے والے مخلص بندوں کی خانقاہ اوردوروںزدیک سے آنے والے سادہ لوح مسلمانوں کی محبتوں کا سرچشمہ ہے، جہاں لوگ دعائیں بھی لینے آتے ہیں اورروحانی بیماریوں کا شافی علاج بھی کرانے آتے ہیں، یہ ایک سرائے بھی ہے جہاں کاوسیع وعریض دسترخوان امیر وغریب ،شاہ وگدا کے فرق وامتیاز کو بالائے طاق رکھ کرضیافت ومہمان نوازی کے فرائض پوری بشاشت اور بذالت کےساتھ سرانجام پاتے ہیں۔

اس حویلی کےایک گوشہ میں کافی بھیڑ بھاڑنظرآئی ،اندازہ ہوا کہ شاید یہاں بھی فقیہ الاسلام حضرت مولانامفتی مظفرحسینؒ کی طرح کوئی برگزیدہ ولی ہیں جن کی مجلس ومحفل سے استفادہ کے لئے لوگ یہاں حاضری کواپنی سعادت تصورکرتے ہیں،اندر پہنچےتو ایک بڑے میاں نظرآئے سرخ وسفید چہرہ، سر پر تھانوی ٹوپی،سادہ اورسفیدلباس زیب تن کئے ہوئے پورے وقاروسکون کے ساتھ مجمع عام کے جلومیں بیٹھے ہوئے ہیں،معلوم ہوا کہ یہ بھائی جان ہیں،میری متجسسانہ نظریں ابھی کچھ اور پوچھنے اور جاننے کی منتظرتھیں لیکن بتانے والوں نے سادگی کے ساتھ صرف ''بھائی جان'' کہہ کرطلب اور جستجو کوفزوں تر کردیا، میں نے مولانامحمد یعقوب صاحب سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟انہوں نے آہستگی کے ساتھ بتلایا کہ حضرت جلال آبادیؒ کے صاحب زادے اوراس مدرسہ کے ناظم ومہتمم ہیں۔

وہ بڑھاپے میں بھی حسن وجمال کا پیکردلنواز تھےاسی سے ان کی جوانی کااندازہ کیاجاسکتا ہے،ظاہری جمال کی خوبصورتی اوررعنائی کے ساتھ ان کاباطنی جمال بھی نہایت صاف وشفاف تھا،وہ صورت کے بھی جمیل تھے سیرت کے بھی جمیل،ان کا کردار بھی جمیل تھاان کی گفتار بھی جمیل،ان کابچپن بھی جمال سے عبارت تھا،ان کی جوانی بھی جمال سے مالامال،ان کابڑھاپا بھی پرجمال ان کی مسکراہٹ بھی دلنوازتھی۔

ہم لوگ آپ کی خدمت میں پہنچے یکے بعد دیگرے مصافحہ کی سعادت حاصل ہوئی ،موصوف ایک ایک سے مزاج وتعارف حاصل کرتے رہے،ایک کمی جومیرے اندر ہےاور جس کا برملا اظہار واعتراف

کرنے میں مجھے کوئی تردد نہیں ہے کہ میں الحمد للہ کسی سے جلدی مرعوب نہیں ہوتا، یہاں بھی معاملہ ایسا ہی تھا، حضرت بھائی جان سے میں نے خود اپنا تعارف کرایا، میرے لہجہ کی بے ساختگی، گفتگو کی بے باکی اور حد ادب کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے تعارف سن کر مسرور ہوئے، مسرت آمیز انداز میں فرمایا کہ آپ بتا رہے ہیں کہ پہلی ملاقات ہے لیکن محسوس نہیں ہوتا، میں نے عرض کیا کہ آپ سے بالمشافہ ملاقات تو آج ہو رہی ہے لیکن فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین مدظلہ العالی کی مجلسوں میں آپ کا، مدرسہ کا، خاص طور پر حضرت جلال آبادیؒ کا ذکر خیر اتنی کثرت کے ساتھ سن چکا ہوں کہ یہاں کے در و دیوار کا نقشہ، آپ حضرات کے مزاج و مذاق سے واقفیت، یہاں کے روحانی و عرفانی کمالات کی تصویر ذہن میں نقش ہو چکی ہے، پھر عرض کیا کہ حضرت فقیہ الاسلام کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے سلسلہ کے تمام بزرگوں سے عقیدت و محبت تو ضرور ہے لیکن ان کی ذات سے خوف بالکل نہیں، پھر مسکرا کر فرمایا کہ تمہارے سر پر جو ٹوپی ہے یہ تمہاری خوبصورت شکل وصورت پر زیب نہیں دیتی اگر تھانوی ٹوپی استعمال کرو تو خوبصورتی میں اضافہ ہوگا، میں نے عرض کیا کہ حضرت! تھانوی کی ٹوپی پہن کر میں دھوکہ دینا نہیں چاہتا البتہ میرے باطن کے سدھار کی دعا فرمائیں تو ٹوپی بھی بدل جائے گی۔

بہرحال ان کی شخصیت مثالی تھی، دوران گفتگو علمیت تو نہیں البتہ اصلاحی باتیں سننے میں ضرور آتی تھیں، وہ طلبہ کے لئے بہت شفیق، علماء کے لئے مہربان اور عملہ کے لئے رفق و نرمی کا پیکر مجسم تھے، قرب وجوار کے اسفار، دور ونزدیک کے اجلاس واجتماعات میں شرکت وغیرہ کے سلسلہ میں دلچسپی نہیں تھی، بس خلوت، خانقاہ نشینی اور مدرسہ کے نظام سے ہٹ کر کوئی مشغلہ نہیں تھا، ملی سیاست میں کبھی دلچسپی نہیں لی، ملی مسائل ومعاملات میں بھی وہ عموماً خاموش رہنا ہی بہتر سمجھتے، اخباری بیانات واشتہارات سے دور رہتے، شاہانہ زندگی تھی، شیروانی خانوادہ کے چشم وچراغ اور اس کی روایات کے امین تھے، حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ تو ہمہ جہت شخصیت تھے لیکن بھائی جانؒ خانقاہی حدود سے باہر نہیں نکلے اور چند حضرات سے زیادہ کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا، ان کے مدرسہ کی وسعت، نظام تعلیم کی عمدگی، طلبہ کی کثرت، اساتذہ وعملہ کی معتد بہ تعداد اور ان سب کو اپنے اخلاق وکردار سے خوش رکھنا بھائی جان کی کرامت ہی ہے، اتنے بڑے جامعہ کو خلوت نشین، گوشہ نشین، صوفی منش شخص اس خوبی سے چلا پائے گا ممکن نہیں معلوم ہوتا لیکن بھائی جان نے اس ناممکن کو ممکن بنا کر دکھا دیا، طلبہ بھی ان کے گن گاتے نظر آئے، اساتذہ بھی ان کی شفقتوں سے

زیر بار تھے،عملہ بھی ان کے اخلاق کریمانہ سے ممنون تھا،واردین وصاردین بھی عقیدت ومحبت سے نام لیتے تھے،علماء وصلحاء بھی حاضر خدمت ہوتے رہتے تھے اور طرفہ یہ کہ بھائی جان یکسومزاج تھے۔

حضرت بھائی جان کا بچپن شہزادوں کے مانند گزرا ہے ،نوجوانی میں گھوڑسواری کا شوق تھا،کاشتکاری سے بھی انھیں دلچسپی تھی،اپنے والد ماجد حضرت مسیح الامتؒ کے لخت جگر تھے اور حضرتؒ کی حیات مبارک میں ہی جامعہ مفتاح العلوم کے نائب ناظم منتخب ہوگئے تھے،پھر آہستہ آہستہ جوں جوں تجربات میں اضافہ ہوتا گیا نظام مدرسہ پر آپ کی گرفت مضبوط ہوتی گئی اوراس طرح گویا اپنے والد ماجدؒ کے مددومعاون بن گئے۔

مزاح کی عادت شروع سے تھی،بات بات میں مزاح کا رنگ جھلکتا تھا،چنانچہ حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خانؒ فرمایا کرتے تھے کہ''وصی اللہ جس دن ہنسا چھوڑ دے گا مر جائے گا''۔

حضرت بھائی جانؒ عموماً جلسوں میں نہیں جاتے تھے اور اگر کہیں جاتے تھے تو کرایہ وغیرہ نہیں لیتے تھے بلکہ مجھے معتبر لوگوں نے بتایا ہے کہ حضرت بھائی جان مدارس کے اجتماعات میں تشریف لے جاتے تو اپنی جیب سے کچھ نہ کچھ امداد بھی فرمایا کرتے تھے۔

مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور چونکہ بھائی جان کے والد محترم کا معتمد ادارہ تھا اور یہاں کے اکابرواسلاف سے قدیم زمانہ سے بےلوث تعلقات استوار تھے اس لئے یہاں کے بعض اہم پروگراموں میں بطور خاص تشریف لاتے اور فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ سے ملاقات کرتے تھے۔

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کا جو تعلق حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ سے تھا،بھائی جان نے تادم آخراس تعلق کو بحسن وخوبی نبھایا،چنانچہ مفتی صاحبؒ کا جب دہلی میں انتقال ہوا اور جنازہ بذریعہ ایمبولینس سہارنپور کے لئے روانہ ہوا تو بھائی جان گھنٹوں پہلے جلال آباد شاہراہ عام پر موجود رہے تاکہ آخری زیارت کی جاسکے،پھر جنازہ میں شرکت کے لئے مدرسہ سے بہت سے حضرات تشریف لائے۔

حضرت فقیہ الاسلامؒ کے بعد بھی جانشین فقیہ الاسلام حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ سے وہی تعلقات استوار رکھے اور آپ کی معرفت کبھی کبھی مدرسہ کو خطیر رقوم موصول ہوتی رہیں چنانچہ بطور شکریہ حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ نے تشکر وامتنان سے لبریز خطوط بھی ارسال فرمائے ،ذیل میں بطور نمونہ ایک خط پیش خدمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم ومحترم جناب مولانا صفی اللہ صاحب صاحب جعلکم اللّٰہ صفیاً نقیاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ بخیر ہوں گے!

آنجناب کے توسط سے مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کا جو گرانقدر تعاون ہوا ہے اس کے لئے ہم بصمیم قلب ممنون اور شکر گزار ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ مظاہر علوم آئندہ بھی آپ کی توجہات سامیہ سے مالا مال ہوتا رہے گا۔

حماک اللّٰہ عن شر النوائب

جزاک اللّٰہ فی الدارین خیرا

اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے اور بزرگوں کے دَور سے چلی آرہی محبت اور ہمدردی کو قائم ودائم رکھے۔

دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں''۔

بھائی جان کی بھانجی کو کسی شر پسند نے گولی ماردی تو جانشین فقیہ الاسلام حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ نے اپنے کرب وقلق کا اظہار بایں الفاظ فرمایا:

مکرم ومحترم جناب مولانا صفی اللہ صاحب زیدمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج سامی بعافیت ہوں!

ابھی ابھی یہ المناک اطلاع ملی کہ کسی شر پسند عناصر نے آپ کی بھانجی کو گولی ماردی ہے۔

اس خبر کلفت اثر سے نہایت رنج وقلق اور افسوس ہوا اللہ تعالیٰ متأثرہ کو صحت وسلامتی اور شفائے کاملہ عاجلہ عطا فرمائے''۔

بھائی جان کی رحلت پر حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ نے جو تعزیتی مکتوب صاحب زادہ محترم عزیزی مولوی ھئی اللہ سلمہ کے نام تحریر فرمایا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، حضرت ناظم صاحب مدظلہ لکھتے ہیں

''والد ماجد کی جدائی اور رحلت کے المناک دور سے میں بھی گزر چکا ہوں، ایسے موقع پر دامن صبر سنبھالے رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے تاہم یہ سوچ کر دل کو تسکین حاصل ہوجاتی ہے کہ اللہ کے محبوب

صلی اللہ علیہ وسلم کو والدین میں سے کسی کی خدمت کا موقع نہ مل سکا جب کہ ہمیں الحمدللہ والدین کا سایۂ عطوفت بھی ملا، ان کی ذات سے فیض یاب ہونے کی توفیق بھی نصیب ہوئی، ان کی مستجاب دعائیں بھی حاصل ہوئیں اور ان کی خدمت کا بابرکت موقع بھی عطا ہوا''۔

اسی مکتوب میں بھائی جانؒ کی صفات، خصوصیات اور ان کی مرنجا مرنج شخصیت پر حضرت ناظم صاحب مدظلہ نے تحریر فرمایا کہ

''محترم بھائی جانؒ: اپنی شفقت و مروت، خوش خلقی وخوش مزاجی، حسن گفتار و کردار، یکسوئی وعزلت گزینی، مہمان نوازی اور تواضع وللّٰہیت کے باعث خورد وکلاں کے محبوب اور چہیتے تھے، حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ کا اکابر مظاہر علوم سے جو مستحکم رشتہ اور قلبی تعلق تھا محترم بھائی جانؒ نے اس تعلق اور رشتہ کو بخوبی نبھایا اور اکابر مظاہر بالخصوص فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ سے عقیدت مندانہ تعلق اور آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا''۔

میں نے سنا ہے کہ طلبہ کے لئے ان کا دل ہمیشہ مثل بریشم نرم و نازک رہا ہے، چنانچہ مدرسہ کے قریب کسی آراضی پر عصر کے بعد مدرسہ کے طلبہ کی شہر کے بچوں سے تکرار اور کہاسنی ہوگئی، معاملہ حضرت بھائی جان کی خدمت میں پہنچا، تو بھائی جان نے اس آراضی کو خرید لیا اور طلبہ سے فرمایا کہ اب تمہیں کوئی پریشان نہیں کرے گا، پڑھنے کے وقت پڑھو، کھیل کے وقت کھیلو۔

اس قسم کے واقعات سن کر ان کی عظمت دل میں بیٹھ جاتی ہے، ان کے ذہن کی وسعت کا اندازہ، ان کی شفقت و مروت کا پتہ، ان کے حسن انتظام اور حسن معاملات کا احساس اور ان کی بصیرت کا ادارک ہوتا ہے۔

بڑی خوبیاں تھیں اس رجل رشید میں، بڑے کمالات تھے اس فرد فرید میں، ہر کسی کے ساتھ ان کا حسن اخلاق، حسن کردار، حسن گفتار اور حسن معاملہ تھا، ان شاء اللہ احکم الحاکمین کے دربار عالی میں بھی ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔

آپ کی ایک دعا جو بہت مشہور ہے وہ قبول ہوئی، آپ ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ جمعہ کے دن موت آئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خواہش کی تکمیل حسب منشاء فرمائی، حدیث نبوی ہے **مامن مسلم یموت یوم الجمعة او لیلة الجمعة الا وقاہ اللّٰہ فتنة القبر (ترمذی)**

خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

بھائی جانؒ

مفتی محمد نعیم الہ آبادی

راقم الحروف جب مظاہر علوم (وقف) سہارنپور میں افتاء کا طالب علم تھا اسی دوران اپنے ایک ذاتی کام سے دوبار جلال آباد حاضری کا اتفاق ہوا، دوسری بار میں ''حضرت بھائی جان'' کی پہلی زیارت نصیب ہوئی، مغرب کے بعد کا وقت تھا، بھائی جان اپنے کمرے ہی میں ہلکی سی لائٹ جلائے بیٹھے تھے پنج کلی ٹوپی لگائے، پان کھائے اپنی نشست پر نیم دراز تھے، ملاقات کے بعد دریافت کیا'' کہئے کیسے آنا ہوا؟'' میں نے حاضری کی وجہ بتائی تو بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

افتاء سے فراغت کے بعد چند ماہ اعظم گڑھ اور پھر مدرسہ جامعہ فارقیہ اُتراؤں الہ آباد، میں درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا، اسی دوران سہارنپور جانا ہوا، وہاں استاذِ گرامی جناب حضرت مولانا مفتی مجدالقدوس خبیب رومی مدظلہٗ العالی نے خیر خیریت کے بعد مشغولیت دریافت کی.... حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ سال پورا کرلو آئندہ سال کے لئے بھائی جان نے ایک محرر اور ایک مبلغ کے لئے مجھ سے کہا ہے، میں بات اور پکی کرلیتا ہوں تو تم آئندہ سال جلال آباد ہی آجاؤ--- بقول فارسی شاعر ؎

دو شیئے را کشد آدمی زور زور
یکے آب و دانہ یکے خاکِ گور

چنانچہ ۷ار شوال المکرّم ۱۴۲۱ھ کو حضرت مفتی صاحب ہمیں جلال آباد لے گئے، اور بھائی جان کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ ہیں آپ کے مطلوبہ مبلغ صاحب.......'' مبلغ کے عہدے پر میرا تقرر مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں ہوگیا، جس روز سے تقرر ہوا اُسی دِن سے پہلے تو عصر بعد پھر دوپہر چھٹی سے قبل قریب ہر روز ہی حضرت بھائی جان کے پاس بیٹھنا ہوتا تھا، میں ذرا بے تکلف قسم کا شخص ہوں، بزرگوں کی خدمت اور ان کی مجالس میں شرکت کو اپنی سعادت تصور کرتا ہوں لیکن غیر ضروری ادب جس

میں تصنع اور بناوٹ کا شبہ ہو اس کا میں قائل نہیں ہوں، ہمارے بھائی جان بھی اسی قسم کے تھے وہ اپنے چھوٹوں سے پیار وشفقت بھی فرماتے تھے اوران سے شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے مزاح بھی فرمالیا کرتے تھے، مجھ سے بھی حسب عادت یہی معاملہ رکھا، حضرت کی شفقت اورمحبت نے ادب سے نازونخروں تک پہنچادیا، بے تکلف جو بھی بات دل میں ہوتی عرض کردیتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس بے تکلفی اور ناز کے دور میں ارقم الحروف نے حضرت بھائی جان کی مجلسوں، گفتگوؤں اوراخلاقی واصلاحی باتوں سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا، نہ معلوم کتنی ایسے تجربے کی باتیں تھیں جو آبِ زر سے لکھنے اورحرز جان بنانے کے قابل ہیں۔

احقر نے جوخاص وصف حضرت بھائی جان کے اندرمحسوس کیا، اُن میں سے ایک اپنے فیصلے پر مضبوطی سے قائم رہنے کی دیکھی، یعنی جسے قرآن پاک میں **فاذاعزمت فتوکل علی اللہ** کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ وصف ان کے اندر بہت نمایاں طور پر ظاہر وباہر تھا۔

بھائی جان کا اصل نام محمد صفی اللہ تھا، مگرلوگ اصل نام سے کم اور بھائی جان کے لقب سے زیادہ جانتے تھے ہر چھوٹا بڑا بھائی جان ہی کہتا تھا، اُن کے پوتے بھی بھائی جان کہتے اورجن کے وہ خود پوتے لگتے وہ بھی ان کو بھائی جان کے نام سے پکارتے، خوداُن کے والدمحترم حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحبؒ بھی انھیں بھائی جان ہی کہہ کر بلاتے یابلواتے تھے، یہاں تک کہ ان کی اہلیہ بھی بھائی جان کہتی تھیں، ایک دن بھائی جان مجھ سے کہنے لگے، مولی صاب! مولی صاب!! میری گھر والی مجھے بھائی جان کہتی ہے اگرمیں بھی کسی دن بہن جان کہہ دوں تو.....؟ پھرخوب ہنسے اورکافی دیرتک ہنستے رہے، الغرض بھائی جان بڑے پرمزاح اور بذلہ سنج تھے۔

مشہور ہے اورحقیقت بھی یہی ہے کہ جب کسی کا آب ودانہ کہیں سے اٹھ جاتا ہے تو کوئی بھی طاقت اُسے روک نہیں سکتی، اسی طرح کا معاملہ راقم کے ساتھ بھی پیش آیا، کہ جب مدرسہ مفتاح العلوم سے احقر کا آب ودانہ اٹھ گیا تو اس ناچیز کا وہاں رہنا ناممکن ہوگیا، چنانچہ ۲۴ رصفرالمظفر ۱۴۳۰ھ کو احقر نے حضرت بھائی جان کو اپنا تحریری استعفیٰ پیش کیا اوراپنے استعفیٰ نامہ میں بطورخاص لکھا:

''یہ سچ ہے کہ آپ جیسا حلیم المزاج اوروسیع الظرف مہتمم اورمفتاح العلوم جیسی شان کا مدرسہ ملنا بہت مشکل ہے، مگر کیا کہئے ہماری قسمت کا کہ ایک تو اس علاقے کی فضاء مرطوب ہونے کی وجہ سے

مستقل نزلہ کا عارضہ ہے، اور دوسرے احقر کچھ گھریلو پریشانیوں کی وجہ سے اب اپنے وطن ہی میں خدمت دین کرنا چاہتا ہے، اس لئے (گو درمیان سال میں استعفیٰ دینا نہایت بے اصولی اور نازیبا ہے مگر گھریلو تقاضا اتنا شدید ہے کہ درمیان سال ہی میں یہ فیصلہ لینا پڑا) احقر مجبوراً مدرسہ ھٰذا سے مستعفی ہونا چاہتا ہے، اُمید کہ احقر کا استعفیٰ منظور فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں"۔

استعفیٰ نامہ میں احقر نے بھائی جان کی تعریف میں یہ جملے بغیر سوچے سمجھے یونہی نہیں لکھے تھے بلکہ اپنی آٹھ سالہ ملازمت کے دوران تجربات کی روشنی میں تحریر کئے تھے، اور تادم تحریر اپنی اسی رائے پر قائم بھی ہوں۔

چونکہ میری گھریلو مجبوریاں کچھ اس طرح تھیں کہ حضرت بھائی جان کی کوششوں کے باوجود بھی میں وہاں نہ رہ سکا، جن میں سب سے اہم مجبوری جلال آباد کو وطن بنانے یہ نہ بنانے کی تھی، میں اگر مجرّد ہوتا تو کوئی بات نہ تھی، جلال آباد کو اپنا مستقر بنا کر اپنی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی بھی وہیں بنالیتا اور الہ آباد کو خیر آباد کہہ دیتا، جیسا کہ بھائی جان بھی بار بار اسی بات کو کہتے، کہ جلال آباد ہی کو اپنا وطن بنالو اور یہیں رہ جاؤ، لیکن مسئلہ صرف میرا ہی نہیں گھر والی کا بھی تھا، ظاہر ہے کہ آدھا جلال آباد میں رہوں اور آدھا الہ آباد میں یہ ناممکن تھا، وطنیت کے بارے میں طبیعت یکسو کرنی تھی، جبھی مکان وغیرہ بنانا ممکن بھی تھا، بغیر طبیعت یکسو کئے بات بن نہیں پا رہی تھی، یہ وہ کلیدی مجبوری تھی جس نے جلال آباد چھوڑنے پر مجبور کیا، بہر حال! درمیان سال میں تو نہیں جاسکا چونکہ کتابیں بھی پوری کرانی تھیں۔

گھر جانے کے بعد کئی ماہ بے روزگار بیٹھا رہا، پھر سلطان پور ایک مدرسہ میں گیا اور وہاں بمشکل تمام سولہ دن رہ کر سترہویں دن میں نے خود استعفیٰ دیدیا اور پھر آ کر گھر بیٹھا، اس دوران بسلسلۂ روزگار کافی پریشان تھا، میں نے اپنی ہزار خامیوں کے باوجود ایک بات پر ہمیشہ خود کو قابو میں رکھا کہ طبیعت پر جبر کر کے تعلقات کسی سے خراب نہیں کئے جس کا فائدہ مجھے یہ ملا کہ وہ مدرسہ جہاں سے ایک رات کے بعد بیرنگ واپس کر دیا گیا تھا پھر انھیں کے دوسرے مدرسہ میں رکھ لیا گیا اور مکتب کے بچوں کو الف، ب، ت اور ہندی کا، کھا، گا پڑھانے لگا اس کے علاوہ اتوار کو وہیں ایک مسجد میں درس قرآن کیا کرتا تھا، اس مدرسہ میں ابھی تین ماہ بھی نہیں گذرے تھے کہ نہ معلوم ہم سے کیا بھول ہوگئی اور میرے گناہوں کی سزا یہ ملی کہ مجھے اس مکتب نما مدرسہ سے بھی چلے جانے کا زبانی نوٹس دیدیا گیا، اس کے بعد کچھ دنوں کے لئے ایک اور مسجد میں امامت کی پھر وہاں سے حیدرآباد گیا وغیرہ وغیرہ- (اس دوران بھائی جان کا اخلاق، مروت، ان

کی رواداری، شفقتیں سب کچھ ایک ایک کرے یادآتی رہیں اورسوچتارہا کہ یہ بھائی جان ہی کاظرف اورانہی کاقلب وجگرتھا کہ مجھ جیسے سیاہ کاروگناہگارکوایک دوماہ نہیں قریب آٹھ سال نباہ گئے،اس آٹھ سالہ مدت ملازمت میں کیا کچھ کمیاں نہ ہوئی ہوں گی ،مگرواہ رے!حلم وبردباری کے پہاڑ! مجھے نبھاتے ہی رہےاوراستعفیٰ دینے کے بعدبھی برابرکوشش کرتے رہے کہ میں یہیں رہوں مگرچونکہ قدرت کی طرف سے وہاں سے میراآب ودانہ اٹھ چکاتھااب میں وہاں کیارہتا،بہرحال یکے بعددیگرے مدرسہ پرمدرسہ چھوٹنے کے بعدجب تلخ سے تلخ تجربات ہوئےتوحضرت بھائی جان کی قدروقیمت مزیدبڑھتی ہی گئی، جب بھی فون کرتا،بات ہوتی توفرماتے''یاڑی! آجاتیرے لئے ہروقت دروازہ کھلا ہے''

زوالِ نعمت کے بعدنعمت کی اصل قدردانی ہوتی ہے،خودراقمِ آثم کوبھی خوب خوب اس کاتجربہ ہوا، خیر! یہ سب جوکچھ ہواسوہواہی اب اس کاکیاذکر۔

بھائی جان وسیع القب،وسیع النظر،شریف الطبع،نیک طبیعت،اعلیٰ اخلاق کے پیکراورعظیم الشان کردارکے مالک تھے۔عموماًجب کوئی مدرس یاملازم استعفیٰ دیتاہےتووہاں کے منتظم حضرات اپنی اناکامسئلہ بنالیتے ہیں،مخرج شخص کی توہین وتذلیل میں کوئی کسراٹھانہیں رکھتے،ایسے ہی بعض نمک حرام قسم کےافرادایسےبھی ہوتے ہیں جواپنے سابقہ ادارہ کی توہین تک شروع کردیتے ہیں اورنوبت الزام تراشیوں تک پہنچ جاتی ہےمگراس اللہ کےولی نے میرے بارے میں کوئی حرف شکایت اپنی زبان تک لاناگوارانہ کیابلکہ مجھے جب بعض افواہیں اورجھوٹی خبریں ملنےلگیں اورلوگ میرے وہاں سے ہٹنے پرچہ می گوئی کرنے لگے توحضرت بھائی جان نے میری طلب پرجوتحریرگرامی عنایت فرمائی اس میں میرے عہدے ومناصب کا ذکرخیرمیری ابتداسے انتہاءتک خدمات کاتذکرہ اورمیرے حالات وسیرت پراطمینان کااظہارفرمایاتھا وہ تحریرمیرے پاس محفوظ ہے۔

''تصدیق کی جاتی ہے کہ محمدنعیم بن عبدالحق ساکن چندوہاں،ڈاکخانہ عمری ضلع الہ آبادیوپی نے جامعہ ہٰذا میں محرم الحرام(۱) ۱۴۲۳ھ مطابق اپریل ۲۰۰۲ء سے شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ مطابق اگست ۲۰۰۹ء تک مبلغ،مدرس،اورمدیر(ماہنامہ مفتاح الخیر) کے مناصب پرخدمات انجام دی ہے،دورانِ ملازمت موصوف کے اخلاقی حالات قابل اطمینان رہے ہیں۔''

حضرت بھائی جان کی اعلیٰ ظرفی اورعلوہمتی انتہاکوپہنچی ہوئی تھی،کچھ باتیں حضرت بھائی جان کی

ایسی تھیں، جو اپنی مثال آپ تھیں مثلاً کوئی کیسا ہی غمزدہ و پریشان حال آتا تو وہ اپنی باتوں سے ہنس ہنسا کر اسے ایسا خوش کر دیتے کہ وہ اپنا غم وہیں چھوڑ جاتا، اور خوش وخرّم اُن کے دربار سے روانہ ہوتا، وہ خود بھی ہنستے اور دوسروں کو بھی ہنساتے چنانچہ اسی طرح خود ہنستے ہوئے اور ایک بہت بڑی تعداد کو روتا بلکتا چھوڑ کر مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون.

حضرت بھائی جان کے اکثر وبیشتر ملفوظات اپنے والد محترم حضرت مسیح الامت ہی کے ہوا کرتے تھے، جو ملفوظاتِ مسیح الامت کے نام سے طبع ہو چکے ہیں، جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح الامت کی باتیں کس قدر پتے کی ہوا کرتی تھیں، ایک ایک جملے سے موتی جھڑتے، تجربات ومعلومات کے عطر اور حالات کے مطابق دین ودنیا کی فلاح کے ضامن ہوتیں، جب وہ فرماتے تو یوں لگتا کہ ع۔ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

ان کی شرافت نفسی کے بہت سے واقعات ذہن میں محفوظ ہیں، وہ اعلیٰ درجہ کے منتظم، حالات اور ماحول کو سمجھے ہوئے، پختہ کار و تجربہ کار اور زبردست مصلح و مربی تھے۔ مثال کے طور پر اپنا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔

صبح کو میری عادت سونے کی تھی اور اکثر بعد نمازِ فجر سو جایا کرتا تھا، ایک دن صبح قریب نو بجے دفتر اہتمام کے سامنے سے گذر کر دفتر مفتاح الخیر میں جا رہا تھا کوشش کی کہ بھائی جان سے نظر بچا کر نکل جاؤں، مگر انھوں نے جب یہ حرکت دیکھی تو خود سلام میں پہل کی اور کہنے لگے کہ ”ایسی بھی کیا بے رُخی کہ سلام تک بھی نہ پہونچے“ میں شرما گیا اور کچھ نہ بولتے ہوئے بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد جب تنہائی ہوگئی، تو بڑی محبت اور اپنائیت سے کہنے لگے کہ آپ کو فجر بعد سونا تو رہتا ہی ہے بجائے کمرے میں سونے کے دفتر ہی میں دروازہ کھول کر سو جایا کریں، اسلئے کہ دیر سے دفتر کھلنے پر لوگ اعتراض کرتے ہیں، ان کی اس شفقت پر میں حیران رہ گیا، کہ یہ بات مجھے حکماً بھی تو کہہ سکتے تھے، اس قدر لجاجت کی کیا ضرورت تھی، چنانچہ ان کے اس طرزِ عمل کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ مجھ سے متعلق جو سبق دوسرے گھنٹے میں تھا (اور یہ غالباً میرے سونے کی رعایت میں تھا) پہلے گھنٹے میں کروالیا اور صبح نہ سونے کی ٹھان لی مگر.....

بھائی جان کو احقر نے **لایخدع ولایخدع** پر پورا عمل پیرا پایا، چنانچہ وہ نہ تو کسی کو دھوکہ دیتے تھے اور نہ کسی سے دھوکہ کھاتے تھے، ان کی اسی ہوشمندی کی بنا پر مدرسہ مفتاح العلوم کا نظام نہایت پرامن ہے، وہاں نہ اساتذہ کے دستخط کا رجسٹر ہے اور نہ بہت زیادہ اصول وضوابط کا جھمیلا، البتہ وہ خود اپنی ڈیوٹی کے نہایت پابند تھے، سخت سے سخت بیماری کی حالت میں بھی وقت مقررہ پر دفتر میں موجود ملتے، دوا، علاج، یا کسی اور ضرورت سے دو چار روز کے لئے اگر کہیں جانا ہوتا، تو ایک دو روز پہلے ہی دفتر میں (چائے کی نشست میں) تمام اساتذہ کے سامنے کہہ دیتے کہ فلاح تاریخ سے فلاں تاریخ تک میری چھٹی رہے گی،

فلاں ضرورت سے فلاں جگہ جارہاہوں، یہ ان کی اعلیٰ ظرفی کی بات تھی ،ورنہ انھیں چھٹی لینے کی کیاضرورت !ان کا تو چوبیس گھنٹوں کا ہرلمحہ مدرسہ ہی کے لئے وقف رہتا تھا---مدرسہ میں اساتذہ سب حاضر ہیں یانہیں، اس کے لئے بس اتناانتظام کررکھا تھا کہ دوپہر چھٹی کے فوراً بعد دفتر اہتمام میں ایک چائے کی نشست ہوا کرتی تھی ،میر مجلس حضرت بھائی جان ہی ہوا کرتے تھے،اس نشست میں اکثر تفریحی باتیں ہوتیں،اوراسی میں مدرسہ کے معاملات ومفادات کی باتیں بھی ہوجایا کرتی تھیں،اورساتھ ہی ساتھ نہایت خوش اسلوبی سے اساتذہ کی حاضری بھی ہوجایا کرتی تھی ،مدرسہ مفتاح العلوم کی ایک کھلی خوبی میں نے یہ دیکھی کہ جب بھائی جان بیمار پڑجاتے یامدرسہ میں نہ رہتے تو قریب قریب سارے ہی اساتذہ وملازمین اپنے اپنے کاموں پر بھائی جان کی موجودگی سے کہیں زیادہ عدم موجودگی میں مستعد رہتے ،بعض وہ اساتذہ جو اکثر گھنٹوں میں دس پندرہ منٹ تاخیر سے آیا کرتے تھے وہ بھی بھائی جان کی عدم موجودگی میں تاخیر نہ کرتے ،جیسے ہی گھنٹہ بجتا سارے اساتذہ اپنی اپنی درسگاہوں میں موجود ملتے۔حضرت بھائی جان کی دوراندیشی،للّٰہیت اورملی ہمدردی کا ایک اورواقعہ یادآیا:

راقم مدرسہ مفتاح العلوم میں اصلاً مبلغ تھالیکن ماہنامہ مفتاح الخیر کی ادارت اوردوایک کتابیں بھی متعلق تھیں ان میں ایک گھنٹہ سراجی کا تھا، میں پابندی سے روزانہ اسباق بھی سنا کرتا تھا، وہ بچے جن کا جی پڑھنے میں نہیں لگتااوروہ محض حاضری کے خوف سے درسگاہ میں آجایا کرتے تھے ،منتہی طلباء کے اسباق اس قدر پابندی سے سننا ، یہ میری ناتجربہ کاری تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ طالب علموں نے ایک روز میری کتاب میں ایک پرچہ لکھ کررکھ دیا،جس میں تحریرتھا کہ ''مفتی صاحب اگرسبق پڑھانا ہےتو سیدھے سے پڑھالو، روزانہ سبق سننا چھوڑ دو ورنہ ......'' پھراس کے بعد دھمکیاں لکھ رکھی تھیں میں نے جیسے ہی کتاب کھولی وہ پرچہ سامنے آیااور پڑھ کراندرہی اندر کچھ ہنسی آئی اور کچھ تلملاہٹ بھی ہوئی، صبح بھائی جان کی خدمت میں وہ پرچہ پیش کردیا، یہ واقعہ صرف اس لئے نقل کررہاہوں کہ اس پر بھائی جان نے جو کچھ فرمایا اسے عرض کرنا ہے، بھائی جان نے پہلے توڈرامائی انداز میں میری تسلی کے لئے اس حرکت پر مصنوعی انداز میں بچوں پر بہت خفا ہوئے اورفرمایا:

> ''قصووارلڑکوں کا پتہ لگایاجائے گاجنھوں نے یہ شرارت کی اوران کواس حرکت پرسخت سزادی جائے گی''

پھردوچارروز بعد مجھ سے کہنے لگے،مفتی صاحب! میرا مقصدتو یہ ہے کہ ان بچوں میں اذان دینے والے،نماز جنازہ پڑھانے والے، پنج وقتہ امامت کرنے والے اورعوام کونماز،روزہ کے موٹے موٹے

مسائل بتانے والے بن جائیں، یہ بچے ایسے علاقوں سے آئے ہیں کہ اگر ان کا اخراج کردیا جائے، تو یہ اور بھی خراب ہوجائیں گے، کم ازکم رسمی طور سے فراغت کے بعد کھلم کھلا داڑھی تو نہ منڈائیں گے، سند یافتہ ہونے کی وجہ سے دین کا کچھ تو پاس وخیال رکھیں گے۔

اس کے بعد حضرت گنگوہی کے زمانے کا وہ واقعہ سنایا جو ایک بنگالی طالب علم سے متعلق پیش آیا تھا، وہ یہ کہ ایک بنگالی طالب علم کی سند میں نام کے ساتھ اس کی وطنیت بنگالی کی جگہ بنجالی لکھ دی گئی (عربی میں گاف کی جگہ جیم لکھا جاتا ہے) وہ طالب علم اتنا بھی نہ سمجھ سکا کہ بنگالی کو عربی میں بنجالی لکھا جاتا ہے، مزید کسی نے مزا لینے کے لئے بنجالی کی تشریح یہ کردی کہ دیکھو یہ تمہارے نام کے ساتھ بنجالی لکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم بن (جنگل) میں جاؤ اور جالی بنو، وہ طالب علم بڑا خفا ہوا اور حضرت گنگوہیؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرے نام کے ساتھ بنجالی لکھ دیا گیا ہے، حضرت گنگوہیؒ نے اسے سمجھایا اور مطمئن کیا۔

بھائی جان یہ واقعہ سنا کر ہنستے اور کہتے کہ بتاؤ! جب حضرت گنگوہیؒ کے زمانے میں ایسے ایسے طالب علموں سے سابقہ پڑا تو ہمہ شما کا کیا شمار؟

بھائی جان زندہ رہے تو ٹھاٹھ کی زندگی گذاری، اور جب انتقال فرمانا ہوا تو منہ مانگی موت پائی، اپنے انتقال کے بارے میں اکثر یہ کہتے کہ ”میں نے اپنی موت کے لئے جمعہ کا دن مانگ رکھا ہے، کبھی کبھی طالب علموں کی سرزنش کرتے ہوئے بھی فرماتے کہ میاں آج تو فلاں دن ہے ہم نے تو جمعہ مانگ رکھا ہے، ایک دن طبیعت بہت ہی زیادہ خراب تھی، کراہ رہے تھے، اور اسی میں یہ بھی کہے جارہے تھے یااللہ! آج تو منگل ہے میں نے تو جمعہ مانگ رکھا ہے، گویا اپنی دعاء پر اتنا بھروسہ تھا کہ غیر جمعہ کو میرا انتقال نہ ہوگا، اور کبھی کبھی حدیث شریف کے حوالے سے یہ بھی کہتے، کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن جس شخص کا انتقال ہوتا ہے، اُس سے عذابِ قبر اٹھالیا جاتا ہے۔

بھائی جان کا گمان اس سلسلے میں بہت قوی تھا، اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں اپنے بندوں کے گمان کے ساتھ ہوں، جو جیسا گمان کرے گا مجھے ویسا ہی پائے گا، اس لئے بھائی جان کا جمعہ کے روز انتقال فرمانے اور نماز جنازہ میں جم غفیر کے ہونے، نیز مخلوق خدا کا دل خوش کرنے کی وجہ سے میرا دل کہتا ہے کہ حضرت بھائی جان اللہ کے دربار میں اپنی دیگر خامیوں کے باوجود (جن سے کوئی بشر خالی نہیں) بڑا مقام پایا ہوگا، کیونکہ یہ ایسے اسباب وعوامل ہیں کہ ان کی ذریعہ بھی اللہ رب العزت اپنے بندوں کو زیادہ سے زیادہ جنت میں داخل فرمائے گا۔ اللہ رب العزت ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

مولانا امیر احمد مظاہریؒ

ناصرالدین مظاہری

آسمان علم وفن سے ستاروں کے ٹوٹنے کا سلسلہ جاری ہے یعنی محرومیوں کے گھنگھور بادل شباب پر ہیں، سسکتی کراہتی اور آنسو بہاتی انسانیت کو ابھی کچھ اور آنسو بہانے مقدر ہیں، کل نفس ذائقۃ الموت جو ایک اٹل صداقت اور سچائی ہے مگر نیک لوگ اس سچائی کے اثبات میں خود ہی دلیل بن کر گمراہوں کو راہ راست پر آنے کا ایک موقع اور دے گئے۔

کیا بتایا جائے کہ اس وقت ملت ظلم وتعدی کی کس چکی میں پس رہی ہے، امت اخلاقی پستی کے کس غار میں لڑھک چکی ہے اور ہمارا سواد اعظم ہے کہ ہم سے رخ موڑ کر اور ہم سے اپنا رشتہ توڑ کر جان جہاں سے گزرنے میں عافیت محسوس کرتا ہے، عجیب بات ہے بستیاں اجڑتی جارہی ہیں، قبرستان آباد ہوتے جارہے ہیں، بستیوں میں ویرانیوں کی حکمرانی نظر آتی ہے جب کہ قبرستانوں میں طمانینت قلبی کا احساس ہوتا ہے، فلک بوس عمارتوں کے سایہ میں نحوست ٹپکتی ہے اور قبرستان کے درختوں کی چھاؤں راحت بخشتی ہے، شہروں کی مٹی آلودہ ہے تو وہاں کی مٹی صاف وشفاف فالودہ، انسانوں کی بستیوں سے انسانیت عنقا ہوتی جارہی ہے، حیوانوں نے انسانوں کی جگہ لے لی ہے، حیوانوں کی درندگی کو انسانوں نے اپنالیا ہے جبھی تو پے درپے ایسے صدمات وحادثات کے باوجود جس کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں وہ اپنی حماقتوں کے مظاہرے کرتا اور ان ہی کو اپنی دانائی تصور کرتا ہے، زخم پر چوٹ لگ جائے تو مریض چیخ پڑتا ہے لیکن یہ کیا بے حسی ہے کہ ہمارے درمیان سے ہمارے بڑے یکے بعد دیگے رخصت پذیر ہوتے جارہے ہیں اور ہم ہیں کہ ان کی پاک وپاکیزہ زندگیوں سے سبق حاصل کرنے کے بجائے اپنی پرانی چال کو کافی اور وافی سمجھے ہوئے ہیں۔ یہ سال مظاہر علوم اور تمام ابناء قدیم کے لئے محرومیوں کا سال سمجھا جائے گا کیونکہ اس سال مظاہر علوم کی عبقری شخصیات، قابل فخر سپوت اور ہونہار فرزندان نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لی ہیں۔

چنانچہ اساتذہ مظاہر علوم میں

حضرت مولانا علامہ محمد عثمان غنیؒ شیخ الحدیث مظاہر علوم وقف سہارنپور

حضرت مولانا رئیس الدین مظاہری نائب شیخ الحدیث مظاہر علوم وقف سہارنپور

حضرت مولانا سید وقار علی ناظم تعلیمات و استاذ فرائض مظاہر علوم وقف سہارنپور

فضلائے مظاہر علوم میں بطور خاص

حضرت مولانا محمد حنیف مظاہری مہتمم مدرسہ باغوں والی ضلع مظفر نگر

حضرت مولانا قاری امیر حسن مظاہری استاذ مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی

حضرت مولانا امیر احمد مظاہری للیانویؒ مہتمم مدرسہ مظہر العلوم شوندت ضلع میرٹھ

اسی طرح چند عبقری علماء میں

حضرت مولانا مفتی خورشید عالم قاسمی شیخ الحدیث دار العلوم وقف دیوبند

حضرت مولانا محمد ابوبکر غازی پوریؒ مدیر ماہنامہ زمزم غازی پور یوپی

حضرت مولانا الحاج صفی اللہ خان شیروانی مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفر نگر

حضرت مولانا محمد مصطفیٰ بھیسانویؒ

ان بزرگوں کی یکے بعد دیگرے رحلت نے عجب ماحول پیدا کر دیا ہے، ہر سنجیدہ انسان کے چہرے سے بشاشت غائب ہوگئی ہے، زیاں کا احساس مزید پختہ ہوگیا ہے، محرومیوں کے عفریت نے اپنے پر مزید وا کر دئے ہیں، ان پرانے چراغوں کی مدھم روشنی میں ہم اپنی زندگیاں پرسکون طریقہ سے گزار رہے تھے، نئے چراغوں کی روشنی بے روح اور بے کیف ہے، اب صرف رسم اذان باقی ہے، روح بلالی نہیں رہی، یہ جانے والے لوگ ہر موقع پر اپنے چھوٹوں کے لئے ہدایت اور نصیحت کا جذبہ رکھتے تھے، ان کی زبان اور ان کا دل ہم رنگ وہم آہنگ تھا، دل جو کہتا تھا بات ان کو لفظی جامہ پہنا کر مخاطب کے کانوں میں انڈیل دیتی تھی مگر اُن کے بعد والے لوگ دو زبانیں رکھتے ہیں، دو کان رکھتے ہیں، دو آنکھیں رکھتے ہیں، ان کے دل کا تعلق ان کی زبانوں سے قطعی نہیں ہے، یہ کئی کئی گھنٹہ منبر و محراب سے صدائیں لگاتے ہیں مگر کسی کی آنکھیں آنسوؤں سے تر نہیں ہوتیں، کسی کے دامن نہیں بھیگتے، کسی کے لب نہیں پھڑکتے، کسی کے ہونٹ نہیں کپکپاتے، کسی کا دل نہیں مچلتا، کسی کے روئیں نہیں کھڑے ہوتے، کسی کے بدن پر لرزش نہیں طاری ہوتی جب کہ وہ چند منٹوں میں سادہ لفظوں اور سادہ اسلوب میں کچھ ایسی باتیں کہہ جاتے تھے کہ دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہتا تھا۔ افسوس کہ اب ایسی ہستیاں ہمارے درمیان سے رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ برف کے مانند کم ہوتی جارہی ہیں۔

آج ۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ پیر کا دن ہے ابھی حضرت مولانا صفی اللہ خان شیروانیؒ کے انتقال کو چوتھا دن ہے، ابھی تو ان کو دفن کرنے والے لوگوں کے ہاتھوں میں شاید قبر کی مٹی کی خوشبو بھی باقی ہوگی کہ آج چوتھے دن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے صحبت یافتہ ،فیض یافتہ اور تربیت یافتہ نامور عالم وفاضل، مظاہر علوم کے ہونہار اور لائق فخر سپوت، کئی کتابوں کے مصنف، پختہ علم و پختہ صاحب قلم ، مدرسہ مظہر العلوم شونددت ضلع میرٹھ کے بافیض بزرگ و مہتمم حضرت مولانا امیر احمد مظاہریؒ للیانوی بھی طویل علالت کے بعد ایک سو سات سال کی عمر میں مولائے حقیقی سے جا ملے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

زندگی کی امنگیں، زندہ رہنے کی آرزوئیں، مسرتوں کی گلکاریاں، ہنسی کا موسم، شادمانی کا سماں یہ چیزیں اس بچے کے لئے بے کار ہیں جو کسی مجمع یا کسی میلے میں اپنوں سے بچھڑ جائے ، راستہ بھٹک کر انجان راہوں پر چل پڑے، ایسے وقت میں دلاسے کام دیتے ہیں نہ یقین دہانیوں پر یقین ہوتا ہے، ملت اسلامیہ کچھ ایسے ہی حالات سے دوچار ہے، اس ملت کے ناخدا، امت کے راہنما، پوری قوم مسلم کے سچے اور اچھے راہبر سبھی ایک ایک کر کے یوں چلے جارہے ہیں جیسے انھیں شدت سے اسی کا انتظار تھا اور اپنے پیچھے آس اور یاس کا کچھ ایسا ماحول چھوڑ جاتے ہیں جن پر چل کر انسان منزل تو پاسکتا ہے لیکن اُن جیسا نہیں بن پاتا۔

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے دنیا سے کہ جن کو
تم ڈھونڈنے نکلوگے مگر پا نہ سکوگے

حضرت مولانا امیر احمد للیانویؒ علم و عمل کے افق پر جگمگاتا ایک ایسا تارہ تھے جن کے دم قدم سے ملت اسلامیہ کو اپنے بڑوں کی یاد آتی تھی، ان کے دامن میں کچھ ایسی خوشبو آتی تھی جیسی خوشبو اکابر سے محسوس ہوتی تھی، ان کی خلوت حضرت تھانوی کی خلوت نہیں تھی لیکن انسان سوچنے پر مجبور ہوجاتا تھا کہ چھوٹے میاں کا یہ حال ہے تو بڑے میاں کا کیا حال رہا ہوگا، ان کے گفتار سے علم کا سیلاب بہتا تھا، ان کے کردار سے نیکیوں کی فصل بہار اگتی تھی، ان کے فکر سے ایمان و یقین کو تقویت ملتی تھی، ان کے قلم سے اخلاص کے چشمے ابلتے تھے، ان کے درس سے عرفان کی وادیاں مہکتی تھیں، ان کی مجلس میں دلوں کی کایا پلٹ ہوتی تھی، ان کی خلوت سے ان کی جلوت کا حال معلوم ہوتا تھا، ان کے رنگ و آہنگ، ان کی امیدوں اور آرزؤں میں ملت اسلامیہ کی ترقی اور اخروی سربلندی کی صدائیں بلند ہوتی تھیں، ان کے

پاس اپنا کچھ نہیں تھا لیکن ان کے اپنوں کے پاس جو کچھ تھا وہ سب آپ کا تھا، وہ دنیا کی طرف کبھی نہیں بھاگے نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا ان کے قدموں میں ذلیل ہوتی رہی، انہوں نے اپنی آبرو کا کبھی سودا نہیں کیا اسی لئے ہر طبقہ میں انھیں عظمتوں کے ساتھ یاد کیا گیا، ان کے گلشن حیات کا ہر پھول تر و تازہ، ان کے دماغ کی ہر نس عرفان الٰہی سے سیراب اور ان کے احساسات کی دنیا قرآنی علوم و معارف سے مالا مال تھی۔ وہ کم بولتے تھے، مگر جب کچھ بولتے تھے وہ ملفوظ بن جاتا تھا، وہ کسی کی بیسا کھیوں پر چلنے کو ہنر نہیں مرض تصور فرماتے تھے، وہ اپنی دنیا آپ بنانے کے خوگر اور عادی تھے۔

حضرت مولانا امیر احمد للیانویؒ کے والد ماجد کا نام نامی محمد مستقیم تھا جو اپنے علاقہ کے زمینداروں میں شمار ہوتے تھے، اسی گھرانہ میں آپ تقریباً ۱۹۰۴ھ مطابق ۱۳۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم علاقہ کے بعض مدارس میں حاصل کر کے درس نظامی کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی اور ابتدائی درجات کی تعلیم کے حصول کے بعد ۱۳۵۰ھ میں مظاہر علوم میں داخلہ لیا اور اصول الشاشی، تلخیص المفتاح، بحث فعل اور کنز الدقائق سے تعلیمی شروعات کی پھر درجہ بدرجہ تعلیم حاصل کر کے ۱۳۵۵ھ میں دورۂ حدیث شریف پڑھ کر فارغ ہوئے، آپ کے اساتذۂ دورہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کاندھلویؒ، استاذ الکل حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، حضرت اقدس مولانا منظور احمد خان سہارنپوریؒ اور مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں۔

آپ کے دورۂ حدیث کے خاص رفقاء میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن اعظمی، حضرت مولانا محمد شعیب بارہ بنکوی اور مولانا مسعود میرٹھی لائق ذکر ہیں۔

۱۳۵۵ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ عربیہ شاملی میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے مگر بعض عوارض کے باعث یہاں زیادہ مدت تک قیام نہ کر سکے اور دارالعلوم تانبوے رنگون (برما) میں تدریسی خدمات کے لئے تشریف لے گئے، یہاں بڑی کامیابی کے ساتھ کئی سال تک قابل رشک خدمات انجام دیں اور مدرسہ کے ماہانہ ترجمان ماہنامہ المحمود کی ادارتی ذمہ داریاں بھی آپ کے سپرد رہیں، مولانا کا اشہب قلم کچھ تو پہلے سے پختہ اور شاندار تھا لیکن ماہنامہ کی ذمہ داریوں نے اس کے اسلوب نگارش میں چار چاند لگادئے اور اس عہد کے اچھے نثر نگاروں میں آپ کا شمار ہونے لگا۔

برما میں حالات اور ملکی قوانین کی وجہ سے بددل ہو کر واپس ہندوستان تشریف لے آئے یہاں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایماء اور حکم پر مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں تعلیمی

وتدریسی خدمات اور مدرسہ کی مسجد میں امامت کے فرائض انجام دینے شروع کئے، حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی زندگی کے یہی چند سال ان کی زندگی کی تاریخ کا ایک ایسا حصہ بن گئے جس کی وجہ سے دور دور تک مولانا کا شہرہ بلند ہوا، اکابر اہل اللہ کے منظورِ نظر بن گئے، ملت اسلامیہ اور علماء اسلام کے معتمد خاص شیخ سعدی کی زبان میں اس شعر کا مصداق بن گئے ۔

گلے خوشبوئے در حمام بودے رسید از دست محبوبے بدستم

ترجمہ: ایک دن حمام میں ایک خوشبودار مٹی، میرے ہاتھ میں ایک محبوب کے ہاتھ سے آئی

بگفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دلآویز تو مستم

ترجمہ: میں نے اس سے کہا کہ تو مشک ہے یا عبیر ہے، کہ میں تیری دلکش خوشبو سے مست ہوں

بگفتا من گلے ناچیز بودم ولیکن مدتم بہ گل نشستم

ترجمہ: اس نے کہا کہ میں ایک ناچیز مٹی تھی، لیکن ایک زمانے تک میں پھول کے ساتھ رہی

جمال ہمنشیں درمن اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ: ہمنشین کے حسن نے مجھ میں اثر کر دیا، ورنہ میں تو وہی مٹی کی مٹی ہوں

خانقاہ تھانہ بھون کی کیا تعریف کی جائے، کیا گن گائے جائیں اور میرا قلم اس لائق بھی نہیں کہ میں اس کی کما حقہ تعریف کرسکوں، بس شیخ سعدیؒ کا ایک شعر اس خانقاہ کے شایان شان ہے جو درج کرتا ہوں ۔

خاک شیراز ہمیشہ گل خوشبوئے دہد
لاجرم بلبل خوش گوئی دگر باز آمد

خانقاہ تھانہ بھون میں رہ کر کئی سال تک استفادہ واستفاضہ کے بعد میرٹھ کے مدرسہ امداد الاسلام میں تعلیم دینی شروع کی اور چند سال کے بعد مدرسہ مظہر العلوم شوندت ضلع میرٹھ تشریف لے گئے جہاں اخیر وقت تک مدرسہ کے بال و پر کو سنوارنے میں گزار دئے۔

آپ کی دو کتابوں کا احقر کو علم ہے جن میں سے ایک دفع البلیات فی اصلاح النیات ہے اور دوسری کتاب کا نام رونق محفل ہے ۔ اول الذکر اصلاح نیت کے موضوع پر نہایت علمی کتاب ہے دوسری مکالموں کا گلدستہ ہے۔



حضرت مولانا حکیم محمد عرفان الحسینیؒ

ناصرالدین مظاہری

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ کے رکن، مختلف دینی تحریکات کے محرک، اسلامی جماعتوں اور متعدد دینی مدارس کے سرپرست، دارالعلوم دیوبند کے فرزند اور مشہور عالم دین حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینیؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا حکیم محمد عرفان حسینیؒ بھی ۱۶/اپریل ۲۰۱۲ء کو مولائے حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف مغربی بنگال ہی نہیں پورے ہندوستان میں اپنی علمی عظمتوں اور والد بزرگوار کی عظیم نسبتوں کے باعث شہرتوں کی منزلوں پر فائز تھے، آپ الولد سرلابیہ کا حقیقی مصداق تھے، مغربی بنگال کی راجدھانی کلکتہ کی مشہور ناخدا مسجد اور محلّہ کولوٹولہ کے قریب میں آپ کا مطب تھا اور اسی کو آپ نے ذریعۂ معاش بنایا لیکن کسی شاعر نے کہا ہے

باپ کا علم اگر بیٹے کو نہ ازبر ہو
پھر پسر لائق میراث پدر کیونکر ہو

آپ اپنے عظیم والد ماجد کے لائق، فائق اور صالح فرزند و جانشین تھے، کلکتہ جو ہندوستان کا ایک اہم تجارتی، اقتصادی، معاشی اور تاریخی شہر ہے، جہاں کوئی بھی انسان گم ہوسکتا ہے، بھیڑ بھاڑ، اژدحام اور ہجوم کی وجہ سے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس شہر کو یاجوج وماجوج کا شہر کہتے تھے، حضرت مولانا حکیم محمد عرفان الحسینیؒ نے نہایت نیک نامی کے ساتھ ملک وملت کی رہبری کے فرائض بھی انجام دئے، ہندوستان کے ساحلی شہر میں رہنے کے باوجود یہاں کے اکثر علماء، صلحاء، تنظیموں اور تعلیمی اداروں سے اپنا تعلق استوار رکھا، انہوں نے خود تو جیسے تیسے زندگی گزاری لیکن دوسروں کو شاندار زندگی جینے کا ہنر سکھایا، انہوں نے چٹائیوں پر بیٹھ کر کتنے ہی امراء ورؤساء کو ترقیات کی بلندیوں پر پہنچا کر خوشی محسوس

کی، ان کی زندگی کا ایک ایک وقفہ ملک وملت کے لئے وقف تھا، کبھی مسلم پرسنل لاء کے پروگراموں میں شرکت کے لئے ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کررہے ہیں تو کبھی اپنے شہر میں ہندوستان کے پایہ کے علماء کو مدعو کرکے تقریر وخطابت کا نظم کررہے ہیں، کبھی مغربی بنگال کی اسلام دشمن سرکار پر برستے دیکھا گیا تو کبھی اسلام سے تعصب اور سوتیلا سلوک روا رکھنے والوں پر گرجتے نظر آئے، کبھی دیوبند، سہارنپور، دہلی، ندوہ اور ملک کے دیگر ممتاز ومؤقر اداروں میں طلبہ وعلماء کو خطاب کرتے نظر آئے تو کبھی سرکاری پروگراموں میں اسلام کی صحیح اور سچی نمائندگی کے لئے داعی کی حیثیت سے چمکے، کبھی امارت شرعیہ کے قیام واستحکام اور اس کے حلقۂ اثر کی تقویت کے لئے فکرمند اور امارت کے کاز ومقاصد کو کامیابی کی منزلوں سے ہمکنار کرنے کیلئے بے چین وبے قرار، ملت اسلامیہ کی خوشی میں خوش اور ملت اسلامیہ کے غم میں غمگین، سچائی یہ ہے کہ انہوں نے ایک طرف تو ''خودی نہ بیچ غریبوں میں نام پیدا کر'' کے اصول پر عمل کیا تو دوسری طرف یہ کہا کہ ''مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے'' شاید ان کی اسی خو، اسی صفت اور اسی عادت نے ایک بڑے طبقہ کو آپ سے چڑنے اور دوری بنائے رکھنے کا مزاج بنا دیا تھا، حکیم صاحب کلمۂ حق کہنے میں کسی ملامت گر کی ملامتوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے، وہاں مصلحت اندیشی کا گزر تھا نہ تملق وچاپلوسی، ریاکاری کا شائبہ تھا نہ بناوٹ اور غیر ضروری تکلف وتصنع، جو بات حق اور سچ سمجھتے بغیر تردد کے کہہ گزرتے، جس بات کو ناحق سمجھتے اس سے کنارہ کشی اختیار فرمالیتے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مظاہر علوم کے خلفشار کے موقع پر فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کا ڈٹ کر ساتھ دیا، کلکتہ کی سرزمین پر پیش آنے والی سفراء کی دشواریوں کو دور کرانے میں دن رات ایک کردیا، معاونین وہمدردان جن کو بعض مفاد پرستوں اور ناعاقبت اندیشوں نے بہکادیا تھا، حضرت حکیم صاحب وہاں جاجا کر، معاونین کے دامن کو پکڑ پکڑ کر ہر طرح سے سمجھانے اور غلط فہمیاں دور کرنے کا ایک ایسا کارنامہ انجام دیا کہ ان شاء اللہ اس کا اجر اللہ جل شانہ اپنی رحمت خاص سے نوازیں گے۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ جس کا پہلا اجلاس ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۲ء کو ممبئی میں منعقد ہوا تھا حکیم صاحب اس میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شریک تھے، پھر چند ماہ بعد ۷ر اپریل ۱۹۷۳ء کو حیدرآباد میں باقاعدہ اس کی تشکیل ہوئی اور یہ پروقار ادارہ وجود میں آیا تب بھی حکیم صاحب اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ شریک ہوئے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی بے داغ شخصیت، ہندوستان میں آپ کی عزت وعظمت، سماجی، معاشرتی

اوراسلامی خدمات کے شاندار نقش ونقوش کو دیکھ کر بعد میں آپ کو مجلس عاملہ کا باقاعدہ ممبر بنایا گیا اور تاحیات اس ادارہ کے ممبر رہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے بہت گرویدہ تھے، پہلے خط وکتابت پھرفون اور بعد میں بکثرت آمدورفت سے ان حضرات کے درمیان ایک ایسا مضبوط تعلق قائم ہوگیا تھا جس کو حب فی اللہ کا نام دیا جاسکتا ہے۔

۱۹۹۹ء میں ایک بار راقم الحروف کو کلکتہ جانے کا اتفاق ہوا، حکیم صاحب کے پاس حاضری ہوئی، ملاقات کا شرف حاصل ہوا، تعارف ہوا تو خوشی کا اظہار فرمایا اور بعض قیمتی نصائح ارشاد فرمائے۔ مفتی مظفر حسینؒ کا بار بار تذکرہ کرتے رہے، ان کیلئے دعاء خیر کرتے رہے، مفتی صاحبؒ بھی حکیم صاحبؒ کا بہت لحاظ اور خیال فرماتے تھے، یہاں سے جو حضرات بھی کلکتہ جاتے بطور خاص حکیم صاحب کے لئے سلام کہلواتے اور دستی مکتوب بھی ارسال فرماتے جس میں سابقہ محبتوں اور خدمات کا تذکرہ ہوتا، یہاں آمد کی اپیل ہوتی اور مدرسہ کے حالات ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت فقیہ الاسلامؒ کے جانشین محترم مولانا محمد سعیدی ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور کے زمانے میں بھی وہی تعلق برقرار رہا، مولانا سعیدی نے اپنے ایک مکتوب میں یہ کلمات تحریر فرمائے۔

''آنجناب چونکہ ''الولد سر لابیہ'' کا مصداق ہیں، حضرت اقدس مولانا حکیم محمد زماں حسینیؒ کو جس طرح اس ادارہ سے اور یہاں کی برگزیدہ شخصیات سے تعلق تھا الحمدللہ آپ نے بھی اس قدیم روایت کو برقرار رکھا ہے اور مظاہر علوم کی ہر آواز پر جناب نے لبیک کہی ہے۔ اللہ تعالیٰ شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے اور اس تعلق کو قائم ودائم رکھے''۔

حضرت مولانا سعیدی کے خطوط کا اچھا خاصا ذخیرہ ریکارڈ میں محفوظ ہے، ایک اور خط میں تقریباً یہی مضمون ہے لیکن خط کو پڑھ کر اندازہ کیجئے کہ حکیم صاحب کی کیا وقعت ومنزلت علماء کی نظروں میں تھی۔

> ''جناب والا کی عافیت واحوال ومصروفیات کا علم ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی شایانِ شان جزا عطا فرمائے، بہتر ہوگا کہ جناب کی تشریف آوری مدرسہ میں ہوجائے اس کے لئے کوئی وقت عنایت فرمادیں ہم سب کے لئے آپ کی زیارت نعمت غیر مترقبہ ہوگی، مدرسہ کے حالات بحمد اللہ قابل اطمینان ہیں، مزید جناب والا کی توجہات مطلوب ہیں، امید ہے کہ دعوات صالحہ میں ضرور حصہ

فرما کر ممنون فرمائیں گے، بشرط سہولت احباب وشناساؤں کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے''۔

یوں تو حکیم صاحب متعدد بار مظاہر علوم تشریف لائے اور اپنے پر مغز خطاب سے طلبہ کو علم وعرفان سے سیراب کیا چنانچہ ایک بار آپ کی تشریف آوری اور یہاں ہونے والے پر مغز خطاب کا تذکرہ مولانا سعیدی کے قلم سے آپ بھی پڑھئے جوانھوں نے بطور تشکر وامتنان حکیم صاحب کے نام اپنے مکتوب میں لکھا تھا۔

''آپ کی مدرسہ تشریف آوری کے اثرات ہنوز قلب پر ثبت ہیں۔آپ کا اخبارات کو جاری کردہ بیان اہل مدرسہ کے لئے لائق شکر ہے، آپ حضرات کی مدرسہ سے وابستگی، ربط اور ہمدردانہ جذبہ مدرسہ کیلئے عوام کے حق میں اعتماد کی ضمانت ہے، اللہ رب العزت اس کا بہترین صلہ عنایت فرمائے، دعوات صالحہ میں ضرور حصہ فرمالیں''

اللہ تعالیٰ حضرت حکیم صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین



تکمیل تعلیم کے باوجود اساتذہ سے ملاقات

وہ بڑے محدث تھے، حلوانی سے مشہور تھے، بخارا سے کسی اور جگہ چلے گئے، وہیں پر ان کی ملاقات اپنے سابق استاذ امام زرنوجیؒ سے ہوئی، تو حسرت سے عرض کیا کہ میں معافی چاہتا ہوں، میں اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت کے باعث آپ سے ملاقات کے لئے حاضر خدمت نہ ہوسکا؟ امام عالی مقام اور استاذ ذی احترام نے فرمایا: تمہیں عمر تو نصیب ہوگی مگر درس نصیب نہ ہوگا'' اور ایسا ہی ہوا۔

جان لو! کہ والدین کی خدمت ازدیاد عمر کا باعث ہوتی ہے جب کہ اساتذہ کی خدمت ازدیاد علم کا ذریعہ بنتی ہے۔عمر سے انسان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا جب کہ علم سے انسان خدا کو پالیتا ہے۔

(افکار ناصر سے انتخاب)

مولانا محمد مصطفیٰ بھیسانویؒ

ناصرالدین مظاہری

ہمہ وقت رنج وملال کیا، جو گزر گیا سو گزر گیا
اسے یاد کر نہ دل دکھا جو گزر گیا سو گزر گیا
نہ گلہ کیا نہ خفا ہوئے یوں ہی راستے میں جدا ہوئے
نہ تو بے وفا نہ میں بے وفا، جو گزر گیا سو گزر گیا

کیا بتاؤں اور کیا لکھوں؟ قلم کی روشنائی خشک ہونے والی ہے، جفت القلم کی تعبیر نظروں کے سامنے ہے، موت کے پے درپے واقعات اور حادثات تیزی کے ساتھ رونما ہو رہے ہیں، جانے والا ہر فرد اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے ایک انجمن ہوتا ہے، وہ خود تو چلا جاتا ہے لیکن اپنی یادوں، اپنی باتوں، اپنی خدمات، اپنی محنتوں، اپنی اولوالعزمیوں، اپنی محبتوں، اپنی خوبیوں اور کمالات کے اتنے تحفے دے جاتا ہے کہ ہر تحفہ بعد میں کرب وقلق پیدا کرتا ہے، ہر خدمت سے ان کی آہ سحر گاہی ہویدا ہوتی ہے لیکن معاً ان کا فراق اور فرقت، ان کی جدائی اور محرومی سوچ سوچ کر نظروں کے سامنے تاریکیاں پیدا کر دیتی ہے، سوچتا ہوں تو قلم جواب دینے لگتا ہے، ان جیالوں کی جدائی پر قلم اٹھانا چاہتا ہوں تو دماغ میں ان کی ترتیب گڈمڈ ہونے لگتی ہے، موت کیا چیز ہے، ہنستا ہنستا انسان چشم زدن میں اپنے چاہنے والوں کو روتا بلکتا چھوڑ جاتا ہے، خود تو جنت الفردوس کی ابدی وسرمدی نعمتوں میں مست ہو جاتا ہے اور بعد والوں کو آہوں، کراہوں، سسکیوں، ہچکیوں، آنسوؤں، بے قراریوں، بے چینیوں، کلفتوں، حسرتوں، محرومیوں اور یاس وآس کی ایک نہ ختم ہونے والی لڑی میں پرو دیتا ہے، قرطاس وقلم کہاں تک لکھے، ذہن ودماغ کہاں تک سوچے، الفاظ واستعارات کہاں تک ساتھ دیں، تعبیرات وترکیبات کب تک وارد ہوں، نظم ونثر کہاں سے آئیں؟ ایک ہوک سی اٹھتی ہے، ایک درد سا ہوتا ہے، سینہ میں جلن سی محسوس ہوتی ہے، آنکھیں اپنا کام کرتی رہتی ہیں کیونکہ اس کو رونے کے سوا اور کرنا ہی کیا پڑتا ہے، دل خون کے آنسو روتا ہے جب ملت کی اس حرماں نصیبی پر غور وفکر کرتا ہوں، دماغ میں سنسناہٹ گونج رہی ہے کہ کیسے

لکھوں کہ ملت اسلامیہ اب محرومیت کے دہانے پر کھڑی ہے، یہ سوچ سوچ سینہ چھلنی اور دھونکنی ہور ہا ہے کہ اب تک جانے والے لوگ جس کثرت اور سرعت کے ساتھ گئے ہیں آنے والے دنوں میں ویسی شخصیات نہیں آسکیں گی، وقت کی برکتیں ان ہی اکابر کے ساتھ رخصت ہوگئیں، سودوزیاں کے احساس کے لئے ہم لوگ رہ گئے، جو کام کرنا تھا وہ ہو چکا اب ہم لوگ صرف ان کاموں میں رنگ آمیزی کے لئے رہ گئے ہیں، وہ مکان بنانے والے مکین چلے گئے ہم لوگ تو صرف اس کی دیکھ ریکھ کے لئے بچ گئے ہیں۔

یااللہ! تیری شان کتنی نرالی ہے، تیرا نظام کتنا منضبط ہے، جس میں حبہ برابر کمی ہوسکتی ہے نہ زیادتی ہوسکتی ہے، شمہ برابر فرق آسکتا ہے نہ سرموانحراف ہوسکتا ہے، یہی تو ایک چیز ہے جس نے نوع انسانی کو"انسانیت" کے جامے میں کر دیا ہے، فرعونیت کا لبادہ اتار دیا ہے، اپنی کمزوری کا احساس دلا دیا ہے اور اللہ احکم الحاکمین کی حاکمیت کا یقین دلا دیا ہے، قرآن کریم نے کہا **اذاجاء اجلهم لايستاخرون ساعة ولايستقدمون** ۔اللہ کے حبیب نے کہا: **اذكرواذكرهاذم اللذات** ،حضرت ابوبکرصدیقؓ نے پڑھا: **وجاءت سكرت الموت بالحق ذلك ماكنت منه تحيد** ،حضرت عمر فاروقؓ نے مرض الوفات میں اپنے سر کو زمین پر رگڑتے ہوئے فرمایا: **ويلي وويل امي ان لم يرحمني ربي عزوجل** ،حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرمایا: **عثمان بن عفان يشهدان لااله الاالله وحده لاشريك له وان محمداًعبده ورسوله وان الجنة حق: وان الله يبعث من في القبورليوم لاريب فيه ان اللّٰه لايخلف الميعاد،عليهايحى وعليهايموت وعليهايبعث ان شاء اللّٰه** ،حضرت علیؓ نے اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرمایا: **امشوابي بين المشيين ولاتسرعوابي،وان كان شراالقيتموني عن اكتافكم** ۔

یہ نسخہ ہائے معتبر ہماری زندگیوں کیلئے مشعل راہ ہیں، اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے سب سے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی حیات مبارکہ مکمل کرنے کے بعد اس دنیا سے تشریف لے گئے اور یہ پیغام بھی دے گئے **اذااصيب احدكم المصيبة فليذكرمصيبة بي، فانهااعظم المصائب** ۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں نے یکے بعد دیگرے اس دنیا کو خیر باد کہا اور اب تو جانے والوں کے اس سلسلہ میں اتنی تیزی اور سرعت آچکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بار بار ذہن ودماغ میں گردش کرنے لگتا ہے۔ **ان تتخذالمساجدطرقاً وان يظهر موت الفجأة** ۔

بعد نماز ظہر میرے دوست مفتی محمد راشد ندوی مظاہری نے فون پر یہ المناک خبر سنائی کہ حضرت

مولانا علامہ محمد رفیق بھیسانویؒ کے جگر گوشہ جناب مولانا محمد مصطفیٰؒ ایک سڑک حادثہ میں انتقال فرما گئے۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

ملا تو حادثہ کچھ ایسا دل خراش ہوا
میں ٹوٹ ٹوٹ کے بکھرا وہ پاش پاش ہوا

محو حیرت ہوں کہ کس طرح اپنے تأثرات کا اظہار کروں:

اونچے سُروں میں ایک غزل گا رہا ہوں میں
گو درد کی کسک سے مرا دل ہے بے قرار
یوں ہی ڈبو کے درد کو گیتوں کے شور میں
ناخوشگوار کو میں بناتا ہوں خوشگوار

مولانا محمد مصطفیٰؒ کی اچانک موت سے قرب وجوار میں غم والم کا ایک ماحول چھا گیا، کرب وقلق کی وہ ٹیسیں جو حضرت مولانا حکیم محمد عرفان الحسینیؒ کی جدائی سے پیدا ہوئی تھیں ابھی صحیح طور پر ختم نہیں ہوئی تھیں، آہ اور کراہ کا وہ منظر ابھی تازہ ہی تھا، بوڑھے شجر کی جدائی پر رنج وغم کے سایے ابھی لہرا ہی رہے تھے کہ جوانوں نے بھی پرانوں کی راہ لینی شروع کردی، مولانا محمد مصطفیٰؒ بوڑھے نہیں تھے، زندگی کی امنگیں ابھی ان کی تقریروں سے جھلکتی تھیں، حالات اور معاشرہ کی اصلاح کیلئے اب اُن کا سینہ صحیح طور پر کھل پایا تھا، وعظ وتقریر کے میدان میں مقبولیت اور عوام وخواص کے درمیان مولانا کی محبوبیت اب شروع ہوئی تھی لیکن آہ!

کسی نے کاٹ دیا اک درخت جنگل سے
پھر اُس کے بعد بہت دیر تک ہوا نہ چلی

وہ وعظ وخطابت کے معاملہ میں اچھا ذوق رکھتے تھے، کسی بھی موضوع پر اطمینان بخش تقریر کر دینا ان کی خوبی تھی، علاقہ کے اکثر اجلاس اور پروگراموں میں ان کی شرکت یقینی تھی، سفر سے سفر کا نظام طے کر لیتے تھے، مغربی یوپی کے اکثر بڑے مدارس میں ان کی عزت اور عظمت تسلیم کی جاتی تھی کیونکہ وہ جس عظیم شخصیت کے بیٹے تھے وہ مستغنی عن التعارف ہیں، حضرت مولانا علامہ رفیق احمدؒ مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد، دارالعلوم (وقف) دیوبند اور مظاہر علوم وقف سہارنپور کے استاذ حدیث تھے، وہ جہاں جہاں پہنچے اپنی علمیت اور عظمت کا سکہ جما دیا، جس میدان میں پہنچے فتح کر لیا، جس شخص سے ملے دل موہ لیا، دشمنوں نے ان کی

عظمتوں کی قسمیں کھائیں، اپنوں نے ان کی راہوں میں پلکیں سجائیں، عوام نے انھیں اپنا سمجھا، خواص نے اپنی صف میں اونچے مقام پر بٹھایا، درس وتدریس کے باب میں لاثانی، وعظ وتقریر کے فن میں طاق، کردار وگفتار میں اپنی مثال آپ، اخلاق ومروت میں بے مثال اور گوناگوں صفات سے مرصع ومزین ان کی ذات گرامی کے گن آج بھی گائے جاتے ہیں، حضرت مولانا محمد مصطفیٰؒ ان ہی کے صاحب زادے تھے، انھیں باپ کا علم ازبر تھا، باپ کا نقش قدم ہی ان کی ترقیات کی معراج تھا، سادگی وملنساری، طبیعت کا بانکپن، اخلاص ومروت، ہمدردی وغمگساری ان کی نمایاں صفات تھیں، وہ **تخلقوا باخلاق اللّٰہ** کا پیکر دلنواز تھے، وہ **المؤمن غر کریم** کی عملی تصویر تھے، وہ اپنے بعد صدقہ جاریہ کے اتنے سامان فراہم کر گئے ہیں اور مساجد ومدارس، اصلاح وتربیت، وعظ وتذکیر کے علاوہ فرمان نبوی **اذا مات الانسان انقطع عملہ الامن ثلاث: صدقة جارية، اوعلم ينتفع به، اوولدصالح يدعو له** کے مطابق اپنے بعد جاری صدقوں، علم دین کے قلعوں اور نیک وصالح اولادوں کی شکل میں خاصا ذخیر چھوڑا ہے انہوں نے مدرسہ رفیقیہ مصباح العلوم اور دیگر دینی ورفاہی ادارے اور مساجد اور پانچ بیٹے تین بیٹیاں الحمدللہ یادگار چھوڑی ہیں۔

وہ وعظ وتقریر کے لئے ہمہ دم اور ہمہ وقت تیار بلکہ پابہ رکاب رہتے تھے، معاشرہ کی اصلاح کا فکر اور مسلمانوں میں غیر شرعی رسوم ورواج پران کا جی کڑھتا تھا، فرصت کے اوقات میں وہ عموماً اسی موضوع پر گفتگو کرتے تھے، نیک باتوں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے منع کرنا ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا گویا **ولتكن منكم امة يدعون الى الخيرويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر** پر عمل پیرا ہو کر انہوں نے اس فرض کی ادائیگی میں قابل تقلید وانقیاد عملی نمونہ چھوڑا ہے۔ اپنے ماتحتوں کا خیال رکھتے، ان کی ضرورتوں کی کفالت اپنا اخلاقی فرض تصور کرتے، رحم دلی، جذبہ خیر سگالی، مروت اور غم گساری میں کبھی پیچھے نہ رہتے، سچائی تو یہ ہے کہ وہ **اکسوھم کما تلبسون أطعموھم کما تطعمون** کے اصول پر کاربند رہنے کے لئے کوشاں اور پابندئ عہد کے باب میں **عدة المؤمن دين وعدة المؤمن كالآخذباليد** کو مدنظر رکھتے تھے۔

وعظ وتذکیر کے تعلق سے آپ کو بعض ناگزار دشوار راستوں، تنگ وتاریک گلیوں، پیادہ پا اور پر مشقت صعوبتوں سے بھی گزرنا پڑتا۔ منتظمین اجلاس کی خلاف مزاج باتوں پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے اور **الصبر من الايمان بمنزلة الروح من الجسد** کو اپنے دھیان وگیان میں بسائے سجائے اور

جمائے رکھتے تھے۔طلبہ کی بعض تکلیف دہ حرکتوں اور اساتذہ وملازمین کی بعض کوتاہیوں پر بھی وہ حدود سے تجاوز نہ فرماتے،غصہ کو ضبط فرماتے،قوانین کی پاسداری،شرعی گنجائش اور اخلاقی واصلاحی امور کو پیش نظر رکھ کر **ان اللّٰہ یحب الرفق فی الامر کلہ** پرعمل پیرا ہوتے۔

ایک عالم دین کو کن صفات سے مرصع اور کن خوبیوں سے مالا مال رہنا چاہیے،مولانا اس سے بھی واقف بھی تھے اوران صفات کو اپنی ذات کے اندر سمونے کی کوشش بھی کرتے تھے،اپنے والد کے حلقہ عصر میں مولانا نے ہمیشہ خود کو چھوٹا بنا کر پیش کیا،تواضع اور فروتنی،سادگی وشرافت،بڑوں کا احترام، چھوٹوں کے ساتھ شفقت ومحبت اور ہم عمر حضرات کے ساتھ انس وتعلق کا معاملہ رکھتے تھے وہ **البذاذۃ من الایمان** سے بھی واقف تھے اور **فاذا أتاک اللّٰہ مالاً فلیر اثر نعمۃ اللّٰہ علیک و کرامتہ** پرعمل پیرا بھی۔

الغرض جب تک ان کے والد حیات رہے،مولانا خود کو بچہ تصور کرتے رہے،والد کے ملنے والے ان کے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ بھی غایت ادب واحترام سے پیش آتے،دارالعلوم وقف دیوبند میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب اور صاحبزادگانِ محترم میرٹھ میں اپنے استاذ گرامی حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مدظلہ،جلال آباد میں حضرت مولانا صفی اللہ خانؒ اور مظاہر علوم (وقف) میں فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسین وغیرہ کا احترام کچھ ایسے کرتے تھے کہ چھوٹوں کو ان کے قابل تقلید کردار سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا تھا لیکن ان بڑے اور بزرگوں کے بعد مولانا خود ہی بڑے ہو گئے، بڑوں کی جوتیاں سیدھی کرنا ہی ان کی ترقی کا ذریعہ بن گیا۔ **کبرنی موت الکبراء** کی مجسم تصویر بن گئے،مسجد مدرسہ،وعظ وتذکیر،تقریر وبیان،اصلاح معاشرہ،اصلاح منکرات ان چیزوں سے مولانا نے خود کو کچھ اس طرح الجھا لیا تھا کہ یہی چیزیں ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن چکی تھیں،شب وروز کا مشغلہ اور صبح وشام کی مصروفیات،دین حق کی ترویج واشاعت رہ گیا تھا،شاید یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو اپنی زندگی کا نمونہ بنالیا تھا جو آپ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا **رحمہ اللّٰہ اباذر یمشی وحدۃ ویموت وحدۃ ویبعث وحدۃ**۔

جیسا کہ گذشتہ سطور میں لکھ چکا ہوں کہ مولانا بکثرت اسفار کرتے تھے وہ سفر سے دوسرے سفر کا نظام تیار کر لیتے تھے،جلسہ کے دوران دوسرے جلسہ کی تاریخ دے دیا کرتے تھے،نکاح وتقریر،سنتوں کا احیاء،امر بالمعروف،نہی عن المنکر ان چیزوں کے لئے مولانا نے اپنے آپ کو قربان کر دیا اور نوبت

یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کی صبح کہاں ہوگی پتہ نہیں، شام کہاں ہوگی معلوم نہیں، دو پہر کا کھانا ملے گا یا نہیں، رات کا کھانا کھاسکیں گے یا نہیں، ناشتہ میسر ہوسکتا ہے یا نہیں، کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا، کبھی کبھی دونوں کھانوں کو جمع کر لیتے تھے تو کبھی ان کے دو پہر کا کھانا ایسے وقت ہوتا تھا کہ خالی الذہن شخص رات پر محمول کرنے لگے اور رات کا کھانا کبھی ایسے وقت ملتا تھا کہ صبح ناشتہ کی ضرورت ہی ختم ہو جاتی تھی۔

کس کس کی نظر کو ہم دیکھیں ہم سب کی نظر میں رہتے ہیں
قسمت ہی کچھ ایسی پائی ہے ہروقت سفر میں رہتے ہیں

سفر ہی اُن کی منزل تھی، گاڑی ان کا گھر تھی، کم وقت میں زیادہ کام کرنے کا ذوق انھیں بے چین کئے رکھتا تھا، اپنے والد ماجدؒ کی طرح امت کا درد ان کے سینہ میں موج زن تھا، آرام، راحت، چین، سکون، فرصت ان چیزوں کا وہاں گزر نہیں تھا، وقت کے ضیاع کا تصور ہی فضول تھا، حضر میں ہوتے تو مدرسہ ان کی نظروں کے سامنے رہتا، سفر میں ہوتے تو عوام ان کی نظروں کے سامنے ہوتے، طلبہ کی تربیت اور عوام کی اصلاح کیلئے سود وزیاں کا احساس ختم کر چکے تھے ان کی اسی عادت اور طبیعت کے اسی بانکپن نے انھیں بہت جلد عوام وخواص میں مشہور و متعارف کرا دیا تھا۔

آپ علاقہ کے ایک گاؤں میں نکاح کی تقریب میں شرکت کے لئے پہنچے، وہاں سے فرصت پائی تو کسی جلسہ میں جانے کا پروگرام تھا، اپنی گاڑی تھی سوچ رہے تھے کہ جلد ہی منزل پر پہنچ جائیں گے لیکن ان کی منزل اللہ تعالیٰ نے کہیں اور کی طے کر رکھی تھی، مشہور کہاوت ہے ''حیلے روزی بہانے موت'' موت کو تو حیلہ چاہئے، سو وقت موعود آ پہنچا، معتبر لوگوں کے بیانات کے مطابق راستے کی خرابی ہی مولانا کی گاڑی کے ایکسیڈنٹ کا باعث بن گئی، گاڑی اچانک گڈھے میں گری، ڈرائیور سے گاڑی سنبھل نہ سکی، ایک تناور درخت سے ٹکرائی اور پھر کئی قلابازیوں کے بعد گہرے گڑھے میں جا گری اور مولانا اسی وقت انتقال کر گئے۔ **اناللّٰہ و اناالیہ راجعون۔**

اپنی مرضی سے کہاں اپنے سفر کے ہم ہیں
رخ ہواؤں کا جدھر کا ہے ادھر کے ہم ہیں

انتقال کی یہ خبر سن کر سکتہ سا طاری ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کتنے کریم ہیں اپنے بندوں پر، بندوں کی کون سی ادا اللہ کو پسند آ جائے اور بیڑہ پار ہو جائے کچھ نہیں کہا جا سکتا، حضرت مولانا محمد مصطفیٰ بھیسانویؒ کا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو پسند آیا ہوگا نہیں معلوم، البتہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت

دی ہے ایسے لوگوں کے متعلق ''شہید'' ہونے کی، لیجئے پوری روایت آپ بھی پڑھئے اور اس مردِ مومن کی اخروی سعادتوں کا نیک فال خود نکالئے:

الشہداء خمسة :المطعون والمبطون والغرق وصاحب الهدم والشهيدفی سبيل اللّٰہ۔

طاعون، پیٹ کی بیماری، پانی میں ڈوبنا، کسی چیز کے نیچے دب کر مرنا اور اللہ کے راستہ میں شہید ہونے والوں کو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش خبری سنادی ہے کہ ایسے لوگ اللہ کے رجسٹر میں ''شہید'' لکھے جاتے ہیں۔

بکھر رہے ہیں مری زندگی کے تمام ورق
نہ جانے کب کوئی آندھی اڑا کے لے جائے

حضرت مولانا محمد مصطفیٰؒ کا معاملہ کچھ ایسا ہی تھا، وہ اللہ کے نبی کی سنت (نکاح) کو زندہ کرنے کیلئے نکلے تھے، نکاح کے بعد امر بالمعروف، نہی عن المنکر جیسے فرض کی ادائیگی (وعظ وتقریر) کے لئے جارہے تھے، وہ اللہ کے راستہ میں نکلے ہوئے تھے اس لئے ان کی اس موت کو انشاء اللہ ''شہیدوں'' کے زمرہ میں شامل کر کے شہداء وصدیقین اور صالحین جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

میں کسی وطن کی تلاش میں یوں چلا تھا گھر سے
کہ اپنے گھر میں بھی اجنبی ہوگیا ہوں آکر
محبت سے فتح کرلیتے ہیں لوگوں کے دلوں کو
ہم ایسے سکندر ہیں جو لشکر نہیں رکھتے

حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ ناظم ومتولی مظاہرعلوم وقف سہارنپور نے اس حادثہ پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور فوری طور پر مولانا کے پسماندگان کے نام تعزیتی مکتوب لکھا، جس میں صبر وضبط کے ساتھ اس غم کو جھیلنے کی تلقین ونصیحت تحریر فرمائی، مولانا کے اخلاق واخلاص کا تذکرہ کیا، ان کی زندگی جو جہدِ مسلسل سے عبارت تھی اس کا اعتراف کیا اور پھر نماز جنازہ میں شرکت کا نظام طے کیا، حضرت ناظم صاحب مدظلہ کے ہمراہ راقم الحروف کے علاوہ جناب مولانا محمد راشدندوی، جناب مولانا احمد سعید مظاہری وغیرہ رات ۹ ربجے کے بعد مولانا کے وطن بھیسانی پہنچے، کیا بتاؤں اور کیا لکھوں کہ مجمع کی کیا حالت تھی، ہر آنکھ اشکبار، ہر قلب دلفگار، ہر شخص رنج والم کی تصویر حیرت اور ہر فرد مجسمہ حزن وغم نظر آیا۔

یہ اداس اداس سے بام ودر یہ اجاڑ اجاڑ سی رہ گزر

چلو ہم نہیں نہ سہی مگر سر کوئے یار کوئی تو ہو

چہار سو انسانی مجمع ،مسجد و مدرسہ، کشادہ سڑک ،عیدگاہ ہر جگہ انسانی سر ہی سر نظر آتے تھے، میں سوچ رہا تھا کہ مولانا: تم کتنے خوش نصیب ہو کہ تمہارے جنازے میں اتنی خلقت امڈ آئی ہے، سرکار دو عالم ﷺ نے ایسے شخص کی مغفرت کی بشارت دی ہے جس کی نماز جنازہ میں چالیس یا سو یا تین صفوں پر مشتمل نمازی شریک جنازہ ہو جائیں، یہاں تو ہزاروں کا مجمع ہے، جس میں اللہ کے خدا معلوم کتنے ولی اور برگزیدہ افراد موجود ہوں گے، کس کی دعا اپنا کام کر جائے گی، کس کے آنسو اللہ کے دربار میں مقبول ہو جائیں گے، کس کی آہیں اور کس کا سوز ساز کار آمد ہو جائے۔

دعائیں یاد کرادی گئی تھیں بچپن میں
سو زخم کھاتے رہے اور دعا دئے گئے

حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی مدظلہ (صاحب زادہ حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ) نے نماز جنازہ پڑھائی اور مدرسہ سے قریب مولانا موصوف کو ان کی ذاتی آراضی میں سپرد خاک کر دگیا۔

بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

انتقال کے بعد اگلے ہی دن راقم الحروف نے مولانا کو خواب میں دیکھا بمشکل تمام ۳۰ اور ۳۵ سال کے درمیان نظر آئے، ہنستا اور کھلکھلاتا ہوا چہرہ، چہرے پر ذرا ذرا سی ڈاڑھی: میں سوچ میں پڑ گیا کہ ان کی نماز جنازہ تو کل ہی پڑھی تھی پھر یہ زندہ کیسے ہیں، صبح کو بیدار ہوا تو وہ خواب ذہن میں گردش کر رہا تھا، ہاتف غیبی نے یاوری کی اور تعبیر خود بخود ذہن میں آگئی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جنتی لوگوں کی عمر ۳۳ سال ہوگی اور اُن کی شکل وصورت حضرت آدم علیہ السلام جیسی ہوگی۔

یا اللہ! تو مولانا کے ساتھ کرم کا معاملہ فرما! انھیں جنت الفردوس میں قرب خاص عطا فرما اور ان کے پسماندگان کی صبر جمیل کی توفیق عطا فرما۔



آہ! والد ماجدؒ

قلم کچھ اور لکھنا چاہتا ہے

ناصر الدین مظاہری

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آئینۂ مظاہر علوم کے ان صفحات میں راقم سطور کو سیکڑوں اکابر علماء واعیان امت کے شذرات سپرد قلم کرنے کی توفیق ملی ہے لیکن آج میں اپنی نمناک آنکھوں، لرزتے، کپکپاتے ہاتھوں اور غمناک دل کے ساتھ ایک ایسی ہستی کے بارے میں اپنی اڑی ترچھی لکیروں کے ذریعہ کچھ ایسی یادیں لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں جن میں میرے بچپن کی معصوم یادیں بھی ہوں گی، میرے دور طالب علمی کی جھلکیاں بھی ہوں گی، میری پرورش و پرداخت اور میری تعلیم وتربیت پر مشتمل اُس عظیم شخصیت کی دعاء نیم شبی اور آہ سحر گاہی بھی ہوگی، میری دینی اور دنیوی ترقیات کی آرزوئیں اور امیدیں اپنی پلکوں پر سجائے دست بہ دعا بھی: وہ ذات گرامی، جس کی بابت آج یہ سطور قلم بند کر رہا ہوں لکھتے ہوئے میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے، میری آنکھوں سے آنسو نکلنے کیلئے بے تاب و بے قرار ہیں، جی چاہتا ہے کہ اپنی اس حرماں نصیبی اور اپنے اِس زیاں اور نقصان پر پھوٹ پھوٹ کر روؤں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات اور نوحہ و ماتم پر شدید ممانعت مانع ہے۔

کسی کی یاد میں آنسو بہائے تھے نہ کبھی
میں آج کیوں مرے پروردگار روتا ہوں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی موت پر ارشاد فرمایا تھا **ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک یاابراھیم لمحزونون** آنکھیں رو رہی ہیں دل پریشان ہے اور ہم وہ باتیں کریں گے جن سے اللہ راضی ہوا ے ابراہیم! تری فرقت سے ہم غمزدہ ہیں۔

اے جوش الم کب تک گریہ! دل آج یہ ڈوبا جاتا ہے

موجیں ہیں کہ بڑھتی جاتی ہیں ،طوفاں ہے کہ اٹڈا آتا ہے

مشیت ایزدی کے آگے ہر کسی کو جھکنا ہے،موت کی لذت ہر کسی کو چکھنا ہے،زیرزمین سبھی کو جانا ہے، دنیااورعزیزواقارب سے منہ سبھی کومقررہ وقت پرموڑ کر جانا ہے ، یہ الٰہی قانون ہے جس سے سرموانحراف ناممکن ہے ،اس دنیامیں کوئی شخص نہ تواپنی مرضی سے آیاہے اورنہ اپنی مرضی سے جاتاہے، **کل نفس ذائقة الموت** ایک سچائی اور **کل من علیھافان** ایک حقیقت ہے،**الموت جسریوصل الحبیب الی الحبیب** ارشادنبوی ہےاور **ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل شئی عندہ لاجل مسمٰی فلتصبر ولتحتسب** ہمارے لئےتلقین وہدایت ہے۔

جس صفحہ پرذائقہ لکھامری تقدیرنے
اس صفحہ پرموت کابھی ذائقہ موجوہے

میری نگارشات،میری کاوشیں،میرے قلم،میرے طائرفکراورمیرے عزم وارادوں میں خاموش مہمیزلگانے والی ایک ذات گرامی ،جس نے انگلی پکڑکر چلنا سکھایا،جس نے بولنے کا سلیقہ دیا،جس نے میرے مستقبل کوروشن اورتابناک بنانے میں اپنا خون اور پسینہ بہاکرخوشی محسوس کی،جس نے میری زندگی کے ہرموڑاورموقع پردعاؤں سےنوازا،جس نے میری خوشی کواپنی خوشی اورمیرے غم کواپناغم سمجھ کر ڈھارس بندھائی،جس نے میرےشعورکودینی تعلیمی اورروحانی ڈگرکاخوگربنانے میں عدیم النظیر کارنامہ انجام دیا،وہ ہیں میرے مشفق ومربی حضرت والد ماجدؒ: جنہوں نے میری تمام معیاری وغیر معیاری نگارشات پرکھل کرحوصلہ افزائی فرمائی،جنہوں نے میرے مضامین کومشفق باپ اورکریم استاذ کی طرح باربارپڑھ کردادوتحسین کے ایسے بلندوبالاالفاظ اپنی زبان مبارک سے ادافرمائے جن کودہرانے سے میراقلم عاجزاورمیراضمیرمانع ہے۔

افسوس! کہ ۸؍جنوری ۲۰۱۲ء کی صبح تقریباً آٹھ بجے کم وبیش دوماہ علالت کے بعدکلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے مولائے حقیقی سے جاملے۔**اناللّٰہ واناالیہ راجعون**

میرے والد ماجدکانام نامی نظام الدین تھا،آپ نے بدعت زدہ علاقہ لکھیم پورکھیری کے ظلمت کدہ ’’مرزاپور‘‘ میں تقریباً ۸۰؍سال پہلے آنکھیں کھولیں،اس وقت پوراعلاقہ کفروضلالت اور بدعت وگمراہی کی لپیٹ میں تھا،خودآپ کے آباء واجدادبدعت کے ہرموقع پرنام ونمودکافخریہ اظہاراورتعزیہ داری

کا مکمل اہتمام کرتے تھے، ماحول کے اثرات سے آپ بھی محفوظ نہ رہے اور آپ نے بھی اپنی نوجوانی میں ان بدعات ورسومات میں خوب خوب حصہ لیا......اسی زمانہ میں علاقہ میں مولوی محمد رضا نامی ایک بزرگ کو اللہ تعالیٰ نے علماء دیوبند کی صحبت میں بیٹھنے سے دینی فہم عطا کیا اور انہوں نے بدعت وضلالت کے اس ظلمت کدہ کو رشد وہدایت کے آفتاب عالم تاب سے روشن کرنے کی کوششیں شروع کیں۔

دھیرے دھیرے بدعت کے بادل چھٹنے لگے اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس خاندان کو ان بدعات سے تائب ہونے کی توفیق بخشی اس میں میرے والد ماجد کا خانوادہؒ بھی تھا۔

آپ کے زمانہ میں سیکڑوں کلومیٹر تک کہیں بھی کوئی دینی مدرسہ نہ تھا اور نہ ہی آج کل کی طرح پختہ سڑکیں تھیں، نہ ہی نقل وحمل کے اسباب وذرائع تھے اور نہ ہی آمد ورفت کی سہولتیں مہیا تھیں، نہ تو طلبہ تھے اور نہ ہی اساتذہ، نہ ہی کتابیں، ایسے وقت میں مولوی محمد رضا صاحبؒ نے للہ فی اللہ جن نوجوانوں کو دینی تعلیم کی طرف راغب کیا ان میں میرے والد ماجدؒ کا نام نامی اسم گرامی بھی شامل ہے۔

مولوی محمد رضاؒ اپنے وقت کے ولی اور علاقہ کے پہلے ہر دلعزیز بزرگ تھے، اور اپنی گھوڑی پر بیٹھ کر قرب وجوار میں جا جا کر مسلمانوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے، اس کی پاداش میں انھیں زدوکوب بھی کیا گیا، لہولہان بھی ہوئے اور ہر طرح کی سختیاں بھی برداشت کیں اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ ان ہی کی محنتوں کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ آج خود ان کے گاؤں میں پچاس سے زائد علما اور حفاظ دین اسلام کا نام روشن کر رہے ہیں۔

میرے والد ماجدؒ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے البتہ علماء کی صحبتوں میں بیٹھنے کی برکت تھی کہ انھیں سیکڑوں آیات اور مسنون دعائیں یاد تھیں، کس موقع پر کون سی آیت اور دعا پڑھی جائے گی اس کا ملکہ حاصل تھا، شاعر نہیں تھے لیکن شعر سن کر بتا دیتے تھے کہ یہ شعر صحیح ہے یا غلط، حالانکہ خود اس کی تصحیح پر قادر نہیں تھے، آپ کی اردو دانی بھی بالکل ابتدائی تھی اسی لئے بارہا مجھے تاکیداً فرمایا کرتے کہ تمہاری تحریروں میں مشکل الفاظ میری سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں۔

صرف صغیر اور صرف کبیر کی گردانیں احقر نے والد صاحبؒ ہی سے سن سن کر اس وقت یاد کر لی تھیں جب ناظرہ پڑھنا شروع کیا تھا، والد صاحبؒ کو دینی تعلیم سے نہایت دلچسپی تھی اور انگریزی تعلیم سے شاید بیر تھا اسی وجہ سے اپنی کسی بھی اولاد کو نہ تو انگریزی پڑھنے کی طرف راغب کیا اور نہ ہی کبھی اسکولوں

میں داخل کرانے کی کوشش کی۔

چندہ دینے اور خیر کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے،کبھی بھی کسی مدرسہ کے سفیر کو مایوس نہیں کیا اور ہمیشہ چندہ دے کر خوشی کا اظہار فرماتے تھے اور کبھی کبھی فرط مسرت میں فرماتے کہ چندہ کے نام سے جو بھی رقم یا غلہ دیا جاتا ہے وہی اصل ذخیرہ ہے۔

مساجد کے سنگ بنیاد کے موقع پر قبلہ کا رخ اور صحیح سمت کیا ہوگی؟ اس کا بھی ملکہ تھا اور قرب وجوار میں متعدد مساجد کے سنگ بنیاد کے موقع پر تشریف لے جاتے تھے۔

تا حیات گاؤں کی مسجد کے متولی رہے لیکن کبھی بھی کسی کو شکوہ کا موقع نہ دیا،آپ کی امانت داری علاقہ میں مشہور تھی،متعدد لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس اتنی رازداری کے ساتھ جمع رہتی تھیں کہ گھر والوں کو بھی پتہ نہ چلتا تھا۔

آپ کا کاروبار زراعت تھا اور اس فن میں بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی مہارت عطا فرمائی تھی،پورے گاؤں کے لوگ بلا تفریق مذہب وملت آپ کا ادب واحترام کرتے اور آپ کے مفید مشوروں سے فائدہ اٹھاتے تھے،مشورہ دینے میں بھی والد صاحب بے مثال تھے،خود میں نے دیکھا کہ آپ کے حاسدین اور معاندین بھی بوقت ضرورت آپ کے پاس پہنچتے اور مشورہ کے خواہاں ہوتے اور والد صاحبؒ المستشار مؤتمن کے مدنظر صحیح اور بہتر مشورہ سے نوازتے۔

اختلاف کرنے کی عادت نہیں تھی،جب اور جہاں مناسب سمجھتے مشورہ دیدیتے،آگے اپنی رائے کے تسلیم کر لینے پر اصرار کبھی نہیں کرتے تھے۔

آپ کی زندگی کا سب سے اہم پہلو آپ کا اخلاق حسنہ تھا،چھوٹا ہو یا بڑا،ہر شخص سے آپ غایت شفقت سے گفتگو فرماتے تھے،بات کو طول دینا یا خود رائی کا شکار ہونا معیوب تصور فرماتے تھے اسی لئے آپ کو عجب اور گھمنڈ والے لوگ پسند نہیں تھے،سلام میں پہل آپ کی عادت تھی،ملنساری اور تواضع آپ کی فطرت تھی،خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کرنا آپ کی طبیعت ثانیہ اور جھگڑے کی جگہوں سے دور رہنا آپ کی نصیحت تھی،پوری زندگی میں کبھی کسی کو سخت اور سست نہیں کہا،دشمنوں کی ہدایت کی دعا کرتے اور ہم لوگوں کو ہمیشہ ایک نصیحت فرماتے کہ

''دشمنوں سے مقابلہ مت کرو،اگر تمہارا دشمن کوئی بھی ناجائز کام کر رہا ہے تو اس کو پہلے تو سمجھاؤ

اور بعد میں پورا معاملہ اللہ کے سپرد کر دد، صبر سے کام لو کیونکہ میں نے صبر سے زیادہ آنچ کسی چیز میں نہیں دیکھی، مجھے اللہ تعالیٰ نے جو عزت بخشی ہے اس میں بھی اسی صبر کو دخل ہے کیونکہ میں نے کبھی بھی پیمانۂ صبر کو لبریز نہیں ہونے دیا ہے جس کا نتیجہ تم لوگ دیکھ رہے ہو"۔

کبھی بھی کسی سے ہاتھا پائی کی نوبت نہیں آئی اور نہ ہی اس مزاج کے لوگوں کو پسند کیا، ہمیشہ ایسے جھگڑالو لوگوں سے دور رہنے کی نصیحت فرماتے اور کہتے کہ جھگڑالو لوگ بہت جلد معاشرہ میں اپنا وقار کھو دیتے ہیں۔

والد ماجدؒ قرب وجوار میں فیصلوں اور میٹنگوں میں بھی بلائے جاتے اور آپ کی رائے ہی حرف آخر اور آپ کا قول ہی قول فیصل ہوتا۔

آپ حکیم تو نہیں تھے لیکن جڑی بوٹیوں اوران کے خواص کا اچھا خاصا علم رکھتے تھے، کس مرض میں کون سی جڑی بوٹی مفید رہے گی اس کا علم رکھتے تھے، یہی وجہ سے کہ قرب وجوار کے ہندو اور مسلمان سبھی اس سلسلہ میں بھی مشورہ کے لئے آتے رہتے تھے۔

آپ اپنی تمام اولاد کو زیور علم سے آراستہ کرنے کا خواب دیکھتے رہے اوراس سلسلہ میں ممکنہ کوششیں بھی فرمائیں لیکن باضابطہ اور باقاعدہ فراغت اور فضیلت کے مقام تک پہنچنے کی سعادت راقم الحروف کے حصہ میں آئی ،میرے والد صاحبؒ نے بڑی عسرت اور تنگدستی میں مجھے تعلیم دلوائی، کبھی کبھی سہارنپور آتے وقت اگر نقد رقم نہ ہوتی تو فوراً غلہ فروخت کر کے روپوں کا نظم فرماتے۔

۱۹۸۹ء میں مدرسہ امداد العلوم زید پور میں میرا داخلہ کروانے کے لئے بہ نفس نفیس تشریف لے گئے، اس وقت احقر صرف گیارہ سال کا تھا، والد صاحب جب واپس گھر جانے لگے تو میں رو پڑا، والد صاحب ؒ نے اپنے چہرے پر بشاشت طاری کر کے میری ہمت بندھائی اور فرمایا کہ دو ماہ کی بات ہے قربانی میں تعطیل ہوگی تو گھر آ جاؤ گے، یہ کہتے کہتے خود والد صاحب کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

کیا بتاؤں اور کیسے بتاؤں کہ اس وقت میرے والد صاحبؒ نے کتنی مشقتیں میری تعلیم کی خاطر برداشت کیں، میرے گاؤں سے تقریباً ۱۵ رکلومیٹر کے فاصلہ پر "سسیا چوراہا" نامی ایک جگہ ہے جہاں سے بسیں ملتی تھیں، والد صاحبؒ مجھے اپنی سائیکل کے اگلے حصے پر بٹھا لیتے اور سائیکل کے پچھلے حصہ پر میرا صندوق رکھ لیتے (اس وقت اچھا بیگ یا معیاری سوٹ کیس کا خریدنا میرے تصور سے بالاتر تھا)

اوراس طرح والد صاحب ہر بار ۱۵ رکلومیٹر کا یہ سفر سائیکل سے طے فرماتے۔

آپ صوم وصلوۃ اور اوراد وظائف کے تو پابند تھے ہی فجر کے بعد تلاوت قرآن کا معمول میں نے زندگی بھر دیکھا اور اس معمول میں کوئی بھی خانگی یا خارجی پروگرام کبھی بھی حائل نہ ہوا، اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر کا معمول بعد نماز عصر تا مغرب کم وبیش بیس سال سے تھا، آپ کے ہم عمر اور حضرت مولوی محمد رضاؒ کے صاحب زادے محترم مولوی ضیاء اللہ صاحب مدظلہ ایک دن بعد نماز ظہر مسجد ہی میں والد صاحبؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے رونے لگے اور پھر فرمایا کہ میری بینائی کمزور ہے اس لئے تمہارے والد صاحب عصر کے بعد پہلے تو قرآن کریم کی آیت پڑھتے پھر ترجمہ شیخ الہندؒ پڑھ کر سناتے اور پھر اس کی تفسیر اور تشریح جو اس کے حاشیہ میں ہے سناتے، اس طرح ہم دونوں نے مکمل قرآن اس کے ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ بالاستیعاب تین بار ختم کیا ہے۔

میں جب بھی وطن سے مظاہر علوم آتا تو والد صاحبؒ خندہ پیشانی سے الوداع کہتے، والدہ سے بھی کہہ رکھا تھا کہ جاتے وقت اپنی آنکھوں میں آنسو مت آنے دینا، اسی طرح میرے سفر کے دوران مسلسل دعا فرماتے کہ سفر بخیر وخوبی مکمل ہو، تاکید بھی فرماتے کہ پہنچتے ہی فون پر مطلع کرنا۔

سادگی کا یہ عالم تھا کہ تقریباً ۱۵ ر سال سے گھر میں فون ہونے کے باوجود کبھی بھی از خود فون نمبر نہیں ملا پاتے تھے۔ آپ کا لباس، بود و باش اور کھانا پینا سب کچھ سادگی سے عبارت تھا۔

ایک نصیحت خاص کر مجھے فرماتے تھے کہ

> ''کوشش یہ کرنا کہ مدرسہ تمہیں اپنے لئے بار محسوس نہ کرے اور تم مدرسہ کی جو بھی خدمت کرو اس کا صلہ دنیا میں پانے کی کوشش مت کرنا، مدرسہ کے مال کو مال غنیمت مت سمجھنا اور ذاتی ضروریات کے لئے مدرسہ کو کبھی بھی زیر بار مت کرنا اور کوئی بھی کام جس سے مدرسہ کے وقار پر حرف آتا ہو مت کرنا''۔

آپ بڑے دور اندیش تھے، فراست ایمانی سے مالا مال تھے، انسان کا چہرہ دیکھ کر محسوس کر لیتے تھے کہ یہ شخص طبیعت کا کیسا ہوگا، بہت جلد بات کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے، معاملات کو سلجھانا جانتے تھے، ہمیشہ کوشش فرماتے کہ نزاعی کیفیت رونما نہ ہو۔

آپ کی ایک عادت دوسروں کے کام آنے کی تھی، اس صفت نے آپ کو مقبول کر دیا تھا لیکن ایک دفعہ

ایک ایسا واقعہ ہوا کہ کسی کے کام آنے کا مزاج ذرا سا بدلنا پڑا، ہوا یہ کہ میرے ہی گاؤں میں کچھ لوگوں کا کاروبار کسی دوسرے گاؤں کے لوگوں سے تھا، آپس میں بات بگڑ گئی تو صلح ومصالحت کے لئے والد صاحب کو بلایا گیا، معاملہ ۱۱ر ہزار روپے پر طے ہو گیا کہ میرے گاؤں والے لوگ ۱۱ر ہزار روپے دوسرے گاؤں کے لوگوں کو دیں تو معاملہ صاف ہوسکتا ہے، ان لوگوں نے یہ رقم دینے کے لئے مہلت مانگی، طے ہوا کہ اگر کوئی ضمانت لے لے تو مہلت دی جاسکتی ہے، میرے والد صاحب دیندار اور سادہ انسان تھے، خود ہی ضامن ہو گئے، جن لوگوں کی ضمانت لی تھی ان لوگوں نے رقم دینے سے منع کر دیا، دوسری پارٹی نے میرے بڑے بھائی کو یرغمال بنالیا، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ والد صاحب نے اپنی جیب سے گیارہ ہزار روپے دئے تب معاملہ ختم ہوا۔ اس واقعہ کے بعد والد صاحب کبھی کسی کی ضمانت نہیں لیتے تھے اور اپنی مجلسوں میں دوسروں کو منع بھی کرتے تھے۔

شکار کھیلنا آپ کا خصوصی ذوق تھا چاہے مچھلیوں کا شکار ہو یا چڑیوں کا، چاہے نیل گائے کا شکار ہو یا ہرن کا اس سلسلہ میں جب بھی شکار کی نوبت آتی تو بڑھاپے کے باوجود جوانوں کا سا عزم اور جوش نظر آتا۔

''خفقان قلب'' جو ایک مرض ہے شروع ہی سے آپ اس کا شکار رہے، انتقال سے تقریباً دو ماہ پہلے کمزوری بڑھ گئی اور پھر چلنے پھرنے سے ہی معذور ہو گئے لیکن آپ کا دل، آپ کی زبان، آپ کا دماغ اور آپ کی آنکھیں اخیر لمحہ تک پورے طور پر کام کرتی رہیں۔

کبھی اپنے پوتے حافظ محمد لئیق سلمہ کو بلاتے اور حکم دیتے کہ یسین شریف پڑھ کر سناؤ، کبھی اپنی پوتیوں کو بلاتے اور یسین شریف پڑھنے کا حکم دیتے، فارغ وقت میں خود ہی ہمہ وقت کلمہ طیبہ اور دعاؤں کا ورد رکھتے، اخیر عمر میں کوئی بیماری نہیں تھی، نہ ہی کوئی تکلیف تھی محض کمزوری تھی، آپ کی آخری تمنا جو پوری نہ ہوسکی یہ تھی کہ میں کچھ دن اور مسجد میں جانے کے لائق ہو جاؤں!

انتقال سے تقریباً تین ہفتہ پہلے غنودگی کے عالم میں آپ نیکچھ ہرے بھرے خوبصورت لہلہاتے ہوتے باغات دیکھے جس میں طرح طرح کے پھل اور پھول نظر آرہے تھے پھر آنکھ کھل گئی، میری بہن آپ کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں، والد صاحب انھیں دیکھ کر رونے لگے، بہن بھی ابا جی کو روتا دیکھ کر رونے لگی، تو فرمایا کہ ابھی ابھی میں نے خواب میں خوبصورت باغات دیکھے ہیں جس میں طرح طرح کے پھل اور پھول ہیں، اور میرے سامنے جو دیوار ہے اس پر خوبصورت نقش ونگار بنے ہوئے ہیں، اِس سے اندازہ

ہوتا ہے کہ اب زیادہ دن کی زندگی نہیں ہے۔

کلمۂ طیبہ کا ورد تو مستقل تھا لیکن جوں جوں وقت موعود قریب آتا جارہا تھا، اس میں اور کثرت ہوتی جارہی تھی، آپ بلا کسی کی تلقین وہدایت کے خود ہی کلمۂ طیبہ پڑھتے رہے اور دعا کرتے رہے کہ یا اللہ! میری اولاد کو ظالموں کے ظلم سے محفوظ رکھنا، انھیں رزق حلال عطا فرما!

انتقال سے چند ساعت قبل پانی پیش کیا گیا تو پینے سے منع فرمادیا لیکن جب بہن نے بتلایا کہ یہ زمزم کا پانی ہے تو فوراً پانی پینے کے لئے تیار ہوگئے اور منہ کھول دیا، پانی پلایا جانے لگا، ایک صاحب سرہانے سورۂ یٰسین شریف پڑھنے لگے، اِدھر پانی کا سلسلہ ختم ہوا، اُدھر سورۂ یٰسین مکمل ہوئی اور والد صاحبؒ نے پھر کلمہ پڑھا اور صبح آٹھ بجے کے بعد روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

نفس نفس خوشی خوشی گذارتے چلے گئے
ترے مریض غم تجھے پکارتے چلے گئے

انتقال کی خبر ملتے ہی احقر سہارنپور سے گھر کے لئے روانہ ہوا لیکن سردیوں میں ہندوستانی گاڑیوں کی غیر معمولی تاخیر کو دیکھتے ہوئے احقر نے فون پر اطلاع کردی کی نماز جنازہ میں تاخیر نہ کی جائے چنانچہ بعد نماز ظہر میرے استاذ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن مفتاحی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور گاؤں ہی کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

جی چاہتا ہے خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تونے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے؟

رحلت کی اطلاع ملتے ہی موقر ومعتبر علماء، علاقہ کی بعض معزز سیاسی وسماجی شخصیات اور ہمدردان نماز جنازہ میں شرکت کیلئے پہنچنے لگے، عینی شاہدین کے مطابق اُس علاقہ میں اتنا کثیر مجمع کسی اور کے جنازہ میں نظر نہیں آیا۔

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

مجلس احرار اسلام لدھیانہ کو کسی ذرائع سے اس حادثہ کی اطلاع مل گئی اور انہوں نے انٹرنیٹ کے ذریعہ اپنے ہزاروں متعلقین کو چشم زدن میں اطلاع دیدی اور پھر پورے ہندستان سے فون پر تعزیت

کا سلسلہ شروع ہوگیا،سب سے پہلے میرے مشفق وکرم فرما حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ نے فون پر تعزیت مسنونہ پیش فرمائی پھر راقم الحروف کے غریب خانہ تعزیتی مکتوب بھی ارسال فرمایا۔

جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری مدظلہ ،،مرکزی جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری مولانا محمد عزیر قاسمی مدظلہ، مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ کے مہتمم مولانا مفتی محمد خالد سیف اللہ قاسمی ،جمعیۃ شاہ ولی اللہ پھلت ،دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم (وقف) دیوبند، جامعہ امام محمد انور دیوبند، الجامعۃ الانور دیوبند، دارالکتاب دیوبند وغیرہ کے ذمہ داران نیز دہلی ،مرادآباد، پانی پت ،لدھیانہ، بمبئی، حیدرآباد، بہار، بنگال، ہریانہ، ادھم سنگھ نگر، رامپور، سہارنپور، میرٹھ، لکھیم پور، سیتاپور، ہریدوار، دہرہ دون، گنگوہ، شاملی، مظفرنگر، بارہ بنکی، بیگوسرائے وغیرہ سیکڑوں شہروں سے میرے متعلقین اور کرم فرماؤں نے فون پر تعزیت کی۔

بعض اخبارات بالخصوص، روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' دہلی، بمبئی لکھنؤ، پٹنہ، حیدرآباد، بنگلور، روزنامہ ''ہندوستان ایکسپریس'' دہلی، روزنامہ ''ہمارا سماج'' دہلی، روزنامہ صحافت دہلی، روزنامہ اعلان رام پور، روزنامہ انقلاب بمبئی ومیرٹھ، اخبار مشرق دہلی وکلکتہ وغیرہ نے اس حادثہ کی خبریں شائع کیں جس کی وجہ سے سیکڑوں دینی مدارس میں ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کا اہتمام ہوا جس کی اطلاعات اب تک مل رہی ہیں۔اسی طرح بعض اہم سیاسی، سماجی اور سرکردہ شخصیات نے تعزیت مسنونہ پیش کی۔

اللہ تعالیٰ تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔قارئین کرام سے التجا ہے کہ والد صاحب کیلئے ایصال ثواب اور ترقی درجات کی دعا فرمائیں۔



قلم کچھ اور لکھنا چاہتا ہے
مگر کاغذ ہی بھیگا جارہا ہے

حضرت مولانا ابوبکر غازی پوریؒ

مولانا محمد اعجاز صاحب اعظمی

ولادت: ۱۷ر شوال ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۵ر مارچ ۱۹۴۵ء

وفات: ۱۵ر ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ مطابق ۸ر فروری ۲۰۱۲ء

شوال ۱۳۹۱ھ کی آخری تاریخیں تھیں، ایک طالب علم جو مدرسوں کی اصطلاحی طالب علمی سے ابھی ایک سال قبل فارغ ہوا تھا، تدریس وملازمت کی گرانبار ذمہ داریوں کے ساتھ کارزار زندگی میں پہلا قدم رکھنے کیلئے اپنے ایک استاذ کا مکتوب لے کر مدرسہ دینیہ غازی پور کی مختصر سی چار دیواری میں داخل ہو رہا تھا، وہاں اس کی ملاقات ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک نوجوان مختصر قامت کے مدرس سے ہوئی، باہم تعارف ہوا، دونوں ایک دوسرے کے نام سے آشنا نکلے، بڑی محبت سے ملے، ایک طرف سے نیاز مندی اور خوردانہ سعادت مندی کی پیش کش تھی دوسری طرف سے بزرگانہ او رسرپرستانہ شفقت اور مہربانی۔

آنے والا ان سطور کا راقم تھا اور جن کی خدمت میں وہ نیاز مندی کا نذرانہ پیش کررہا تھا وہ اس سے چار سال پیشتر کے دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کر کے اب معلّمی ومدرسی کی مسند پر مولانا محمد ابوبکر غازی پوری تھے۔(رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً)۔

اس وقت مقدر نہ تھا کہ میں مدرسہ دینیہ میں تدریس کے عمل میں شریک ہوتا لیکن مولانا محمد ابوبکر صاحب سے تعلقات کی بنیاد پڑ گئی، میں نے ابتدائی تعلیم متوسطات تک جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں حاصل کی ہے، میں جب وہاں حاضر ہوا تو مولانا تعلیم کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند جا چکے تھے، مگر

وہاں کے پرانے طلبہ کی زبانوں پر ابوبکر غازی پوری کی ذکاوت وذہانت اوران کی محنت وجاں سوزی کا تذکرہ تھا، بعض اساتذہ کی زبان سے بھی ان کا ذکر سنا تھا، طالب علموں کے ہجوم میں کسی طالب علم کے ذکر کا اس کے بعد باقی رہ جانا، اس طالب علم کی نمایاں استعداد وصلاحیت کا نشان ہے، مدرسہ دینیہ میں پہلی ملاقات ہوئی تو احیاء العلوم کا وہ گوشہ ماحول میں نگاہوں میں آ گیا، دیر تک ان سے باتیں ہوتی رہیں اور باتیں تو اب یاد نہیں مگر اتنا یاد ہے کہ وہ مجھ سے مضامین کی تحریر وتصنیف کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور میں اس موضوع پر اپنے صفر ہونے کی خبر دے رہا تھا اور اسے مشکل کام سمجھ رہا تھا تو وہ ترغیب دے رہے تھے ،اس کی افادیت بتا رہے تھے ، اسے آسان قرار دے رہے تھے ، پھر اس کا طریقہ سمجھا رہے تھے مگر میں اس وقت کسی اور حال میں گم تھا، اتنا سمجھ سکا کہ تصنیف وتالیف اور مضمون نگاری کا جوہر مولانا کے اندر بخوبی موجود ہے۔

پھر ایک عرصہ تک مولانا سے ملاقات نہیں ہوئی ،تین سال کے بعد جب مدرسہ دینیہ میں باضابطہ مدرس ہوا تو مولانا وہاں سے ہندوستان کی ایک بڑی اور قدیم درسگاہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل جا چکے تھے اور وہاں کے ممتاز اساتذہ میں شمار ہوتے تھے ،خصوصاً عربی زبان میں تحریر وتقریر اور اس کی مشق وتمرین میں انہیں نمایاں مقام حاصل تھا،تعطیلات میں غازی پور تشریف لاتے تو ملاقاتیں ہوتیں۔

مولانا ابوبکر صاحب کے والد محترم مولوی مولیٰ بخش انصاری علیہ الرحمہ مدرسہ دینیہ کے بنیادی ارکان میں تھے ،صرف رکن ہی نہیں بلکہ وہ مدرسہ کے لئے فنا تھے مدرسہ کے لئے ،اس کے ہر کام کے لئے وہ ہمہ وقت تیار رہتے تھے وہ روزانہ مدرسہ میں تشریف لاتے ،مدرسہ کے ہر چھوٹے بڑے انتظام میں دلچسپی لیتے ،مشورے دیتے ،ضروریات پر متعلق حضرات کو متوجہ کرتے ،وہ تھے تو بوڑھے مگر ہمت وحوصلہ،چستی ونشاط میں جوانوں سے بڑھ کر تھے ،مولانا ابوبکر صاحب کا ذکر ان سے اکثر سنتا وہ ڈابھیل تو ضرور چلے گئے تھے مگر مدرسہ سے ان کی دلچسپی میں کمی نہ تھی، تعلق برقرار تھا۔

مولانا ابوبکر صاحب نے ابتدائی تعلیم مدرسہ دینیہ میں ہی حاصل کی ، حفظ قرآن کی دولت انہوں نے اسی مدرسہ میں حاصل کی ، ان کے استاذ حافظ محمد الیاس صاحب مدظلہ غازی پور کے جید اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں، عرصۂ دراز تک انہوں نے مدرسہ دینیہ میں تحفیظ قرآن کریم کی خدمت انجام دی ہے۔

مولانا ابوبکر صاحب نے ابتدائی تعلیم مدرسہ دینیہ میں ہی حاصل کی ، حفظ قرآن کی دولت انہوں

نے اسی مدرسے میں حاصل کی ، ان کے استاذ حافظ محمد الیاس صاحب مدظلہ کے جید اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں، عرصہ دراز تک انہوں نے مدرسہ دینیہ میں تحفیظ قرآن کریم کی خدمت انجام دی ہے۔

حفظ قرآن سے فارغ ہوئے تو عربی کی تعلیم کے لئے ان کے والد گرامی انہیں ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ مبارک پور جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں لے گئے جو اس وقت علم وتربیت کی عمدگی میں دور نزدیک خاص شہرت رکھتا تھا، وہ دور مولانا ابوبکر صاحب کے گھرانے میں غربت اور تنگدستی کا تھا لیکن والد گرامی کی عزیمت تھی اور مولانا کا شوق علم تھا کہ گھر سے دور مبارک پور میں انہیں پہنچادیا تھا مولانا کبھی کبھی تذکرہ کرتے تھے کہ والد صاحبؒ زمانۂ تعلیم میں انہیں مدرسہ سے گھر آنے کی اجازت نہ دیتے بلکہ جب کبھی ضرورت ہوتی تو بیٹے کی تعلیم کا حرج نہ ہو اس اہتمام میں وہ اپنا حرج کر کے مبارک پور چلے جاتے، اس وقت سواریوں کی وہ سہولت نہ تھی جو آج حاصل ہے، غازی پور سے مئو جانا ہوتا، مئو سے سواری کا نظم سٹھیاؤں تک تھا، سٹھیاؤں ریلوے اسٹیشن ہے، جس سے مبارک پور کا فاصلہ ۵ رکلومیٹر ہے اور یہ راستہ پیدل کا تھا یا سواری زیادہ سے سائیکل یا تانگے کی تھی جسے ہمارے یہاں ''اکّہ'' کہا جاتا ہے، اس وقت کرایہ بھی بہت کم تھا، مئو سے مبارک پور صرف ۷۵ ر پیسے کا خرچ تھا اور تقریباً اتنا ہی غازی پور سے مئو کا بھی کرایہ تھا مگر غربت کی یہ کیفیت تھی کہ یہ صرفہ بھی بارگراں تھا، والد گرامی کی عزیمت کا حال یہ تھا کہ مئو تک تو کسی سواری سے آجاتے تھے مگر وہاں مبارک پور جانے کے لئے کوئی سائیکل حاصل کر لیتے یا گھر ہی سے بس پر سائیکل لاد کر لاتے اور اسی سائیکل سے چالیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے مبارک پور پہنچتے اور جو پیسے اس طریق عمل سے بچتے وہ بیٹے کی ضروریات میں کام آتے۔

احیاء العلوم کے بعد ایک سال مولانا نے جامعہ مفتاح العلوم مئو میں تعلیم حاصل کی ، وہیں سے وہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے ۔۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں حضرت مولانا سید فخرالدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے بخاری شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ اس وقت دارالعلوم میں عربی انشاء وتمرین کیلئے مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ نے دارالعلوم دیوبند میں ایک نیا رنگ پیدا کر رکھا تھا، ذہین وذکی طلبہ ان کی خدمت میں رہ کر بے تکلف عربی بولنے اور لکھنے کی مشق کر رہے تھے اور دارالعلوم میں عربی تحریر وتقریر کے ایک جدید دور کا آغاز ہو رہا تھا، دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد مولانا ابوبکر صاحب یکسوئی سے نہایت ذوق وشوق کے ساتھ مولانا کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوئے اور بڑی برق رفتاری سے ترقی کی منزلیں طے

کرنے لگے، ایک سال میں انہیں مادری زبان کی طرح عربی بولنے اور لکھنے کی قدرت ہوگئی، جن طلبہ نے دارالعلوم دیوبند کے بڑے ماحول میں اور خصوصاً اپنے استاذ مولانا وحید الزماں صاحب کی نگاہ میں خاص وقعت حاصل کی، ان میں مولانا ابوبکر صاحب نمایاں ترین تھے۔

دارالعلوم سے سند فضیلت حاصل کرنے اور تکمیل ادب کر لینے کے بعد مولانا نے کچھ دنوں بیت العلوم مالیگاؤں میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر اپنی مادر علمی مدرسہ دینیہ غازی پور تشریف لائے، یہاں بھی قیام کا وقفہ کم ہی رہا پھر ان کے اساتذہ نے انہیں ملک کی مشہور و معروف درسگاہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات میں مامور فرمایا۔ وہاں مولانا کی کارکردگی کے جوہر کھلے، عربی وانشاء سے خصوصی مناسبت تھی اس مضمون میں مدرسہ کے ماحول میں ایک نئی روح دوڑا دی، جن دنوں وہ ڈابھیل میں استاذ تھے، جامع ازہر مصر کے شیخ اکبر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود ہندوستان تشریف لائے تھے، ڈابھیل کی دعوت پر وہاں بھی تشریف لے گئے، ان کی ترجمانی اور ان سے عربی میں گفتگو کی خدمت مولانا ابوبکر صاحب نے انجام دی تھی اور شیخ الازہر ان کی بے تکلف عربی زبان پر قدرت سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

ڈابھیل کے دوران قیام مولانا نے عربی ادب کے ابتدائی طلبہ کیلئے نصاب کی ایک کتاب ''مرقاۃ الأدب'' کے نام سے تصنیف کی تھی جو بہت عرصے تک وہاں داخل نصاب رہی۔

ڈابھیل، مولانا کے وطن سے بہت دور ہے، والد بوڑھے ہو چکے تھے، انہیں خیال ہوتا تھا کہ قریب آجاتے تو بہتر ہوتا، چنانچہ قریبی شہر بنارس جامعہ مظہر العلوم میں تشریف لے گئے اور یہاں عرصہ تک نصاب فضیلت کی انتہائی کتابیں پڑھاتے رہے۔

پھر حالات نے مجبور کیا اور اپنے وطن غازی پور میں آگئے، یہاں ایک کتب خانہ ''مکتبہ اثریہ'' اور عربی کی ایک درسگاہ ''معہد اثری'' قائم کی مگر غازی پور کی سرزمین درسگاہوں کے حق میں سازگار نہیں ہے، کچھ دنوں یہ کشتی وہ خشکی میں چلاتے رہے پھر حیدرآباد جامعہ سبیل السلام سے دعوت تدریس آئی اور مولانا حیدرآباد چلے گئے، کئی سال تک وہاں قیام فرما رہے، مگر والد کا ضعف اور بڑھاپا اتنی دور رہنے سے مانع بنتا رہا، بالآخر وہ یکسو ہو کر دوبارہ گھر آگئے، اس کے بعد کہیں نہیں گئے، غالباً جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں کچھ دنوں خدمت کی مگر بہت عارضی قیام تھا۔

اب وہ گھر پر یکسوئی سے بیٹھ گئے، مدرسہ بنانے کا خیال دل سے نکال دیا، ان کی فعال اور سراپا عمل

طبیعت نے عمل کی ایک دوسری راہ ڈھونڈھ لی، وہ اپنے مکتبہ کی تعمیر وترقی میں منہمک ہوگئے، اب انہیں موقع ملا کہ قلم کے ذریعہ اپنے علوم ومعارف کا اظہار کریں، انہوں نے ابتدائی دورِ مدرسی میں مجھے ترغیب دی تھی کہ لکھتے رہنا چاہیے مگر درس وتدریس کے مشاغل نے انہیں اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ وہ اپنے حوصلہ وہمت کے مطابق قلم کی خدمت انجام دیتے، گھر پر رہ کر یکسوئی حاصل ہوئی تو اولاً عربی کا ایک سہ ماہی مجلّہ ''صوت الاسلام'' کے نام سے جاری کیا، ہندوستان میں مذہبی اور دینی رسالے اردو ہی میں مشکل سے نکل پاتے ہیں، عربی پڑھنے والے کتنے ملتے؟ اس رسالہ کی اشاعت کی تگ ودو نے انہیں سرزمین عرب میں پہنچایا، عربی پر انہیں مادری زبان کی طرح قدرت تھی، بے تکلف بولتے تھے اور بے تکان لکھتے تھے، وہ دیارِ عرب میں جاتے رہے، آتے رہے، اپنے رسالے کا تعارف کراتے رہے، تقریباً پورا رسالہ ان کے قلم کا مرہون منت ہوتا، عرب ممالک میں اس کا ایک حلقہ بن گیا اور مولانا پوری تندہی سے اس کیلئے لکھنے اور شائع کرنے کی جدو جہد میں لگ گئے، ایران کے شیعی انقلاب نے اس دور میں مسلمانوں کے ایک خاص طبقے کو غلو کی حد تک متاثر کر دیا تھا، مولانا ابوبکر صاحب نے اس رجحان کے خلاف مضامین لکھے، اور اہل عرب میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔

عرب ممالک کی آمد ورفت پر ان فرقۂ غیر مقلدین کی جارحیت، ان کی عصبیت، فروعی مسائل میں ان کے بیجا تشدد نیز تقلید اور بالخصوص احناف کے حق میں ان کی ناروا مخالفت وعناد کا انکشاف ہوا، انہوں نے محسوس کیا کہ عربوں کی بے تحاشا دولت پر نگاہِ حرص وطمع جمانے والا یہ فرقہ حق وصداقت کے خلاف بہت دور نکل چکا ہے، اس نے ہندوستان کے علماء حق یعنی علماء دیوبند کے خلاف ایک وسیع وعریض محاذ کھول رکھا ہے، دیوبند کی سند فضیلت رکھنے والے، ان اسلامی ممالک میں پہنچتے ہیں تو ان کی راہ بند کرنے کی ہر ممکن کوشش اس فرقہ کے افراد کرتے ہیں اور کسی بھی تہمت اور بہتان ان پر چسپاں کرنے سے خواہ کتنے ہی شرمناک اور غلط ہوں، گریز نہیں کرتے، انہیں دنوں پاکستانی غیر مقلد کے نام سے عرب ممالک میں ایک کتاب ''الدیوبندیة'' نامی خاص طور سے پھیلائی جارہی تھی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی تھی کہ علماء دیوبند ایمان واسلام کے سپاہی اور محافظ نہیں بلکہ شرک وبدعت اور خرافی اعتقادات کے بانی اور داعی ہیں، یہ اس صدی کا بدترین جھوٹ تھا جو بڑے منظم طریقے سے اہل عرب میں پھیلایا جارہا تھا، دیوبند کی نسبت رکھنے والے اصحاب پر سرزمین عرب تنگ ہورہی تھی اور یہ ساری کاوش

اس لئے ہورہی تھی کہ عربوں کی دولت کا بہاؤ علماء حق یعنی علماء دیوبند کی طرف نہ ہونے لگے ، چنانچہ اس فرقہ نے اس راہ سے بہت کچھ دولت سمیٹی لیکن حق ، حق ہے اور باطل ، باطل ہے ، حق کے چہرے سے باطل کا اڑایا گردوغبار چھٹتا ہے ، تو اس کی نورانیت اور باطل کی سیاہی واضح ہوجاتی ہے۔

مولانا ابوبکر صاحب بڑے جذبے کے انسان تھے ، کسی سے مرعوب ہونا اور ڈرنا جانتے ہی نہ تھے ، حق بات کو برملا کہہ دیتے تھے ، چاہے کسی کی پیشانی شکن آلود ہو ، ایک مرتبہ دلی میں تنظیم ابنائے قدیم کی جانب سے بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے موضوع پر سیمینار ہورہا تھا ، اس میں وقت کی مشہور گمراہ شخصیت وحیدالدین خاں کو بھی مدعو کیا گیا تھا ، سیمینار میں مقالہ پڑھنے کے لئے جب ان کے نام کا اعلان ہوا تو مولانا ابوبکر صاحب سے رہا نہ گیا ، وہ مجمع سے نکل کر ڈائس پر بے تابانہ آگئے اور فرمایا مولانا نانوتوی کی زندگی پر سیمینار ہورہا ہے ، اس میں خاں صاحب جیسے لوگوں کا کیا کام ؟ کیا اس کے بعد سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کو بھی دعوت کلام دی جائے گی ؟ اس اعلان حق کے بعد کیا ممکن تھا کہ وحیدالدین خاں ڈائس پر آتے۔

مولانا ابوبکر صاحب دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے ، ان کی رگِ حمیت ، حق وصداقت کے اظہار کے لئے پھڑکی ، انہیں پہلے غیر مقلدین کے موضوع سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی ......غیر مقلدیت کا مطالعہ شروع کیا ، ان کے سامنے اس فرقہ کا مکروہ چہرہ کھلا ، تو ان کی طبیعت اور ان کے قلم کا رخ غیر مقلدوں کی طرف چل پڑا ، انہوں نے ''وقفة مع اللا مذهبية '' کے نام سے عربی میں ایک بڑی طاقتور اور مدلل کتاب لکھی ، جس سے کتاب ''الديوبندية ''کا منھ توڑ جواب بھی ہوا اور فرقۂ غیر مقلدین کی اصل شکل وصورت بھی واضح ہوگئی ، اس کتاب نے غیر مقلدین میں کھلبلی پیدا کردی۔

علماء دیوبند نے انہیں ایک خوشگوار حیرت سے دیکھا کہ ان کی صلح پسند صف سے ایک ایسا مرد آہن نکل آیا ، جس نے غیر مقلدین کو حواس باختہ کردیا ، ورنہ اس سے پہلے اس فرقہ کے مولوی اپنی دھن میں حنفیت کو موقع بے موقع نشتر لگایا کرتے تھے اور ہمارے جو علماء ان کا جواب دیتے تھے ان کا لب ولہجہ بہت کم کہیں ترکی بہ ترکی جارحانہ ہوتا تھا ، علمی اعتبار سے علماء دیوبند کی پوزیشن مضبوط تھی مگر اس کے پیش کرنے کا انداز اتنا متواضع اور متوازن ہوتا کہ اس فرقہ کو اس کی اہمیت کا احساس ہی نہ ہوتا۔ مولانا ابوبکر صاحب کے قلم نے نرم ونازک انداز چھوڑ کر جواب ترکی بہ ترکی کے طور پر مسلسل اقدامی حملے کرنے شروع کئے تو

اس فرقہ کو اندازہ ہوا کہ نشتر کا گھاؤ کیسا ہوتا ہے؟

''**وقفة مع اللامذهبية**'' کے معاًبعد ان کی دوسری کتاب ''مسائل غیر مقلدین'' کے نام سے اردو منظر عام پر آئی، جس کی وجہ سے اس فرقہ میں صف ماتم بچھ گئی، ابھی اس فرقہ کے مولوی ان دونوں کتابوں کے لگائے ہوئے زخموں پر مرہم رکھنا ہی چاہ رہے تھے کہ مسلسل اس موضوع پر ان کی اور کتابیں یکے بعد دیگرے آنے لگیں، غیر مقلدین کی ڈائری، غیر مقلدین کیلئے لمحۂ فکریہ، کچھ دیر غیر مقلدیت کے ساتھ، سبیل الرسول پر ایک نظر، صلوۃ الرسول پر ایک نظر، اردو میں اور **وقفة مع معارضي شيخ الاسلام محمد بن عبد الوهاب** '' ''**صور تنطق**'' ''**هل الشيخ ابن تيمية من اهل السنة والجماعة**'' عربی میں۔

ان کتابوں کے دلائل نے اور جرأت مندانہ لب ولہجہ نے غیر مقلدیت کو احساس شکست میں مبتلا کر دیا پھر اتنے ہی پر بس نہیں، مولانا نے ''زمزم'' کے نام سے دوماہی رسالہ جاری کیا، جو از اول تا آخر مولانا ہی کی تحریروں اور ان کے مضامین سے لبریز ہوتا، غیر مقلدیت کی چوٹ کھائے ہوئے لوگ مولانا سے سوال کرتے، غیر مقلدین کے اٹھائے معقول ونامعقول اعتراضات کا جواب پوچھتے اور مولانا کا قلم محوخرام ہوتا اور میدان صاف ہوتا چلا جاتا وہ تمام مسائل جن پر غیر مقلدین گرد وغبار اڑایا کرتے تھے اور چیلنج دیتے رہے تھے، مولانا نے ایک ایک سوال کا تشفی بخش جواب دیا اور ایسا دلچسپ اور مدلل کہ ہر پڑھنے والا احسنت وآفریں پکار اٹھتا۔

مولانا تو فکر وعمل کے پیکر تھے، زمزم میں لکھے ہوئے مضامین کو انہوں نے از سر نو مرتب کیا اور ''ارمغان حق'' کے نام سے تین جلدوں میں ان کا مجموعہ شائع کیا، یہ تینوں حصے اگر کسی کے پاس ہوں تو غیر مقلدیت کے ہر اعتراض کا جواب اس کے پاس موجود ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عام اہل اسلام کو بالخصوص ان لوگوں کو جن کا دینی علم کم ہے...... آج کل دینی علم کی ہر جگہ ہی کمی ہے...... غیر مقلدین نے بہت پریشان کر رکھا ہے، خود تو کسی کو دین کی طرف لاتے نہیں، لیکن اگر کسی کی کوشش سے کچھ لوگ نماز روزہ اور دینی امور کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو یہ حدیث قوی اور ضعیف کا جھگڑا لے کر احناف کی نماز کو خلاف سنت اور ان کے عقائد کو بدعت بتا کر تنگ کرتے ہیں اور انتشار پیدا کرتے ہیں اور اس طرح یہ دین ہی سے برگشتہ کر دیتے ہیں، حالانکہ حدیث کے قوی وضعیف

ہونے کا مسئلہ عوام کا نہیں، علمائے راسخین کا ہے وہ اس کی نزاکتوں اور باریکیوں کو سمجھتے ہیں مگر اللہ کے یہ بندے درسگاہوں کے مباحث کو بازار میں لاکر علم کی دنیا پر ظلم کرتے ہیں اور اسے رسوا کرتے ہیں۔

میرے پاس مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا ایک طالب علم جو M.B.B.S. کا طالب علم تھا اور وہ حافظ قرآن ہے اور دیندار ہے، اس نے اپنے ماحول میں ایک دیندارانہ ماحول بنالیا تھا، رمضان شریف میں وہ ہاسٹل میں اپنے ساتھیوں کو لے کر تراویح پڑھاتا تھا، ایک دن میرے پاس آیا کہ چند دنوں سے کچھ اہل حدیث ہم لوگوں کے درمیان آتے ہیں اور تراویح، رفع یدین، آمین بالجہر اور دوسرے مسائل میں طرح طرح کی الجھنیں پیدا کرتے ہیں، ہم لوگوں کا سکون غارت کردیا ہے، ہمہ وقت یلغار کرتے رہتے ہیں، کیا وہ لوگ حق پر ہیں؟ میں نے کہا یہ فرقہ غلو کا شکار ہے، اس کی حقیقت جاننی ہو تو مولانا ابوبکر صاحب کی کتابیں پڑھو بلکہ غازی پور جاکر ان سے مل لو۔ وہ زخمی طالب علم تھا، غازی پور پہنچ گیا، مولانا کی باتوں سے وہ مطمئن ہوا، ان کی کتابیں ساتھ میں لے آیا، اس نے وہ سب کتابیں پڑھ ڈالیں، ذہانت کا تو وہ پتلا ہے ہی! اب جو غیر مقلدین اس کے پاس آئے اور اس نے انہیں جواب دئے اور ان سے سوالات کئے تو ان کے قدم اکھڑ گئے، وہ طالب علم بعد میں مجھے بتارہا تھا کہ اب شر وفتنہ سے نجات ہوگئی۔

اور یہ ایک واقعہ نہیں ہے، ملک کے طول وعرض میں بلکہ اسلامی ممالک میں مولانا کی کتابوں اور ان کے لب ولہجہ نے اہل حق کو بہت حوصلہ بخشا اور غیر مقلدیت کو سمٹنے پر مجبور کیا۔

مولانا مرحوم دینی افکار ونظریات میں نہایت پختہ تھے اور علم میں رسوخ کا درجہ رکھتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ حق کے اظہار اور غلطیوں کے انکار میں بہت جری اور صاحب عزیمت تھے، انہوں نے حق وصداقت کے اظہار میں کہیں مداہنت نہیں برتی۔ ان کی تصنیفی زندگی میں بعض ایسے مراحل آئے جہاں جاننے والوں کو حیرانی ہوئی، اب مولانا کا طرز عمل کیا ہوتا ہے؟ لیکن یہ دیکھا گیا کہ مولانا کی عزیمت کو کہیں شرمندہ نہیں ہونا پڑا، ہر جگہ انہوں نے دین ودیانت اور حق وصداقت کا تقاضا پورا کیا۔

مجلّہ ''صوت الاسلام'' کا حلقہ انہوں نے اہل عرب میں بنایا تھا اور وہاں سے اسے خاصا مالی تعاون حاصل ہوتا تھا اور معلوم ہے کہ سعودی عرب کے علماء ایک خاص نظریہ کے حامل ہیں، انہیں علماء دیوبند سے نہ کوئی خاص واقفیت ہے اور نہ مناسبت ہے، واقفیت تو اس لئے نہیں کہ یہ حضرات مسلک احناف کے پابند اور مشرب صوفیہ پر کاربند ہیں اور سعودی علماء کو ان دونوں سے بعد بلکہ شاید عناد ہے، پھر اس

جلتی پر ہندوستان کے غیر مقلدین کی ہفوات وخرافات نے تیل کا کام کیا۔خادم الحرمین ملک فہد کے قرآنی پریس نے حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر کو شائع کیا تو سینۂ غیر مقلدیت پر سانپ لوٹ گیا اور انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس کی طباعت واشاعت بند کرادی اور اس کے خلاف بہت غوغا مچایا۔اس وقت آزمائش کی گھڑی تھی کہ مولانا ابوبکر صاحب کا طرز عمل کیا ہوتا ہے؟ ان کی دینی غیرت اس جگہ حرکت میں آتی ہے یا رسالہ کی مصلحت قلم کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اگر مولانا غیر مقلدین کی اس کارستانی کی خبر لیتے ہیں تو اس کی زد میں سعودی علماء بالخصوص شیخ عبدالعزیز باز بھی آئیں گے اور شیخ بن باز کی جو حیثیت اور ان کا جو وزن سعودیہ عربیہ میں ہے اسے سب جانتے ہیں کہ وہ وہاں کے ''باپو'' کہلاتے ہیں اور رسالہ پر بجلی گرے گی اور مالی تعاون کے راستے میں مشکلات آجائیں گی۔

اور اگر خاموشی اختیار کرتے ہیں تو مالی خسارہ سے بچ جائیں گے مگر یہ ان کے مزاج وطبیعت کے خلاف ہوگا، پھر رسالہ ''صوت الاسلام'' آیا تو ان کی غیرت دینی کا جلوہ کچھ اس طرح روشن تھا کہ جاننے والے سب حیرت میں رہ گئے، بڑے طاقتور اسلوب میں نہایت صفائی اور وضاحت کے ساتھ انہوں نے غیر مقلدین اور سعودی علماء کے طرز عمل اور طرز فکر کا احتساب کیا تھا، اس موضوع پر بغیر کسی خوف لومۃ لائم کے ایک طویل مضمون لکھا، اس کا جو اثر ہونا تھا وہ ہوا، اور حکومت سعودیہ کی طرف سے جو تعاون مل رہا تھا وہ بند ہوگیا، کسی تقریب سے وہ سعودی سفارت خانے میں ایک بار تشریف لے گئے، سعودی سفیر نے دوران گفتگو انہیں ٹوکا کہ آپ نے یہ سب کیا لکھ دیا ہے، آپ کا تعاون بالکل بند ہوجائے گا، انہوں نے برجستہ فرمایا کہ سعودیہ رزاق نہیں ہے، حق بات ضرور کہی جائے گی۔

پھر شاید دو سال کے بعد ایسا ہوا کہ سعودی گورنمنٹ نے سب اگلا پچھلا بقایا ادا کردیا اور حق وشجاعت کا غلبہ ظاہر ہوکر رہا۔مولانا نے حق وصداقت کے باب میں کبھی کسی مداہنت اور ضعف ہمت کا راستہ نہیں اختیار کیا، اس باب میں وہ کسی جانب داری کو روا نہ رکھتے تھے، اگر انہیں اپنی جماعت کے لوگوں میں، اپنے ہم مسلک وہم مشرب افراد میں کہیں ناہمواری نظر آتی اور دین ودیانت کے تقاضے کے خلاف کوئی طرز عمل محسوس ہوتا، انہیں شرح صدر ہوجاتا کہ یہ رویہ مناسب نہیں ہے یا درست نہیں ہے، تو وہ بے تکلف اور بغیر کسی مصلحت کے دباؤ کے ٹوک دیتے۔دارالعلوم دیوبند کے مسلک سے، اس ادارے سے، ادارے کے ذمہ دار، اساتذہ وکارکنان سے انہیں عشق کی حد تک تعلق تھا مگر بعض بڑے اساتذہ کے افکار

اور تحریرات ومضامین میں انہیں ناہمواری محسوس ہوئی تو برملا اس کا اظہار کر دیا۔

ایسے ہی ایک بڑے ادارہ کے بڑے استاذ کا رویہ انہیں نامناسب محسوس ہوا تو اس پر انہیں ٹوک دیا، مولانا غیرت دینی کے پیکر تھے، جہاں بھی انہیں دینی ومذہبی اعتبار سے کجی یا انحراف محسوس ہوتا وہ تڑپ اٹھتے اور اس کا مؤثر احتساب کرتے۔

مولانا کے اندر عالمانہ جاہ وجلال کے ساتھ عارفانہ حسن وجمال کا پرتو بھی تھا، گو اول الذکر حال کا ایسا غلبہ تھا کہ جمال عارفانہ پر نگاہ ذرا کم ہی پڑتی تھی، میں یہ تو نہیں جانتا کہ کسی صاحب نسبت بزرگ سے بیعت تھے یا نہیں؟ مگر اتنا جانتا ہوں کہ بزرگوں سے والہانہ تعلق انہیں تھا، اور تمام بزرگی کا سرچشمہ جو ذات والا صفات تھی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان سے محبت وشیفتگی کا جو رنگ تھا اس کا اظہار عملاً تو تھا ہی، کبھی قول وحال سے بھی یہ رنگ چھلکتا تھا، یہ عشق نبوی ہی کا اثر تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں ان کا قلب بہت حساس تھا، بعض فرقوں نے اور بعض افراد نے صحابہ کرام کی حیثیت پر اعتراض کئے ہیں، اس قسم کے مواقع پر مولانا کا جلال دیکھنے کے لائق ہوتا پھر ان کے قلم کی روانی ہر خس وخاشاک کو ہٹاتی اور صاف کرتی چلی جاتی، صحابہ پر زبان طعن کھولنے والے سے مصالحت کا کوئی خانہ ان کے یہاں نہیں تھا، اس موضوع کی جھلک تقریباً ان کی تمام تصنیفات میں ملتی ہے لیکن اس عنوان پر مستقل کتاب ''مقام صحابہ کتاب وسنت کی روشنی میں اور مودودی صاحب'' کے نام سے تحریر کی۔

بزرگوں کی محبت وعقیدت ان کے قلب میں بہت تھی، جن دنوں وہ جامعہ مظہر العلوم بنارس میں پڑھا رہے تھے، ایک بار الہ آباد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، وہاں سے واپس آکر اپنا جو حال بیان فرما رہے تھے، ان سے ان کی قلبی صلاحیت کا اندازہ ہو رہا تھا، فرما رہے تھے کہ مولانا محمد احمد صاحب بہت قوی النسبت ہیں، جتنی دیر ان کے پاس بیٹھا رہا، میرا دل اللہ اللہ کرتا رہا اور اتنی دیر تک ہر وسوسہ اور خیال سے دل خالی رہا۔

اس قلبی صلاحیت کا فیض تھا کہ مولانا کو قرآن کریم کی تلاوت کا خاص ذوق تھا، نماز تہجد کے پابند تھے، بہت سویرے اٹھنے کا دائمی معمول تھا، اسی وقت غسل کرتے، خواہ کوئی موسم ہو، خواہ کتنے ہی کڑاکے کی سردی پڑ رہی ہو پھر تہجد پڑھتے، تہجد میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے، تہجد سے فارغ ہو کر خود ہی چائے بناتے اور مسلسل زبانی تلاوت کرتے رہتے، لکھنے کا کام بھی زیادہ تر اسی وقت کرتے۔ مولانا

جن دنوں سبیل السلام حیدرآباد میں مدرس تھے، میں کسی مناسبت سے حیدرآباد گیا تھا اور تین چار روز مدرسہ سبیل السلام میں ان کے ساتھ رہا، ہر روز ان کا یہی معمول دیکھا، جید حافظ قرآن تھے، اس لئے زبانی پڑھتے رہتے، میں ان کے اس معمول سے بہت متاثر ہوا تھا۔

معلوم ہوا کہ جس رات کی صبح میں انتقال ہوا ہے، اس وقت بھی اس معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، بھوپال کسی پروگرام میں گئے تھے، وہاں سے واپسی میں دلی جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں ٹھہرے تھے، دوسرے روز دیوبند جانے کا ارادہ تھا، معمول کے مطابق صبح سویرے اٹھے، غسل کیا، تہجد پڑھی، دل میں کچھ درد محسوس ہوا لیکن اپنے معمول ذکر وتلاوت میں مشغول رہے، اس وقت دفتر کے ذمہ داروں کو اپنی حالت بتائی، ان لوگوں نے گاڑی کا انتظام کیا، مولانا خود چل کر نیچے گاڑی تک آئے، گاڑی میں لیٹ گئے، مسلسل اللہ اللہ کہتے رہے، گاڑی ڈاکٹر کی طرف جارہی تھی اور مولانا کی روح رب السموات والارض کی حاضری کے لئے تیار تھی، آواز آہستہ آہستہ مدہم ہوتی گئی، ساتھ والوں نے سمجھا کہ آرام ہوگیا ہے، شاید نیند آگئی ہے مگر جب ڈاکٹر نے معائنہ کیا تو بتایا کہ مولانا اللہ کے حضور پہنچ چکے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

یہ ۸؍فروری ۲۰۱۲ء کی تاریخ تھی، نعش ایمبولینس کے ذریعہ دلی سے غازی پور لائی گئی، دوسرے روز ۹؍فروری کو غازی پور میں ایک جم غفیر نے جس میں علماء کی بڑی تعداد موجو تھی، نماز جنازہ پڑھی، مولانا کے خاص معتمد مولانا انس حبیب غازی پوری نے نماز جنازہ پڑھائی، حق تعالیٰ مغفرت فرمائے، مولانا کے جانے سے علم اور حقانیت کی دنیا میں ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا، اللہ تعالیٰ امت مسلمہ پر رحم فرمائے، علماء کا اٹھ جانا ایک حادثہ کبریٰ ہے لیکن مولانا کی تصانیف ان شاء اللہ روشنی پھیلاتی رہیں گی۔

مولانا کے دو صاحبزادے ہیں، بڑے صاحبزادے عبد الرحمٰن سلمہٗ ایک ہلکی پھلکی دوکان کرتے ہیں، چھوٹے فرزند مولوی عبید الرحمٰن سلمہ اس وقت دارالعلوم میں دورۂ حدیث شریف میں زیر تعلیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں والد گرامی کا وارث علمی بھی بنائے۔ (آمین)



شیخ الحدیث

حضرت مولانا خورشید عالم دیوبندیؒ

مولانا ندیم الواجدی

ربانی علماء کی وفات:

حدیث شریف میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک نقل کیا گیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے علم کا سرمایہ اس طرح نہیں چھینتا ہے جس طرح کسی سے کوئی چیز اچانک چھین لی جاتی ہے، بلکہ علم اس طرح واپس لیتا ہے کہ اہل علم کو اپنے پاس بلا لیتا ہے''

(صحیح بخاری:۱/۱۷۶، رقم الحدیث:۹۸۔ صحیح مسلم:۱۳/۱۶۰، رقم الحدیث:۴۸۲۸)

دیکھا جائے تو علم کے پھیلاؤ میں کوئی کمی نہیں ہے، لیکن حقیقی علم کہیں نظر نہیں آتا، وہ اہل علم جو مرجعیت کی شان رکھتے ہوں انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں، دیوبند کا حال تو یہ ہوگیا ہے کہ اکثر قدآور علماء ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے ہیں، جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی رخت سفر باندھے تیار بیٹھے ہیں، افسوس اس کا ہے کہ جو لوگ جا رہے ہیں ان کی جگہ لینے والا کوئی نظر نہیں آتا، ویسے بھی کسی کے جانے سے جو خلاء واقع ہوتا ہے وہ کوئی دوسرا پُر نہیں کرتا، کم سے کم اہل علم کے متعلق یہ مقولہ بالکل حقیقت پر مبنی ہے، ایک حدیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے، علامہ سخاویؒ نے ''المقاصد الحسنہ'' میں ایک روایت نقل کی ہے''**اذا مات العالم انثلم فی الاسلام ثلمة ولایسدها شئ إلی یوم القیامة**'''' جب (کوئی) عالم وفات پاتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا خلاء پیدا ہو جاتا ہے جو قیامت تک پُر نہیں ہوتا''۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ سخاویؒ نے لکھا ہے کہ اگر چہ یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن اس مضمون کی دوسری احادیث بھی موجود ہیں، مثلاً ابوبکر بن لالؒ نے حضرت جابرؓ سے یہ مرفوع روایت نقل فرمائی ہے کہ ''عالم کی موت ایک ایسا خلاء ہے جسے رات دن کی گردش بھی بھر نہیں سکتی''۔

طبرانی میں حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت ہے ”عالم کی موت ایک ایسا غم ہے جس کا ازالہ نہیں ہوسکتا، ایک ایسی کمی ہے جس کی تلافی نہیں ہوسکتی، ایک عالم کی موت کے مقابلے میں کسی پورے قبیلے کا فنا ہوجانا معمولی درجے کی مصیبت ہے“۔

مسند دیلمیؒ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ جب کسی عالم کی وفات ہوتی ہے تو ایک ایسا خلاء پیدا ہوجاتا ہے جو کبھی پُر نہیں ہو پاتا“ مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا یہ اثر نقل کیا گیا ہے کہ آیت کریمہ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (الرعد: ۴۱) ”کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے رہتے ہیں“۔

میں نقصِ اطراف سے مراد علماء کی موت کے واقعات اور ان سے مرتب ہونے والے اثرات ہیں۔

(المقاصد الحسنہ للعلامۃ السخاویؒ: ۴۵)

حضرت مولانا خورشید عالم دیوبندیؒ:

یوں تو ہر عالم کی اپنی ایک امتیازی شان ہوتی ہے، لیکن بعض علماء کچھ زیادہ ہی ممتاز ہوتے ہیں، حضرت مولانا خورشید عالم صاحب دیوبندیؒ اپنی گوناگوں خصوصیات اور کمالات کی بنا پر طبقۂ علماء کے ایک ایسے گوہر آب دار تھے جس کی چمک دمک سے نگاہیں خیرہ رہا کرتی ہیں، بہ ظاہر یک سو اور کم آمیز مگر نہایت متحرک، خلیق، متواضع، مہربان اور مشفق، ان اوصاف نے مولانا خورشید عالم کو ہمیشہ ممتاز و منفرد رکھا، اور کسی بھی دور میں ان کی مقبولیت کی سطح گرنے نہیں پائی۔

نصب العین:

غیر منقسم دارالعلوم میں بھی وہ طلبہ کے لیے نہایت قابل احترام اور قابل فخر استاذ تھے، اور تقسیم دارالعلوم کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ادارے دارالعلوم وقف میں بھی ان کے احترام ووقار میں کوئی کمی نہیں آئی، بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوتا رہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی زندگی کا نصب العین علم دین کی خدمت تھا، اخلاص کی تمام تر صداقتوں کے ساتھ وہ آخری سانس تک اس خدمت میں لگے رہے، آج ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، اور ہر شاگرد ان کے اس امتیازی وصف کا معترف ومداح نظر آتا ہے، تقسیم دارالعلوم کے نتیجے میں بہت سی شخصیتوں پر تنقید اور تنقیص کے تیر برسے، مگر مولانا

ان لوگوں میں شامل رہے جنھوں نے اگر چہ نئے حالات میں بھی سرگرم رول ادا کیا مگر کسی کو اپنی ذات پر زبان طعن دراز کرنے کا موقع نہیں دیا، مولانا کی وفات دارالعلوم دیوبند کے لیے تو ایک زبردست حادثہ ہے ہی سرزمین دیوبند کے لیے بھی کچھ کم سانحہ نہیں ہے، اگر ہم سرزمین دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کو الگ الگ کر کے دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اہل دیوبند نے اپنا ایک گوہر نایاب اور ایک لعل شب تاب کھو دیا ہے، یہ سرزمین یوں بھی نامور اور بلند قامت شخصیتوں سے محروم ہوتی جارہی ہے، ایسے میں مولانا کی دائمی رخصتی کا واقعہ بڑا دل گداز سانحہ ہے، اہل دیوبند مدتوں اس کی کسک محسوس کریں گے۔

خانوادۂ عثمانی:

مولانا کا تعلق دیوبند کے ایک عثمانی خانوادے سے تھا، جس میں کئی نسلوں سے علم دین کی شمع روشن رہی ہے، برصغیر کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی اور حضرت مولانا خورشید عالم صاحب ایک ہی نسبی سلسلے کی دو شاخیں ہیں، ان میں سے ایک شاخ نے پاکستان میں برگ وبار دئے اور آج سارا عالم اس سے فیض حاصل کر رہا ہے، دوسری شاخ نے ہندوستان کو فیض پہنچایا، مولانا کے والد محترم حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ بھی ایک جیّد عالم تھے، دارالعلوم دیوبند کے ممتاز اساتذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا، ان کے والد حضرت مولانا منظور احمدؒ بھی دارالعلوم دیوبند کے درجۂ فارسی اور ریاضی میں استاذ تھے، اس طرح کئی نسلوں سے یہ خاندان دارالعلوم میں علم دین کی خدمت کر رہا تھا۔

تعلیم وتربیت:

ایسے ہی بافیض گھرانے میں مولانا خورشید عالم نے آنکھیں کھولیں، اور خاندانی روایات کے مطابق پہلے ناظرہ کلام پاک، پھر حفظ اور اس کے بعد درس نظامی کی تکمیل کی، دارالعلوم دیوبند کے متعدد نامی گرامی اساتذہ کے زیر سایہ رہ کر آپ نے علوم آلیہ اور علوم عالیہ کی تحصیل وتکمیل کی، لیکن ان کی تعلیمی شخصیت کی تشکیل وتعمیر میں شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی توجہ کا بڑا دخل ہے، مولانا چاہتے تھے کہ کسی طرح جلد از جلد عربی کے اعلا درجات میں داخلہ لے کر درس نظامی کی تکمیل کر لی جائے، والد محترم اس سے متفق نہ تھے، طے ہوا کہ حضرت شیخ الادبؒ سے مشورہ کرلیا جائے اور اسی کے

مطابق عمل کیا جائے، حضرت شیخ الادبؒ نے والد صاحب کی رائے کی موافقت تو کی، مگر ساتھ ہی یہ حل بھی تجویز کیا کہ میں خود ابتدائی درجات کی کتابیں پڑھا دیتا ہوں، جو لوگ حضرت شیخ الادبؒ کی تعلیمی صلاحیتوں سے واقف ہیں اور طلبہ کے ساتھ ان کی غیر معمولی شفقتوں کا ادراک رکھتے ہیں وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت شیخ الادبؒ کا کسی طالب علم کو پڑھا دینا ہی اس بات کی علامت تھا کہ اب یہ طالب علم، علم کی بھٹی میں تپ کر کندن بن جائے گا، ایسے کتنے ہی علماء ہیں جنہوں نے حضرت شیخ الادبؒ کی خصوصی توجہ کا فیض اٹھایا اور وہ آسمانِ علم پر آفتاب ماہتاب بن کر چمکے۔

حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ نے حضرت شیخ الادبؒ سے نحو وصرف کی کتابیں پڑھی ہیں، حضرت شیخ الادبؒ کا انداز تدریس مثالی تھا، وہ کتاب خود نہیں پڑھاتے تھے، بلکہ طالب علم سے حل کراتے تھے، طالب علم شیخ الادبؒ کے سامنے کتاب کھول کر بیٹھ جاتا، اور خود ہی مشکلات حل کرتا، اس کے لیے پیشگی مطالعے کی بھی ضرورت پڑتی ہے، اور دوران تدریس توجہ، یکسوئی اور انہماک بھی درکار رہتا ہے، اس طرح جو اسباق پڑھے جائیں گے وہ یاد بھی رہیں گے، بس چند کتابیں پڑھتے ہی طبیعت چل نکلی استعداد خود بہ خود بنتی اور بڑھتی چلی گئی، اس پر مستزاد یہ کہ والد صاحب کی بھی بھرپور توجہ رہی، بعض ابتدائی کتابیں انہوں نے از خود پڑھائیں، بلکہ ہر فن کی بنیادی کتاب مولانا کو اس طرح پڑھائی کہ دارالعلوم کے شعبۂ تعلیمات سے وہ کتاب اپنے نام لکھوالی، ان دونوں حضرات کی حسن توجہ سے مولانا کی لیاقت میں اور علمی صلاحیتوں میں بڑا انکھار پیدا ہوا، آئندہ چل کر مولانا نے ایک جیّد الاستعداد مدرس کی حیثیت سے جو شہرت حاصل کی ہے اس میں ان دونوں بزرگوں کی محنت کا نمایاں اثر ہے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بخاری اور ترمذی پڑھی۔

فراغت کے بعد:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد تقریباً چار سال پاکستان میں بہ سلسلۂ درس وتدریس مقیم رہے، دارالعلوم میں تقرر ہوا تو پہلے ہی مرحلے میں شرح عقائد نسفی، ملاحسن، سلم العلوم اور شرح وقایہ جیسی اہم کتابیں سپرد کی گئیں، جنہیں مولانا نے کامل یکسوئی اور مہارت سے پڑھایا، اور بہت جلد دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز اور مقبول عام اساتذہ کی صف میں شامل ہوگئے، دارالعلوم دیوبند میں مکمل اٹھارہ برس تک آپ نے

تدریس کے فرائض انجام دئے، اس دوران درس نظامی کی بیشتر کتابیں پڑھانے کا موقع ملا، کبھی نہیں سنا کہ مولانا نے کسی کتاب کی تدریس سے معذرت کی ہو، یا کسی کتاب کے سلسلے میں کسی طالب علم کو کوئی شکایت پیدا ہوئی ہے، یہ دارالعلوم ہے یہاں اچھے اچھوں کو چھکّے چھوٹ جاتے ہیں، مولانا کا انداز تدریس تھا ہی اتنا دلچسپ، موٴثر، مرتب، مسلسل اور جامع کہ کہیں انگلی رکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی، یہ شاید صرف مولانا ہی کی درسگاہ تھی جہاں پوری توجہ کتاب پر رہتی تھی، مکمل درس حشو وزوائد سے بالکل پاک ہوتا تھا، نہ قصے، نہ لطیفے، نہ شعروشاعری، نہ داستان سرائی، گھنٹہ بجتے ہی درسگاہ میں داخل ہوجانا، اور گھنٹے کا اختتام تک مسلسل ایک ہی رفتار کے ساتھ پڑھانا، ایسا لگتا تھا جیسے ٹیپ چلا دیا گیا ہو، نہ کوئی لفظ کم نہ زائد، اگر مصنف کتاب خود بھی اپنی عبارت کی تشریح وتوضیح کرتے تو شاید اس سے زائد نہ کرتے جتنی مولانا کرتے تھے، یوں کرنے کو تو لمبی چوڑی تقریریں بھی کی جاسکتی ہیں لیکن اصل مقصود تو عبارت کا حل، اور مقصد کتاب کی تفہیم ہے، اس کیلئے مختصر، جامع اور مرتب کلام کی ضرورت ہے، ایسی تقریر بے فیض ہی رہتی ہے جو سر سے گزرجائے، یا محض وقتی طور پر لذت بخش ہو، ہر طالب علم مولانا کے اس انداز درس کا دیوانہ تھا، راقم کو تین کتابیں مولانا سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، مختصر المعانی، تلخیص المفتاح اور شرح عقائد نسفی، ان کے درس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ دوران درس دل بہت لگتا تھا۔

مولانا وقت کے بھی بہت پابند تھے، گھنٹہ بجا نہیں کہ مولانا اندرونی صدر گیٹ سے اپنی درسگاہ کی طرف بڑھتے ہوئے نظر آجاتے جو احاطۂ مولسری میں دائیں جانب بیچوں بیچ واقع تھی، اگر کسی دن پانچ منٹ بھی زیادہ گزرجاتے تو ہم سمجھ لیتے کہ آج چھٹی رہے گی، وقت کی یہ پابندی بھی شاید حضرت شیخ الادبؒ ہی کا فیضان تھا، ان کے متعلق تواتر کے ساتھ یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ وہ وقت کے بہت پابند تھے، ان کے آنے جانے کے اوقات سے لوگ گھڑیاں ملایا کرتے تھے، حضرت شیخ الادبؒ کو ہم نے نہیں دیکھا لیکن اپنے بڑوں سے ان کے متعلق اتنا سنا ہے اور کتابوں میں اتنا پڑھا ہے کہ ان کا نام آتے ہی ان کی شخصیت کا باوقار پیکر نگاہوں میں گھومنے لگتا ہے، سنا ہے کہ ان کا بڑا رعب تھا، طلبہ، اساتذہ، ملازمین سب پر ان کی شخصیت کی گہری چھاپ تھی، بہت سے لوگ دارالعلوم میں ان کے داخل ہوتے ہی ادھر ادھر چھپتے پھرتے تھے، مولانا کی شخصیت میں اس قدر رعب اور دبدبہ تو نہ تھا، مگر وقار ان میں بھی بہت تھا، طلبہ ان سے مانوس بھی بہت رہتے تھے اور ان کا احترام بھی بہت کرتے تھے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مولانا کا شمار اس وقت کے مقبول ترین استاذوں میں ہوتا تھا۔

تدریسی وانتظامی صلاحیتیں:

غیر منقسم دارالعلوم میں بنیادی طور پر آپ شعبۂ تدریس ہی سے وابستہ رہے، اور درس وتدریس ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا رہا، مگر اللہ نے آپ کو نظم وانتظام کی بہترین صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا، یہ صلاحیتیں جب اس وقت کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے علم میں آئیں تو ان سے بھی استفادہ کیا گیا، آپ سے جس شعبے میں بھی کام لیا گیا آپ نے اپنی صلاحیتوں سے اس شعبے کو جلا بخشی، میرے خیال سے تو شاید ہی کوئی انتظامی شعبہ ایسا رہا ہو جس سے آپ متعلق نہ ہوئے ہوں، دارالاقامہ کے ناظم بھی رہے، دارالاقامہ کا تعلق طلبہ کی رہائش اور ان کی ہمہ وقت نگرانی سے ہے، اس لحاظ سے یہ بڑی ذمہ داری کا شعبہ ہے، اس زمانے میں بڑے اساتذہ کو دارالاقامہ کی ذمہ داریاں سپرد کی جاتی تھیں، آج بڑے اساتذہ دامن بچاتے ہیں، مولانا نے کئی سال تک نظامت کے فرائض انجام دئے، عام طور پر طلبہ کو دارالاقامہ کے ذمہ داروں سے شکایات ہوجاتی ہیں، لیکن مولانا نے یہ ذمہ داری انتہائی خوش اسلوبی کیساتھ نبھائی، انتظامیہ بھی خوش رہی، طلبہ بھی مطمئن رہے، مطبخ کمیٹی، افتاء کمیٹی، دارالقضاء کمیٹی، تعلیمی کمیٹی اور اہتمام کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے بھی آپ کی کارکردگی بڑی عمدہ رہی ہے، اسی وجہ سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ آپ پر بڑا اعتماد کرتے تھے، بعض ہنگامی حالات میں بھی آپ کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا، کئی مرتبہ آپ کو قائم مقام مہتمم بھی بنایا گیا، جس وقت حضرت مولانا میاں اصغر حسینؒ ناظم تعلیمات تھے، اس وقت آپ کو نائب ناظم تعلیمات بھی مقرر کیا گیا، حضرت میاں صاحبؒ تو ضعف اور کبرسنی کی وجہ سے برائے نام ہی ناظم تھے، اصل ذمہ داری تعلیمات کی مولانا ہی کے سپرد تھی، ہم اس زمانے میں حضرت مولانا کو بغلوں میں فائل دبائے ہوئے آتے جاتے دیکھا کرتے تھے، شعبۂ تعلیمات دارالعلوم دیوبند کا سب سے اہم ادارہ ہے، اس کا تعلق طلبہ اور اساتذہ دونوں ہی سے ہوتا ہے، اس ادارے کے نظم وانصرام کے لیے بڑے بردبار، متحمل مزاج اور اصول پسند شخص کی ضرورت ہوتی ہے، مولانا ان اوصاف کے جامع تھے، طلبہ کی بات بڑی توجہ سے سنا کرتے تھے، ہم بھی بہت سے معاملات لے کر ان کی خدمت میں پہنچ جاتے تھے، ہماری جرأت بیجا اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ دفتر تعلیمات کے بجائے ہم عصر یا مغرب کے بعد اور کبھی دوپہر ہی میں گھر پر جاکر کنڈی بجادیتے تھے، عموماً خود ہی باہر نکل کر آتے، کبھی ان کو ناراض

ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، اگر کام ضابطے کے مطابق ہوا تو اس سے انکار بھی نہیں کیا۔

مولانا کے جوہر اجلاس صد سالہ (منعقدہ ۱۹۸۰ء) کی تیاریوں کے دوران زیادہ کُھلے، بہت سے کام آپ کے ذمہ تھے، کئی کمیٹیوں کے رکن تھے، اصل کام جوان کے سپرد تھا وہ عیدگاہ سے لے کر قاسم پورہ تک خیموں کا شہر بسانے کا تھا، اسی شہر میں ایک وسیع وعریض پنڈال بھی بنانا تھا، جس کی وسعت کا تصور نہیں کیا جا سکتا، بلا مبالغہ اس کے ایک سرے پر کھڑا ہونے والا شخص دوسرے سرے پر کھڑے ہوئے شخص تک اپنی آواز یا نگاہ کی رسائی سے محروم تھا، پھر اس کے اطراف میں رہائشی خیموں کا ایک بڑا شہر آباد تھا، یہ سب کام ایک دن کے نہیں تھے، مہینوں پہلے اس کی تیاری شروع ہوئی، کاشت کاروں سے زمینیں کرائے پر حاصل کی گئیں، ان کو معاوضے ادا کئے گئے، پورا میدان ہموار کیا گیا، خیموں کے اس شہر میں راستے بنائے گئے، عارضی بیت الخلاء، وضوخانے، جماعت خانے بنائے گئے، پانی کی فراہمی مسلسل باقی رکھنے کیلئے ہزاروں کی تعداد میں ہینڈ پمپ لگائے گئے، غرضیکہ ایک پورا شہر آباد کیا گیا، یہ کارنامہ حضرت مولانا خورشید عالمؒ کا تھا، کیوں کہ وہ ہی اس کمیٹی کے ذمہ دار تھے، اگرچہ دوسرے لوگ بھی بہ طور معاون ان کے ساتھ تھے، مگر اصل دماغ مولانا ہی کا تھا، اور اصل محنت بھی مولانا ہی کرتے نظر آتے تھے۔

گہن یا نظر بد:

اجلاس صد سالہ تو کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوگیا، اور ساری دنیا میں وہ دھوم مچی کہ دارالعلوم کی شہرت ایک دم ساتویں آسمان پہ پہنچ گئی، بس یہی وہ لمحہ تھا جب اس چمکتے دمکتے سورج کو گہن لگا، دیکھتے ہی دیکھتے اختلافات شروع ہوگئے، تعلیمی مقاطعہ، جلسے جلوس، ہنگامے، پوسٹر بازی، نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا، دارالعلوم دولخت ہوگیا، جو لوگ قاری محمد طیب صاحبؒ کے ساتھ تھے، مدرسین، ملازمین، طلبہ وہ سب جامع مسجد میں جمع ہوگئے، دارالعلوم وقف نام رکھا گیا، میں کہا کرتا ہوں کہ اگر قاری طیب صاحبؒ کے ساتھ آنے والے لوگوں میں مولانا خورشید عالم صاحبؒ جیسے مدبر، منتظم، متحرک، فعال، مخلص، محنتی اور جفاکش انسان نہ ہوتے تو شاید یہ ادارہ پہلے دن ہی دم توڑ دیتا، بڑے سخت حالات تھے، لٹے پٹے، مایوس، غم زدہ، پریشان حال اور مشتعل لوگوں کا ایک گروہ، جگہ کی کمی، سرمائے کی قلت، کام کرنیوالے افراد کا فقدان، پورا نظام درہم برہم، دارالعلوم وقف کسی ایک جگہ نہیں تھا، مختلف جگہوں پر بکھرا

ہوا تھا، کہیں حفظ کی تعلیم، کہیں ابتدائی درجات کی پڑھائی، کسی جگہ عربی کے اعلا درجات کی تدریس، کسی جگہ مطبخ، کئی مختلف مکانوں میں قیام گاہیں، تنخواہوں کا رونا، مصارف کی تنگی، بعض ہمدردوں کی غیر ضروری مداخلت اور دباؤ، ان حالات سے نبرد آزما اگر کوئی ہوتا تھا تو یہ مولانا خورشید عالم تھے، پورا دارالعلوم وقف ان کے گرد گھومتا نظر آتا تھا، اور یہ ان ہی کی ہمت تھی کہ وہ ان متفرق اور منتشر ٹکڑوں کو ایک جگہ مربوط رکھے ہوئے تھے، بعد میں آہستہ آہستہ حالات درست ہوتے گئے، مگر خود مولانا کے قوٰی جواب دے گئے، کئی بیماریاں حملہ آور ہوگئیں، کچھ حالات بھی ساز گار نہ رہے، آہستہ آہستہ انہوں نے خود کو انتظامی امور سے الگ تھلگ کر کے تدریس تک محدود کرلیا اور اخیر عمر تک تدریس سے ہی وابستہ رہے، اس میں شک نہیں کہ دارالعلوم وقف کو بنانے سنوارنے میں ان کا بڑا عمل دخل ہے، ان کی قربانیاں ایسی نہیں ہیں جو آسانی کے ساتھ فراموش کردی جائیں، قربانیاں تو کسی کی بھی فراموش نہیں کی جاسکتیں خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہوں، پھر یہاں تو تیس بتیس سال کی طویل جدو جہد کا معاملہ ہے۔

مقبولیت ومحبوبیت:

دارالعلوم وقف کے قیام میں اس قدر سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے کے باوجود ان کی شخصیت کسی دور میں متنازعہ نہیں بنی، بلکہ ان کو دارالعلوم کے حلقوں میں اعتدال پسند سمجھا جاتا رہا، راقم السطور کو اچھی طرح یاد ہے کہ اس قضیۂ نامرضیہ کے بعد جب دیوبند میں پہلی عید کی آمد آمد ہوئی تو دیوبند کے چند جوشیلے نوجوانوں نے طے کیا کہ وہ عیدگاہ میں اپنی پسند کا امام کھڑا کریں گے، اس کے لیے پنجاب کے ایک صاحب کو بلایا گیا جو دیوبند ہی کے تھے، اور دیوبند کی عیدگاہ کی امامت وخطابت موروثی طور پر اُن کے خاندان میں چلی آرہی تھی، دوسرا گروپ فطری طور پر اس سے مضطرب ہوا، اعلا سطحی میٹنگیں ہوئیں اور یہ طے کیا گیا کہ اس اقدام کی مخالفت کی جائے، دیوبند کا ماحول کشیدہ تو تھا ہی، اس طرح کے فیصلوں سے اور کشیدہ ہوگیا، اس وقت یہ درمیانی راستہ نکالا گیا کہ مولانا خورشید عالم صاحب سے نماز پڑھوائی جائے، ان کے نام پر جانبین میں اتفاق رائے ہوگیا، اور انہوں نے ہی نماز ادا کرائی، اس طرح ایک بہت بڑے ٹکراؤ سے دیوبند محفوظ ہوگیا، ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ نے دوبارہ مولانا کی تدریسی خدمات حاصل کرنے کا ارادہ کیا، اس کے لیے دیوبند کے ایک صاحب کو درمیان میں ڈالا گیا، انہوں نے مولانا تک یہ بات پہنچائی، اور خود بھی زور لگائے، مگر مولانا ٹس سے مس نہ ہوئے، اب اسے اصول پسندی

کہہ لیجئے یا دارالعلوم وقف سے محبت کا نام دے لیجئے، یا قناعت پسندی اور گوشۂ عافیت میں رہنے کی خواہش قرار دے لیجئے، کچھ بھی کہہ لیجئے ہزار کوششوں کے باوجود مولانا کی ناں، ہاں میں نہیں بدلی۔

اصابت رائے:

حضرت مولانا کی اصول پسندی، دوراندیشی، معاملہ فہمی اور اصابت رائے کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے، اس میں شک نہیں کہ وہ نہایت معاملہ فہم انسان تھے، حالات پر ان کی گہری نظر رکھتی تھی، دوٹوک بات کرنے کے عادی تھے، کسی لاگ لپٹ کے بغیر بات کہتے، کوئی مانے یا نہ مانے، لیکن جہاں معاملہ ان کے دائرۂ اختیار کا ہوتا وہاں ان کی رائے اور ان کا فیصلہ حرف آخر ہوتا، گھریلو معاملات میں بھی ان کی رائے قطعی اور آخری سمجھی جاتی تھی، یہ بات واقعی حیرت انگیز ہے کہ ان کی نظر اپنی گھریلو زندگی کی معمولی معمولی پہلوؤں تک کو محیط تھی، اس معاملے میں نہ وہ کسی کے مشورے کے محتاج تھے اور نہ کسی کی رہ نمائی کے، کثیر العیال تھے، سب کی شادیاں کیں، تمام اولاد صاحب اولاد ہوگئی، مگر اب تک سب کی خبر گیری رکھتے تھے، پابندی کے ساتھ سب گھروں میں جانا اور ان کی ضرورتوں سے آگاہ رہنا ان کی اضافی خصوصیت تھی، محلّے کی مسجد کا انتظام وانصرام بھی ان کے ہاتھ میں تھا، یہ نظام بھی خوش اسلوبی کے ساتھ چلایا کرتے تھے، ان کی ایک بہن نوعمری میں بیوہ ہوگئیں تھیں، بچّے چھوٹے تھے، بہ ظاہر گذر اوقات کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، انہوں نے گھر پر رہ کر ہی کپڑوں کی تجارت شروع کی، اس تجارت میں مولانا کی بڑی مدد رہا کرتی تھی، سالہا سال تک مولانا جمعہ کے دن سہارن پور جاتے، اور اپنی بہن کے لیے کپڑا خرید کر لاتے، اس تجارت کا پورا حساب کتاب رکھنا بھی مولانا ہی کے ذمے تھا، صلۂ رحمی کی یہ ایک اعلا مثال ہے، ان کا اپنے تمام رشتہ داروں کے ساتھ کچھ اسی طرح کا معاملہ تھا؛ بلکہ وہ اہل محلّہ کے بھی بڑے ہمدرد و غم گسار تھے۔

تواضع:

ہم نے کتابوں میں اپنے بزرگوں کے بہت سے واقعات پڑھے ہیں، ان میں کچھ واقعات ایسے بھی ہیں جہاں کچھ لمحوں کے لیے آدمی ٹھہر کر سوچنے لگتا ہے کہ کیا واقعی اس طرح کے بے نفس اور متواضع انسان بھی دنیا میں موجود رہے ہیں، جو ایک طرف علم وفضل اور زہد وتقوی میں یگانہ تھے تو دوسری طرف ان کا دل جذبات اخوت ومودت سے بھی لبریز تھا، مثال کے طور پر دارالعلوم دیوبند میں ایک بڑے

عالم، نہایت متقی اور پرہیزگار شخص گزرے ہیں، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ، نہایت پائے کے عالم، بڑے عابد وزاہد، دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ افتاء کے صدر تھے، بلا مبالغہ لاکھوں فتاوی ان کے قلم سے لکھے گئے، ان کے فتاویٰ کی لگ بھگ سولہ سترہ جلدیں چھپ چکی ہیں، خدا جانے اور کتنی جلدیں چھپیں گی، ہم تصور کرسکتے ہیں کہ مفتی صاحب کی زندگی کتنی مصروف رہی ہوگی، شاید ہی کوئی لمحہ فرصت کا ملتا ہو، مگر ان کا حال یہ تھا جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ نے اور دوسرے بزرگوں نے لکھا ہے کہ وہ صبح سویرے دارالعلوم جانے سے پہلے محلّے کے گھروں پر دستک دے کر معلوم کیا کرتے تھے کہ تمہیں بازار سے کچھ منگوانا تو نہیں ہے، میں بازار جارہا ہوں، گھروں کی عورتیں اپنے تھیلے مفتی صاحب کو پکڑا دیتیں، کوئی گوشت ترکاری لانے کے لیے کہتی، کوئی کپڑا لتا لانے کی فرمائش کرتی، کوئی کچھ منگواتی، کوئی کچھ، مفتی صاحب بے چارے سب کی مطلوبہ سامان کی فہرست ذہن میں تیار کرتے یا کاغذ پر لکھتے خدا معلوم کیا کرتے ہوں گے، بہ ہر حال محلّے کی عورتوں کا سامان لینے چل دیتے، اور لدے پھندے واپس آتے، بعض عورتیں سامان دیکھ کر سر پیٹ لیتیں اور کہتیں مفتی صاحب آپ تو سامان ہی صحیح نہیں لائے، گوشت خراب ہے، سبزی گلی ہوئی ہے، یا میں نے فلاں چیز اتنی کہی تھی آپ اتنی لے آئے، میں نے فلاں رنگ کا کپڑا لانے بھیجا تھا آپ یہ اُٹھا لائے، مفتی صاحب خاموشی کے ساتھ یہ شکایتیں سنتے، واپس جاتے اور دوبارہ سامان لاکر دے دیتے، اللہ اللہ یہ بے نفسی، کبھی کبھی دل میں یہ خیال آتا ہے کہ سوانح نگاروں یا وقائع نویسوں نے اپنے ممدوح کی تعریف وتوصیف میں مبالغے سے تو کام نہیں لیا، بھلا اتنا بڑا عالم، صدر مفتی، اپنے وقت کا مصروف ترین انسان اس طرح بازار سے سامان لاکر دے گا، لیکن مولانا خورشید عالمؒ کی زندگی کی مصروفیات دیکھ کر یہ یقین ہوجاتا تھا کہ واقعی اُس وقت تو بالیقین ایسے لوگ رہے ہوں گے جب اس خودغرضی کے دور میں موجود ہیں۔

محلّہ بڑے بھائیان کے قاری رفعت قاسمی نے راقم السطور سے خود بتلایا کہ جب ہم چھوٹے تھے تو ان کی والدہ ہم سے کہتیں جاؤ ماموں خورشید کو بلا کر لاؤ، ان سے کوئی عزیز داری نہ تھی، بس محلّے داری تھی، ہم بلا کر لے آتے، ہماری والدہ ان کو بازار کے کئی کام بتلادیتیں، اور مولانا خورشید عالم صاحبؒ جاکر مطلوبہ سامان لے آتے، خرید وفروخت کرنا کوئی معیوب بھی نہیں، یہ تو نبی علیہ السلام کی سنت ہے، بشرطیکہ بازار میں بس اسی مقصد کے لیے جایا جائے، مولانا خورشید عالمؒ بازار میں بہت نظر آتے تھے، قصاب کی دکان پر بھی بیٹھے ہوئے دکھلائی دیا کرتے تھے، آخری دن بھی اپنے گھر کا گوشت لے کر آئے، مگر بازار میں

چلتے پھرتے جن لوگوں نے بھی انہیں دیکھا ہے ہمیشہ ان کی زبان کو تلاوت کلام اللہ میں مشغول دیکھا ہے، واقعی وہ بعض خصوصیات میں نمونۂ اسلاف تھے۔ ع: ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است:

بنیادی طور پر مولانا صرف مدرس تھے، انتظامی صلاحیت ان کی اضافی صفت تھی، وعظ وتقریر تصنیف وتالیف کا نہ انہیں ذوق تھا نہ فرصت تھی، اور نہ وہ ان چیزوں میں لگنے کی ضرورت محسوس کرتے تھے، اس زمانے کے اکثر مدرسین کا یہی حال تھا، حضرت مولانا معراج الحق دیوبندیؒ، حضرت مولانا حسین احمد بہاریؒ، حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندیؒ، حضرت مولانا شریف حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا عبد الاحد دیوبندیؒ، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ، حضرت مولانا زبیر احمد دیوبندیؒ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ حضرات اسی قبیلے کے افراد تھے جن کا کام صرف پڑھنا پڑھانا تھا، میرے علم میں حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ کی کوئی تصنیف نہیں ہے، البتہ انہوں نے حضرت مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنویؒ کے مجموعہ فتاوی کی ترتیب نو کا کام انجام دیا ہے، دیوبند کے کسی ناشر نے اُن سے فرمائش کی تھی کہ اس مجموعے میں شامل عربی اور فارسی فتاوی کا ترجمہ کردیں، مولانا نے بڑی دیدہ بینی اور عرق ریزی کے ساتھ یہ کام انجام دیا، جو فتاویٰ پہلے سے اُردو میں تھے ان کو علی حالہ باقی رکھا، باقی کو اُردو کے قالب میں ڈھالا، قرآن وحدیث سے جس قدر دلائل پیش کئے گئے ہیں ان کا ترجمہ بھی تحریر فرمایا، بعض مواقع پر فقہی عبارتوں کا بھی ترجمہ کردیا، ہر مسئلے کا عنوان قائم کرکے اصل مسئلے سے پہلے لکھ دیا، پھر فقہی کتابوں کی ترتیب پر یہ تمام مسائل مدوّن اور مرتب بھی کردئے، اس طرح یہ مجموعہ فتاوی طالبین افتاء کے لیے لائق استفادہ ہوگیا، لگ بھگ ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ ہندو پاک کے تجارتی کتب خانوں سے لگاتار چھپ رہا ہے، پاکستان کے بعض اداروں نے صحاح ستہ کے اُردو تراجم شائع کئے ہیں، ان میں سے بعض ترجموں پر مولانا نے نظر ثانی بھی کی ہے، یہ ترجمے بھی مولانا کی نظر ثانی کی صراحت کے ساتھ پاکستان اور ہندوستان دونوں جگہ سے چھپ چکے ہیں، بہ قول مہتمم دار العلوم دیوبند حضرت مولانا ابو القاسم نعمانی ''ان کی تصانیف ان کے ہزاروں شاگردوں کی شکل میں موجود ہیں'' واقعی یہ بات درست ہے، جب تک لیل ونہار کی گردش رہے گی اور مدارس اسلامیہ کا وجود باقی رہے گا ان بزرگوں کا فیض اسی طرح پھیلتا رہے گا۔ بہ قولِ شاعر

قد مات قوم وما ماتت مکارمھم
وعاش قوم وھم فی الناس اموات

مولانا محمد حنیف مظاہریؒ

مولانا محمد احکام قاسمی

مولانا محمد حنیف مظاہری سابق مہتمم مدرسہ خادم العلوم باغونوالی دجھیڑی نے طویل علالت کے بعد بدھ کی شب تقریباً ساڑھے دس بجے ۱۸؍جنوری ۲۰۱۲ء میں داعی اجل کو لبیک کہا، ان کی رحلت سے بزم علم و تحقیق سنسان ہوکر رہ گئی، موصوف جامعہ مظاہر علوم کے فاضل قدیم، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے تلمیذ رشید اپنی سادگی، سادہ مزاجی اور سادہ دلی کے لحاظ سے بڑی عظمتوں کے حامل تھے، درس وتدریس اور مدرسہ کے منصب اہتمام پر فائز ہونے کے باوجود علم حاضر تھا، تفسیر وحدیث پر گہری دسترس رکھتے تھے، موصوف اس وقت اپنے باکمال اسلاف کی یادگار تھے۔

ولادت اور تعلیم

مولانا مرحوم کا اس جہان رنگ وبو میں ورود مسعود ۱۹۲۲ء کو ہوا۔

پانچ برس کی عمر میں آپ کے تعلیمی سفر کا آغاز ہوا، گاؤں کے مکتب میں قاعدہ بغدادی اور قرآن کریم ناظرہ کی تعلیم مکمل کی پھر آپ نے حفظ قرآن سے لے کر شرح جامی تک جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ میں حاصل کی۔

حفظ کے دوران اپنی کند ذہنی کے باعث کبیدہ ہوکر تعلیم چھوڑ دی اور اپنے گاؤں پہنچ کر آبائی پیشہ کاشتکاری میں مصروف ہوگئے، حضرت مولانا محمد حشمت سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ کو اس کی اطلاع ملی تو گاؤں پہنچ کر کھیت سے واپس مدرسہ لے آئے اور دعاء دی، اس دعاء کی برکت سے آپ کی کند ذہنی رفع ہوگئی۔

فارسی وعربی کی تعلیم

جب آپ حفظ قرآن کریم سے فارغ ہوگئے تو آپ نے فارسی وعربی میں داخلہ لیا، گلستاں بوستاں

سعدی وغیرہ فارسی کی بہت ساری کتابیں پڑھیں، چنانچہ فارسی زبان میں تو آپ کو اتنی بصیرت ومہارت ہوگئی تھی کہ فارسی کے شاعر بن گئے تھے، شرح جامی تک کی تعلیم آپ نے جامعہ ریڑھی تاجپورہ میں ہی حاصل کی۔

پھر اپنی علمی تشنگی کو بجھانے کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اس دارالعلوم کا منصب اہتمام حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے ہاتھوں میں تھا یہ وہ زمانہ تھا جس میں بڑی بڑی نابغہ روز گار ہستیاں اپنے علوم وعرفان سے طالبان علوم کے دلوں کو مجلی ومصفی کر رہی تھیں دو سال تک آپ یہاں کے علوم ظاہرہ وباطنہ سے سیراب ہوئے اور مختصر المعانی تک اپنے تعلیمی مرحلہ کی تکمیل کی۔

پھر بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے مرحوم نے دارالعلوم دیوبند کو چھوڑ دیا اور ۱۹۴۶ء کو ایشیاء کی دوسری عظیم دینی درسگاہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور تعلیم کے آخری منازل طے کرتے ہوئے آپ نے مظاہر علوم سے ۱۳۶۵ھ مطابق اگست ۱۹۴۷ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، مظاہر علوم میں جن اساتذہ کے علوم وفنون سے آپ فیضیاب ہوئے ان کے نام نامی یہ ہیں ،جلالین شریف کا نصف حصہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ سے اور نصف حصہ مولانا امیر احمد صاحب سے مشکوۃ شریف ہدایہ اولین مولانا الحاج قاری مفتی سعید احمد صاحب اجراڑوی سے سے پڑھی۔

دورۂ حدیث شریف میں بخاری شریف جلد اول وابوداؤد شریف کامل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے، بخاری شریف جلد ثانی حضرت ناظم جناب مولانا عبداللطیف صاحبؒ، مسلم شریف جناب مولانا منظور احمد خانصاحبؒ سے، ترمذی شریف وطحاوی شریف مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری سے نسائی شریف وابن ماجہ حضرت مولانا الحاج الشاہ اسعد اللہؒ نائب ناظم سے۔

رفقاء مظاہر علوم

مظاہر علوم میں جن رفقاء واحباب کے ساتھ آپ کی نشست وبرخاست رہی، ان میں مولانا شریف احمد سہارنپوری، مولانا صدرالدین عامر (پسر مولانا حکیم محمد طیب صاحب) رام پوری، مولانا عبدالمالک (سابق نائب مہتمم مالیات مدرسہ مظاہر علوم) سہارنپوری، مولانا محمد ذاکر باغونوالی، مولانا قمر احمد (پسر حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ) ہیں۔

درس وتدریس

مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور سے فارغ ہوتے ہی آپ کے استاذ محترم جناب مولانا حشمت علی صاحبؒ نے فوراً آپ کو اپنے مدرسہ ریڑھی بلالیا، تدریس کے لئے آپ کا تقرر عمل میں آیا، ویسے تو فارسی کی اکثر کتابیں آپ کے زیر درس رہیں تاہم ان میں گلستاں بوستاں ومثنوی مولانا رومؒ کو اولیت حاصل ہے، اس طرح آپ ایک عرصہ تک فارسی میں گل کھلاتے رہے۔

مدرسہ خادم العلوم

آپ کے مشفق استاذ حضرت مولانا حشمت علیؒ نے آپ کو یکم جنوری ۱۹۵۵ء ۱۳۷۴ھ میں ۶۰ /روپے مشاہرہ پر مدرسہ خادم العلوم کا مہتمم بنا کر بھیج دیا، آپ وہاں جانے کے لئے تیار نہ ہوئے کیونکہ مدرسہ خادم العلوم اس وقت ایسے پرآشوب اور پرفتن حالات سے گزر رہا تھا کہ وقت کے بڑے بڑے علماء حضرات بھی اس وادئ پرخار میں قدم رکھتے ہوئے گھبراتے تھے حتی کہ جو بھی اس وقت مدرسہ کا ذمہ دار بنا کر لایا جاتا، چند ماہ گزار کر ہی راہ فرار اختیار کرتا، مگر استاذ نے ان کو تسلی دی اور کہا کہ اگر طبیعت نہ لگی تو چھوڑ کر چلے آنا، مرحوم نے جوں ہی وہاں پر قدم رکھا تو ان کے قدوم اس سنگلاخ وادی میں بڑے عزم واستقامت کے ساتھ جمے ہوئے نظر آئے اور آپ نے یہاں کی خدمت کو اوڑھنا بچھونا بنالیا، آپ کی بے پایاں جدوجہد کے اثرات چند ہی دنوں میں نظر آنے لگے۔

مدرسہ خادم العلوم بام عروج پر

جس وقت سے آپ نے خادم العلوم باغونوالی میں قدم رکھا اس وقت سے تادم حیات آپ مدرسہ خادم العلوم سے بحیثیت مہتمم وشیخ الحدیث منسلک رہے۔

شہرت پسندی سے اعراض

حضرت مرحوم شہرت پسندی، جاہ طلبی، پارٹی بازی عہد حاضر کی گندگی آمیز سیاست ذاتی منافع اور شخصی اغراض کے پیش نظر ضمیر فروشی اور مصلحت کی چادر میں لپٹنے سے دور اور کوسوں دور تھے......اس مرد مجاہد نے باغونوالی کو بام عروج تک پہنچانے میں تمام تر صعوبتیں برداشت کیں اور ہزاروں تلخ گھونٹوں کو

آب حیات کی طرح پیا۔ چنانچہ آپ کی بوڑھی ہڈیوں نے تا دم حیات ہر طرح کی مشقت برداشت کی، دوڑ ودھوپ کے چکر بھی کھائے، اغیار سے نہیں بلکہ احباب سے گالیاں بھی سنیں، یوں تو آپ نے اپنی خلوص وللّٰہیت اور جفاکشی سے ایک مکتب کو جامعہ تک پہنچادیا اور دورۂ حدیث اور تخصص فی الادب اور وقیع دارالحدیث کا قیام آپ کی خدمات کا سنہرا باب ہے۔

مولانا حنیف کی وفات ایک بڑا حادثہ

اس بلبل ہزار داستان زندگی کا جو ایک قصہ گلہائے رنگارنگ کی صورت میں ناچیز نے ناظرین کے سامنے پیش کیا، حقیقت یہ ہے کہ ان کی زندگی کا ایک صفحہ بھی نہیں ہے بلکہ اان کے فیضان علم وعمل کے سیلاب تلاطم خیز کا ایک قطرہ ہے، ہم نے ان کے دورِاہتمام کی خصوصیات، نیز ان کے تلامذہ ان کے دوسرے بے پایاں کارناموں کو یکسر نظرانداز کردیا ہے۔

ایک زمانہ تک علم وعمل کا یہ ابر کرم صرف باغونوالی ہی پر بلکہ تمام قوم پر برستا رہا، بالآخر ۱۸رجنوری ۲۰۱۲ء بدھ کی شب تقریباً ساڑھے دس بجے یہ آفتاب منور ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، آپ کی رحلت اس کارگاہ حوادث کا ایک واقعہ نہیں بلکہ آپ کی موت علم وادب فضل وکمال تحقیق وتدبر کی موت ہے، ایک دبستان علم وفکر کا ختم ہوجانا ہے اور ایک زبردست مربی، مخلص بزرگ اور محبت وشفقت کے پیکر کا اٹھ جانا ہے۔

آپ کی نماز جنازہ آپ کے جانشین جناب حضرت مولانا حامد حسن صاحب مدظلہ مہتمم خادم العلوم نے پڑھائی، مرحوم کے لئے آخری آرام گاہ گاؤں کے ایک مخلص نے اپنے باغ میں طے کرکے اپنی پوری والہانہ محبت کا اظہار کیا، یقیناً آپ کی وفات سے ایک بڑا خلا پیدا ہوا ہے، یوں بھی موت العالم موت العالم ہے، بظاہر اسباب ملت کا بڑا نقصان ہے جس کی تلافی مشکل ہے۔

آتش اندر آشیاں بے رحم صیاداں
در گلستاں مشتے خارے داشتم نہ گزارند

جانے والے پر خدا کی رحمت سایہ فگن ہو اور اس نجیب وکریم پر بے پایاں کرم والتفات کی ضیا پاشیاں ہیں۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆

حضرت مولانا حکیم عبدالحمید بستویؒ

ناصرالدین مظاہری

موت اور زیست کی جنگ میں ایک بار پھر موت کی جیت ہوگئی اور ۶۵؍سال تک زندگی کے سرد وگرم موسم کو جھیلنے کے بعد نامور حکیم اور عالم دین حضرت مولانا عبدالحمید بستویؒ بھی حرکت قلب بند ہوجانے کے باعث انتقال فرما گئے۔

اندھیرا چھا گیا، سورج چھپا مغرب کی ظلمت میں
تھکا ہارا، مسافر سوگیا مغرب کی ظلمت میں

متوسط القامت، گندمی رنگ، سر پر دو پلی ٹوپی، ہنستا مسکراتا چہرہ، سوچ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں، کم گو، پر گو، وقار ومتانت چہرے بشرے سے ہویدا، علمی ودینی میدان میں معتبر نام، طبی میدان میں عزت وعظمت کی بلندیوں پر فائز اور مختلف خوبیوں اور کمالات سے متصف حکیم عبدالحمیدؒ ضلع بستی کے رہنے والے تھے۔

ضلع بستی قدیم ترین ضلع ہے جو جنگلوں اور بیابانوں پر مشتمل علاقہ تھا، اس کا اصل نام ایک غیر مسلم رشی بابا کے نام پر وشیش ناتھ نام تھا پھر مدت بعد ۱۶؍ویں صدی میں کاغذات میں اندراج ہوا اور ۱۸۶۵ء میں موجودہ شہر بستی کو ضلع کا ہیڈ کوارٹر (مرکز) منتخب کیا گیا۔

اس ضلع کے ایک طرف سدھارتھ نگر، دوسری طرف امبیڈکر گر، ایک طرف سنت کبیر نگر اور دوسری گونڈہ نامی اضلاع واقع ہیں۔

آپؒ دارالعلوم دیوبند ہی کے فارغ التحصیل تھے، فراغت کے بعد طب وحکمت کی تعلیم حاصل کی اور دارالعلوم دیوبند کے طبیہ کالج میں تدریسی خدمات کے ساتھ علاج ومعالجہ کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دیں۔

کچھ مدت بعد دارالعلوم دیوبند کے عظیم الشان کتب خانہ کی ذمہ داریاں متعلق کی گئیں اور حکیم صاحب اپنی فراست، دوراندیشی، یادداشت کی پختگی اور سلیقہ وہوشمندی کے باعث بہت جلد حسن انتظام مشہور ومتعارف ہوگئے، اتنے بڑے کتب خانہ کی ذمہ داریاں آپ نے اس طرح نبھائیں کہ اپنے پرائے سبھی حکیم صاحب کی تعریف کرنے پر مجبور ہوگئے۔

دراصل آپ علمی لائن کے آدمی تھے، کتابوں سے شغف آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، مزاج بھی علمی تھا، درس وتدریس میں اچھا خاصا وقت بھی لگا چکے تھے، اس لئے تدریس سے ہٹ کر جب انتظامی تفویض کی گئیں تو دل کے ہاتھوں مجبور اور مصلحتی تقاضوں کے باعث خاموش رہے، اسی خاموشی کو آپ نے زندگی بھر دل وجان سے لگائے، کبھی بھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے اور بقول شاعر

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

حالات کی نزاکتوں اور ماحول کی کثافتوں کا آپ کو بخوبی احساس تھا اس لئے آپ نے اس سلسلہ میں کوئی پیش رفت نہیں کی، نہ ہی کسی کے سامنے کاسۂ گدائی لے کر حاضر ہوئے، نہ ہی بے جا سفارش اور دباؤ کا سہارا لیا اور ''خودی نہ بیچ غریبوں میں نام پیدا کر'' کو گلے سے لگا کر خاموشی اور سادگی کے ساتھ کتب خانہ کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے، آپ بہترین عالم تھے لیکن حکیم سے زیادہ مشہور ہوگئے۔

غالباً ۱۹۹۶ء کی بات ہے، میرے استاذ شیخ الادب حضرت مولانا اطہر حسینؒ نے ادیب الہند حضرت مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ کے حالات اور کارناموں کو یکجا کرنے اور مضمون کی شکل میں شائع کرنے کا حکم دیا تو تحقیق وجستجو کے سلسلہ میں سب سے پہلی بار دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں حاضری کا موقع ملا، اس سے پہلے کسی کام سے کبھی جانا نہ ہوا تھا، دارالعلوم کے دفاتر میں ایک بات جو کم از کم میں نے نوٹ کی ہے وہ یہ کہ وہاں کے اساتذہ تو ماشاء اللہ بہت ہی بارعب، متشرع، مہذب اور بااخلاق ہیں لیکن وہاں کے دفاتر کا معاملہ بالکل برعکس ہے، سب سے پہلی بات جو میں نے دیکھی کہ وہاں دفاتر میں بیٹھے حضرات مولوی کم منشی زیادہ محسوس ہوتے ہیں، نہ تو ان کا حلیہ ہی شرعی ہوتا ہے نہ ہی وضع قطع صحیح ہوتی ہے، چہروں پر برائے نام ڈاڑھی، ٹخنوں سے نیچے پاجامہ اور تنگ وچست لباس کو دیکھ کر نہیں لگتا کہ میں ایک عظیم الشان تعلیم گاہ میں بیٹھا ہوا ہوں۔

کتب خانہ میں داخل ہونے کے بعد میری نظر حکیم صاحب پر پڑی تو سوچا کہ یہ صاحب تو متشرع، خوش اخلاق اور ملنسار ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صاحب ''حافظ جی'' ہوں گے، مگر جب میں نے اپنے آنے کی غرض بتائی اور یہ بھی بتایا کہ میں مظاہر علوم وقف سہارنپور سے حاضر ہوا ہوں تو برجستہ فرمایا کہ پھر تو شاید آپ کو اپنا مطلوب یہاں نہ مل سکے، میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ مظاہر علوم (وقف) کا کتب خانہ کتابوں کے لحاظ سے یہاں سے زیادہ بڑا ہے اور حضرت مولانا فیض الحسنؒ کا یہاں سے تعلق بھی نہیں رہا ہے، میں نے عرض کیا کہ ٹھیک

ہے لیکن مولانا فیض الحسنؒ کا دوستانہ تعلق حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے بہت زیادہ تھا جس کے کئی قصے ارواح ثلثہ میں لکھے ہوئے ہیں تو حکیم صاحب خاموش ہوگئے اور فرمایا کہ مجھ سے جو ہوسکے گا تعاون کروں گا، میں نے جن کتابوں کی فرمائش کی ان میں سے کچھ عنایت فرمادیں اور کچھ کے بارے میں صاف فرمادیا کہ یہاں نہیں ہیں، شفاء الصدور جو ہندوستان کا سب سے پہلا عربی ماہنامہ ہے جس کو حضرت مولانا فیض الحسن نے جاری فرمایا تھا، اس کے شمارے تصور سے بہت ہی کم وہاں مل سکے، میں نے عرض کیا کہ ماہنامہ دارالعلوم کے پرانے شمارے تو مل ہی جائیں گے فرمایا کہ فلاں حلقہ میں خود ہی دیکھ لو میں نے تلاش بسیار کے بعد ایک شمارہ حاصل کر ہی لیا جس میں حضرت مولانا فیض الحسنؒ کے بارے میں مولانا مصطفےٰ حسن علویؒ کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، حکیم صاحب کو دکھلایا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ جب اتنی لگن سے تلاش کرسکتے ہو تو ضرور کامیاب ہوگے، بعد میں یہ مضمون ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم میں سات قسطوں میں ۴۰ر سے زائد صفحات پر بالاقساط شائع ہوا۔

اس کے بعد جب کبھی دیوبند جانا ہوا تو حکیم صاحب سے ضرور ملاقات کی، بوقت ملاقات بشاشت، خندہ پیشانی، خندہ جبینی اور انشراح کے ساتھ ملتے، چائے وغیرہ ضرور پلاتے تھے۔

اس تعلق میں روز بروز استحکام آتا گیا اور پھر بے تکلف کتابوں یا اس کی تربیت کے بارے میں عرض کرتا تو توجہ کے ساتھ سنتے تھے، بہت سی کتابیں وہاں بھی متعلقہ فن کے بجائے دوسرے فنون میں درج ہیں بعض کی نشاندہی کی تو فرمایا کہ اس طرح تو وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا کئی قسم کے کاموں کا متقاضی ہوگا مثلاً متعلقہ تمام رجسٹروں سے نام کاٹا جائے اس کی وہاں وضاحت کی جائے پھر نئے رجسٹروں میں اندراج ہو اور یہاں بھی سابقہ رجسٹر کا حوالہ لکھا جائے اس سے آپ یقیناً سمجھ گئے ہوں گے بہت مشکل پیش آئے گی۔

دارالعلوم کے مخطوطات کے حصہ کی کیفیت مزید ناگفتہ بہ ہے، بار بار آمد ورفت کے دوران میں نے ایک منظر ایسا بھی دیکھا جس کا لکھنا دارالعلوم کے مفاد کی خاطر بہت ضروری ہے، ہوا یہ کہ ایک صاحب جن کی شناسائی بعض ذمہ داران کتب خانہ کے ساتھ تھی، حاضر ہوئے پانی کا مطالبہ کیا، پانی پیش کیا گیا، انہوں نے نصف گلاس پانی پیا، باقی نصف اسی حصہ مخطوطات کے ٹاٹ پر بے توجہی کے ساتھ پھینک دیا، یہ دیکھ کر میرا تو موڈ خراب ہوگیا، غصہ میں وہاں سے باہری حصہ میں آیا جہاں حکیم صاحب بیٹھے ہوئے تھے ان سے پوری کیفیت بتلائی تو حکیم صاحب بھی خاموش ہی رہے۔

ایسے ہی دورانِ گفتگو میں نے عرض کیا کہ حکیم صاحب! یہاں پر مخطوطات کا جو رجسٹر ہے اس میں

جو تعداد درج ہے، مؤثق ذرائع سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ مخطوطات غائب ہیں، سرد آہ بھر کر فرمایا

بر باد گلستاں کرنے کو بس ایک ہی اُلّو کافی تھا

ہر شاخ پہ اُلو بیٹھا ہے انجام گلستا ں کیا ہوگا

پھر فرمایا کہ مولوی صاحب! دارالعلوم دیوبند نے ماشاءاللہ کتب خانہ کے لئے مستقل ایک لائبریری کی تعمیر کا کام شروع کرادیا ہے، ان شاءاللہ دو چار سال میں وہ عمارت مکمل ہوجائے گی لیکن میں بتلادوں کہ جب یہ کتابیں نئی عمارت میں منتقل ہوں گی اس وقت خدا جانے کتنی کتابیں غائب ہوجائیں گی۔

آپ کا مزاج علمی تھا اس لئے فرصت کے اوقات میں مطالعہ کتب آپ کا معمول تھا، گفتگو کے دوران کبھی کبھی ایسی نادرونایاب باتیں کہہ دیتے تھے، جن کو تلاش کرنے کے لئے اچھا خاصا وقت درکار ہوتا، علمی موشگافیاں، باریکیاں، نکتہ سنجیاں، سخن فہمیاں، احساس وادراک، سنجیدگی ومتانت، ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کا پیارا انداز سب ایک ایک کر کے یاد آرہی ہیں لیکن بقول شاعر:

سن وقت کی آواز آتی ہے وہ دورۂ غفلت ختم ہوا

ساغر کو الٹ، بربط کو اٹھا، ہنگامہ عشرت ختم ہوا

حکیم صاحب کی ظرافت میں سنجیدگی تھی، گفتگو میں شیرینی اور حلاوت تھی، آپ کتب خانہ میں جب اپنی مسند پر بیٹھتے تو وقار ومتانت دیدنی ہوتا، کبھی کبھی ایسا منظر دیکھا کہ آپ کتابوں کے درمیان گھرے ہوئے ہیں، میں نے ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا کہ کوئی طالب علم یا عملہ کا کوئی فرد تو نہیں ہے پھر حکیم صاحب سے کہا کہ حکیم صاحب! علامہ جاحظ کتابوں میں دب کر مرا تھا، مسکرا کر فرمایا کہ وہ مطالعہ کی لگن میں مرا تھا لیکن یہاں تو خدمت کی لگن ہے۔

میرے دوست مفتی محمد نعیم مظاہری الہ آبادی سے ایک دن حکیم صاحب نے پوچھا کہ: مسلمان کو احتیاطاً ہر روز تجدید ایمان اور ہر مہینہ تجدید نکاح کرنا چاہیے، یہ مسئلہ کہاں ہے، میں نے حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے پوچھا تھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار فرمادیا تھا، مفتی محمد نعیم نے فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین سے معلوم کیا تو حضرت نے شامی جلد اول منگوائی اور اندازہ کے مطابق ایک جگہ کھول کر ایک آدھ صفحہ ادھر ادھر پلٹنے کے بعد عبارت پر انگلی رکھی اور فرمایا کہ یہ ہے وہ جزئیہ، عبارت یہ تھی **والاحتیاط ان یجدد الجاهل ایمانه کل یوم ویجدد نکاح امرأته عند**

شاهدين في كل شهر مرة او مرتين ۔

بہر حال مقصد اس واقعہ سے یہ ہے کہ حکیم صاحب کو علمی ابحاث ، فقہی جزئیات اور اہم وناگزیر موضوعات سے مناسبت تھی لیکن انہیں اس کا بھی قلق تھا۔

گھر سے تو چلے آئے ہیں بازار کی جانب
بازار میں یہ سوچتے پھرتے ہیں کہ کیا لیں

ایک دن راقم الحروف کو فون کیا کہ لکھنؤ جانا ہے، چار باغ کے پاس مسلم مسافر خانہ ہے، میرے تعلقات ہیں نہ ہی معلومات، اس لئے فون کر کے ایک کمرہ بک کروادو، میں نے بکنگ کی اطلاع دی تو بہت خوش ہوئے اور فون پر ہی خوب خوب دعائیں دیتے رہے۔

جو پیکر وفا تھے سراپا خلوص تھے
وہ لوگ کیا ہوئے وہ زمانہ کدھر گیا

طبیہ کالج میں تدریس کے دوران ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے، طب یونانی میں ان کے مستفیدین بھی بے شمار ہیں لیکن کتب خانہ میں آنے کے بعد ان کی خوش اخلاقی اور ملنساری کی وجہ سے ان کے مداحوں، خیر خواہوں اور دوستوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا تھا۔

افسوس کہ زندگی کی ۶۵ بہاریں جو وہ اللہ تعالیٰ سے مستعار لے کر آئے تھے، انہیں مکمل کر کے پھر وہیں پہنچ گئے۔

کبھی تیرے در، کبھی در بہ بدر، کبھی عرش پر کبھی فرش پر
غم عاشقی تیرا شکریہ ، میں کہاں کہاں سے گزر گیا

اب جب کہ حکیم صاحب ہمارے درمیان نہیں رہے تو اشک افشانی فضول ہے اور یہ باتیں نامور حکیم تھے، طبیب حاذق تھے، ماہر نبض شناس تھے اور یہ کہ ان کی رحلت سے طب یونانی میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، اس طرح کی باتیں اخبارات میں پڑھنے کو مل رہی ہیں۔ اب یہ خوبیاں بتانے اور یاد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ان کی زندگی میں اگر اس طرح کا فائدہ حاصل کیا جاتا، یونانی کالجوں میں لیکچر کے لئے مدعو کیا جاتا، یونانی دواساز کمپنیاں ان کے لئے سہولیات فراہم کرتیں اور حکیم صاحب سے فائدہ اٹھا کر قیامت تک کے لئے ان کی خدمات کو جاوداں بناتیں تب تو کوئی بات تھی لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا اور محرومیوں اور حرماں نصیبی کے سائے مزید ار ہو گئے۔

بیا بیا کہ زہر گل خمار می خیزد
خزاں برفت ، صبا مشک بار می خیزد

حضرت مولانا محمد اسلم مظاہریؒ

ناصرالدین مظاہری

زندگی اور موت کی جنگ میں بالآخر جیت اور فتح ہمیشہ موت کو ہوتی ہے، یہی الٰہی نظام ہے اور عقلی نقطۂ نظر سے بھی فتح موت ہی کو ہونی چاہیے۔موت جس قدر سچائی لئے ہوئے ہے افسوس کہ بنی نوع انسان اس سے اسی قدر غفلت برتتا ہے، حالانکہ ہر صبح وشام ہم اخبارات، ٹیلی مواصلات، انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع سے جو خبریں سنتے ہیں ان میں موت کے تعلق سے اچھی خاصی خبروں کا ذخیرہ ہوتا ہے لیکن پھر بھی یہ سچائی نہ تو ہمیں نظر آتی ہے نہ ہی ہم اس کی حقیقت میں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، نہ ہی اپنے سے پہلے والوں کی حیات وخدمات ہمارے سامنے ہوتی ہے اور قرآنی آیات بار بار ہمیں موت کی خبر دیتی ہیں مگر موت سے غفلت ہنوز برقرار رہتی ہے، احادیث میں کافی ذخیرہ صرف موت سے متعلق ہے لیکن ہم ان احادیث کو یاد کر کے احادیث دانی کا ثبوت پیش کر کے پھر غافل ہو جاتے ہیں کہ ہمیں ایک دن مرنا بھی ہے ہمیں بھی کسی کے کاندھوں پر قبرستان تک کا سفر کرنا ہے ہمیں بھی قبر کی گہرائی میں اترنا اور نکیرین کے سوالوں کا جواب دینا ہے ہمیں بھی برزخ پہنچنا ہے اور اپنے اچھے یا برے اعمال کے ساتھ اللہ احکم الحاکمین کے سامنے حاضر ہوتا ہے، وائے رے انسان! جانوروں کو عقل آجاتی ہے ذراسی ٹھوکر پر، فرشتوں کو سبق یاد آجاتا ہے ذراسی تنبیہ پر، حشرات الارض بھی کانپ کانپ جاتے ہیں، اللہ کے سامنے حاضر ہونے کے تصور پر لیکن وہ مخلوق جس کو سب سے زیادہ اور سب سے ازبر سبق یاد ہونا چاہیے وہ ہی سب سے پیچھے ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ہدایت میں بالفاظ صریح فرما دیا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ بیشک انسان خسارے میں ہے۔

موت کیا ہے؟ اس پر ایک اور دلیل پیش کر دی گئی، ایک اور عالم جلیل ہمارے درمیان سے رخصت

ہوکر ہمیں بھی اپنے بعد آنے کی دعوت دے گیا، ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق یاد کرانے کی آخری کوشش کر گیا اور اپنے کردار و عمل سے یہ بتا گیا کہ تمہیں بھی بہت جلد ہمارے پاس آنا ہے، تم بہت جلد اپنے بنے بنائے پر تکلف مکان اور عالیشان محل سے نکل کر تنہائیوں کے گھر پہنچنے والے ہو، تم اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر، اپنے عزیز و اقارب سے رشتہ توڑ کر، اپنی دولت وثروت سے رخ موڑ کر دو گز زمین کے نیچے پہنچنے والے ہو۔

عقل والے ان پے در پے حادثات سے عبرت پکڑ لیتے ہیں، ہوشیار اور ہوشمند لوگ توبہ و استغفار کے ذریعہ اپنی کوتاہیوں اور خامیوں پر چار چار آنسو بہا کر اللہ تعالیٰ کو راضی وخوش کر لینے کی کوشش کرنے لگتے ہیں لیکن جن لوگوں پر شیطان کا غلبہ ہو، جو لوگ شیطان کے بندے ہوں، جن کے ذہن و دماغ میں فرعونیت رچی بسی ہوئی ہو وہ لوگ ان پیہم حادثات وسانحات پر بھی ہوش کے ناخن نہیں لیتے، ان کی عقل اور بصیرت حقیقت میں مہر زدہ ہوتی ہے اور ایسے ہی لوگوں کے لئے سخت اور دردناک عذاب کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

خدا جانے خزاؤں کا کون سا موسم چل رہا ہے، حرماں نصیبی اور بدنصیبی کی کون سی ہوائیں چل رہی ہیں، زیاں اور نقصان کا یہ سلسلہ خدا جانے کہاں تھمے گا، ایک تو نیک علماء کی پیداوار ہی نہیں ہوتی اور جو رہے سہے علماء موجود ہیں وہ بھی یکے بعد دیگرے تیزی کے ساتھ ہمارے درمیان سے رخصت ہوتے جارہے ہیں، اب تو جانے والے اکابر کے اسماء گرامی کا یاد رکھنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے، ان کی ترتیب بھی ذہنوں میں گڈ مڈ ہونے لگی ہے، یہ حقیقت ہے کہ روئے زمین کبھی بھی اللہ والوں سے خالی نہیں رہی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بڑی برق رفتاری اور تیزی کے ساتھ علماء کرام ہمارے درمیان سے رخصت ہوئے ہیں اور ہم جتنی تیزی سے اپنے اکابر سے محروم ہورہے ہیں وہ صرف اور صرف قیامت کی علامت ہی کہا جاسکتا ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان من أشراط الساعة ان یرفع العلم ویکثر الجهل (بلاشبہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا۔ یعنی حقیقی عالم اس دنیا سے اٹھ جائیں گے یا یہ کہ علماء کی قدر ومنزلت اٹھ جائے گی) جہالت کی زیادتی ہوجائے گی (ہر طرف جاہلوں، نااہلوں، نادانوں کی بھیڑ نظر آئے گی جو اگر چہ علم و دانش کا دعویٰ کریں گے مگر حقیقت میں علم و دانش سے کوسوں دور ہوں گے)

حضرت مولانا محمد حنیف مظاہریؒ،حضرت مولانا خورشید عالم دیو بندیؒ،حضرت مولانا ابوبکر غازی پوریؒ، حضرت مولانا صفی اللہ خاں جلال آبادیؒ، حضرت مولانا امیر احمد میرٹھیؒ ،حضرت مولانا قاری امیر حسن ہردوئیؒ ،حضرت مولانا سید وقار علی بجنوری مظاہریؒ یہ وہ چندا کا بر علماء ہیں جن کے فیض اور جن کی خدمات کے جلی نقوش سے عالم اسلام فیضیاب ہورہا تھا لیکن سب ہی حضرات اس دنیا فانی سے عالم جاودانی کی طرف یکے بعد دیگرے کوچ کر گئے۔

ان للّٰہ ما أخذ و له اعطی و کل شیء عنده باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب.

اللہ کی دی ہوئی جو چیز تھی اس کو اللہ نے لے لیا اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے یہاں مقررہ وقت پر پہنچ کر رہے گی ،لہٰذا صبر کرنا چاہیے اور ثواب کی امید رکھو۔

کچھ یاس سے تسکین دل مضطر کو ہوئی تھی
پھر چھیڑ دیا زخم جگرہائے تمنا

۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ کی صبح ایک ایسی خبر کلفت اثر پردۂ سماعت سے ٹکرائی جس نے قلب وروح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا،سماعتوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ حضرت مولانا محمد اسلم مظاہری اتنی جلد ہمارے درمیان سے یوں رخصت ہوجائیں گے،ابھی تو شاید خود ان کی آنکھوں سے ان کے پیر ومرشد کی جدائی کی نمی ختم نہیں ہوئی تھی ،ابھی تو بار نظامت وخلافت نے بال و پر نکالنے شروع کئے تھے۔ابھی تو ان کی زندگی کا سورج نصف النہار تک بھی نہ پہنچا تھا،ابھی تو ان کی حیات مبارکہ کا شجر پورے طور پر سایہ دار بھی نہ ہوا تھا،ابھی تو ان کا جامعہ ان کی جدائی کا رنج برداشت کرنے کی حالت میں نہیں تھا،ابھی تو ان کا عملہ ذہنی طور پر قطعاً اس دکھ کو جھیلنے کی پوزیشن میں نہیں تھا،ابھی تو ان کے صاحب زادگان بچپن کی دہلیز سے جوانی کی منزلوں پر پورے طور پر پہنچ بھی نہ پائے تھے،ابھی تو ان کے مریدین ومسترشدین کو جی بھر کر استفادہ کی توفیق بھی نہ ملی تھی لیکن آہ:

تب پتہ چلتا ہے خوشبو کی وفاداری کا
پھول جس وقت گلستاں سے جدا ہوتا ہے

مولانا بھی ہمارے درمیان نہیں رہے ،مولانا کی چال میں بڑی سبک رفتاری تھی،ان کے کلام میں بھی تیز رفتاری تھی،ان کی تقریر میں بھی جولانی تھی،ان کی گفتگو میں بھی نہ تھمنے اور نہ رکنے کا فن تھا،ان کی

تمام اداؤں پر ایک ادا کو فوقیت حاصل تھی یعنی جو کام کرنا ہے اس کو کل کے لئے یا بعد کے لئے ٹال کر رکھنا ان کی خو کے خلاف تھا شاید یہی وجہ ہے کہ وہ اسی برق رفتاری کے ساتھ دنیاء فانی سے کوچ کرنے میں جلدی کر گئے۔

حیراں ہوں دل کو روؤں یا پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

مظاہر علوم (وقف) سے مولانا کا تعلق نسلی تھا، ان کے بڑوں کا تعلق بھی یہاں کے بڑوں سے برابر رہا، مولانا کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالمجیدؒ بھی مظاہری تھے، جامعہ کاشف العلوم کے بانی مبانی میں چند نام بے تکلف لکھے جاسکتے ہیں جن میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت حاجی محمد عمرؒ، حضرت مولانا شریف احمدؒ یہ سبھی حضرات مظاہر علوم کے اکابر سے مربوط تھے، حضرت حاجی محمد عمرؒ، حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ کے مسترشد، حضرت مولانا شریف احمدؒ بھی مظاہر علوم کے تعلیم یافتہ اور سند یافتہ عالم دین تھے تو بعض دیگر حضرات (حضرت نانکویؒ، حاجی ودود علی رئیس کیلاش پور) بھی بلا واسطہ یا بالواسطہ مظاہر علوم کے فیض یافتہ تھے۔

حضرت مولانا محمد اسلم مظاہریؒ نے ابتدائی دینیات اور حفظ کلام کی تعلیم مدرسہ فیضان رحیمی مرزاپور میں اور عربی فارسی کی تعلیم جامعہ کاشف العلوم چھٹمل پور میں حاصل کی۔

ابتدائی دینی تعلیم کے حصول کے بعد ۱۰؍شوال المکرّم ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹؍اپریل ۱۹۹۶ء کو اٹھارہ سال کی عمر میں مظاہر علوم (وقف) سہارنپور میں داخلہ لینے کی غرض سے حاضر ہوئے، یہاں حضرت مولانا علامہ سید صدیق احمد کشمیریؒ کے پاس امتحان داخلہ تجویز ہوا۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے بحث فعل مختصر القدوری، شرح تہذیب، اصول الشاشی وغیرہ کتب کا امتحان لیا اور مظاہر علوم میں داخلہ لینے کے بعد بحث اسم، قطبی، کنز الدقائق، نور الانوار، میر قطبی، تعلیم المتعلم وغیرہ کتب سے تعلیم کا آغاز کیا، پھر ۱۳۷۹ھ، ۱۳۸۰ھ میں مختلف درجات کی تعلیم کے حصول کے بعد ۱۳۸۲ھ میں دورۂ حدیث شریف پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ دورۂ حدیث شریف میں آپ کے خصوصی اساتذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا منظور احمد خان سہارنپوریؒ اور دیگر کبار اساتذہ شامل ہیں۔

آپ کے دورۂ حدیث شریف کے چند اہم رفقاء میں جناب مولانا محمد اسلام الحق اسعدی ناظم

مدرسہ دار العلوم شاہ بہلول سہارنپور، مولانا عبداللہ طارق طارق دہلوی ناظم ادارہ امور مساجد دہلی، مولانا سعید احمد مرزاپوری، مولانا قطب الدین گیاوی سابق استاذ مظاہر علوم (وقف) مولانا مجیب اللہ بستوی اور مولانا تجمل حسین گیاوی قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد آپ نے درس وتدریس کو مشغلہ بنایا اور بہت جلد درسی میدان میں مقبولیت حاصل ہوگئی، مدرسہ کاشف العلوم چھٹمل پور جو ۱۵؍محرم الحرام ۱۳۶۵ھ کو قائم ہوا تھا اور جس کے نوک و پلک کو سنوارنے میں حضرت مولانا شریف احمد صاحبؒ دن رات لگے ہوئے تھے انہوں نے مولانا محمد اسلمؒ کی ذہنی صلاحیتوں کے پیش نظر اپنے پاس بلالیا، مولانا شریف احمدؒ کو آپ جیسا ساتھی ملنا تھا کہ مدرسہ کی ترقیات کے دروازے کھل گئے، طلبہ کی تعداد میں حیرت انگیز ترقی ہوئی، تعلیمی نظام میں نہ صرف سدھار آیا بلکہ حیرت انگیز طور پر مختلف درجات وجود میں آئے، معیار تعلیم کا بلند ہونا تھا کہ قرب وجوار کے ہمدردان نے اپنے نونہالوں کو دیگر مدارس سے نکال کر یہاں داخل کرانا شروع کردیا، دور دراز سے بھی طلبہ کی کافی تعداد جمع ہوگئی تو اقامتی نظام قائم کردیا، مطبخ جو پہلے نہیں تھا، وجود میں آیا، پہلے صرف دو ایک عمارتیں تھیں اب چاروں جانب عمارتوں کا شہر نظر آتا ہے، دور دور تک مدرسہ کی عمارات کا لامتناہی سلسلہ مولانا کے عزم وعزیمت کی گواہی دیتا، صبر وثبات کی چغلی کھاتا، جہد مسلسل کی کہانی بیان کرتا اور ان کے طبع مستقیم پر اشارہ کرتا ہے۔

جیسے ہی انتقال کی خبر ملی تو حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ ناظم ومتولی مظاہر علوم وقف سہارنپور نے تمام اساتذہ وعملہ کو دفتر اہتمام میں طلب فرمایا، فوری طور پر تعزیتی نشست منعقد ہوئی، حضرات اساتذہ نے اس سانحہ پر اپنے رنج وغم کا اظہار کیا اور متفقہ طور پر ایک تعزیتی تجویز اور مکتوب تعزیت مولانا کے صاحب زادگان کے نام مرتب کرکے جنازہ میں شرکت کا نظام طے کیا گیا۔

یہ پہلا موقع ہے جب کسی کے جنازے میں مظاہر علوم کے اساتذہ وذمہ داران اتنی کثیر تعداد میں پہنچے ہیں، حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم کی معیت میں مدرسہ سے کئی گاڑیاں چھٹمل پور کے لئے روانہ ہوئیں، ہم لوگ تقریباً ۱۲؍بجے جامعہ کاشف العلوم پہنچے جہاں دور دور تک مجمع تھا، جامعہ کے اندر وباہر ہر طرف غم کا ماحول تھا، قرب وجوار کی دوکانیں بھی بند تھیں، جامعہ کے سامنے کی قومی شاہراہ بھی وقتی طور پر روک دی گئی تھی، حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ دفتر اہتمام پہنچے، مولانا محمد اسلم صاحب کے

صاحبزادگان اور اساتذہ کو اطلاع ہوئی تو فوراً دفتر اہتمام پہنچے، مولانا کے صاحبزادے مولوی محمد آصف صاحب بغل گیر ہوتے وقت خود پر قابو نہ رکھ سکے اور بلک بلک کر رونے لگے، حضرت ناظم صاحب مدظلہ صبر وحوصلہ کی تلقین فرماتے رہے، مولانا محمد آصف جس وقت بے اختیار رو رہے تھے، ٹھیک اسی وقت راقم الحروف سوچ رہا تھا کہ مولوی آصف! تم رو رہے ہو حالانکہ تمہیں ان لوگوں کو حوصلہ دنیا چاہئے جن کے ہاتھوں سے ان کا سب کچھ چھن چکا ہے، مولانا محمد اسلم کا جانا ان کا تنہا جانا نہیں ہے، خدا جانے کتنے لوگوں کی دنیا اجڑ گئی ہے کتنے ہی بچوں کے سروں سے گھنا سایہ گزر گیا ہے، کتنے ہی طلبہ اپنے کفیل سے محروم ہوگئے ہیں، کتنے ہی گھروں سے خوشیاں چھن چکی ہیں، کتنے ہی لوگ اپنے روحانی مربی کی جدائی پر گریہ کناں ہیں، مولانا کی جدائی سے کتنے ہی چولہے متاثر ہوگئے ہیں، مولوی آصف! تم آنکھوں سے آنسو بہا رہے ہو لیکن اسی مجمع میں کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو دل سے رو رہے ہیں جو تمہیں ڈھارس بندھانے کے بجائے خود سوچ رہے ہیں کہ کاش کوئی انہیں بھی تسلی کے دو بول بول دے۔

آج روٹھے ہوئے ساون کو بہت یاد کیا
اپنے اجڑے ہوئے گلشن کو بہت یاد کیا

حضرت مولانا محمد اسلم مظاہریؒ فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے اہم خلفاء میں تھے۔ حضرت فقیہ الاسلامؒ کو مولانا کی ذات پر بڑا اعتبار و اعتماد تھا یا یوں کہئے کہ مفتی صاحبؒ کے معتمد ترین افراد میں ایک نام مولانا محمد اسلم صاحبؒ کا بھی تھا تو شاید مبالغہ نہ ہوگا۔

تقریباً ۱۵؍سال سے راقم الحروف مولانا موصوف کو جانتا ہے، حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں مولانا بکثرت تشریف لاتے تھے اسی لئے رفتہ رفتہ مولانا سے تعارف ہوا اور یہ تعارف آپسی تعلق و محبت میں کب تبدیل ہوا معلوم نہیں، یہاں مظاہر علوم میں ہونے والے بعض اہم پروگراموں میں مولانا ضرور تشریف لاتے تھے، بخاری شریف کا پروگرام جو یہاں کے اہم ترین پروگراموں میں سے ایک ہے اس میں مولانا کی شرکت (اگر بیرونی سفر پر نہ ہوئے تو) یقینی تھی، بعض دفعہ مولانا کو اظہار خیال کی دعوت دی جاتی تو مولانا موصوف اپنی مادر علمی کے احساس اور پیر و مرشد گرامی کی موجودگی کے باعث مختصراً خطاب فرماتے لیکن دیگر جگہوں پر مولانا کا خطاب سننے کی توفیق ملی تو اندازہ ہوا کہ مولانا تو منجھے ہوئے مشاق مقرر اور خطیب ہیں ان کی خطابت جوش و جذبہ اور علم و معرفت سے لبریز ہوتی تھی، میں نے ایک

دفعہ فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کو مجلس میں فرماتے ہوئے سنا کہ

''مولوی اسلم کو اللہ تعالیٰ نے تقریر کا اچھا ذوق عطا فرمایا ہے ان کے خطبات کا مجموعہ بہت مفید ہے اور طلبہ کیلئے خاصے کی چیز ہے''

مولانا بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، درس وتدریس، وعظ وتقریر اور اصلاح وتربیت کے باب میں مولانا کی خدمات کے جلی نقوش ہیں جنہیں یکجا کیا جائے تو سوانح بن سکتی ہے۔

مولانا موصوف اخلاق کی بلندیوں پر فائز تھے میں نے کبھی بھی رنجیدہ یا کبیدہ نہیں دیکھا، ہر کسی سے بشاشت اور مسکراہٹ کے ساتھ ملتے، کوئی بھی مہمان پہنچ جائے، اس کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے اور اگر کوئی مظاہر علوم (وقف) سے پہنچ جائے تو مولانا کی خوشی بھی دیدنی ہوتی اور ان کا دسترخوان بھی دیدنی ہوتا، مولانا کا دسترخوان ان کے اخلاق کے مطابق وسیع تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کا حلقہ بھی کافی وسیع تھا ان کے جاننے اور ماننے والے صرف میدانی لوگ ہی نہیں تھے دامن کوہ میں رہنے کی وجہ سے پہاڑی لوگ بھی ان کے دامن فیض سے وابستہ تھے، ملک وبیرون ملک ان کے جاننے، ماننے اور چاہنے والے بہت ہیں۔

آپ نے ۱۹۸۰ء میں پہلا حج، اس کے بعد تقریباً ۹ بار مزید حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی، یوں تو آپکے مریدین اور مسترشدین کی کافی تعداد ہے لیکن آپ کے ہاتھوں پر باقاعدہ ۹ یا دس حضرات کو اجازت بیعت وخلافت حاصل ہوئی۔

آپ اخیر تک فعال ومتحرک رہے، سستی پر چستی غالب رہی، بول چال اور تقریر کے دوران ضعف کا احساس نہیں ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ نے اندرون ملک کے علاوہ دبئی، سعودی عرب، ملیشیا، سنگاپور، افریقہ، انگلینڈ، بنگلہ دیش، وغیرہ کے دعوتی اسفار بھی کئے تھے۔

دعوت وتبلیغ سے شروع ہی سے وابستہ رہے، دعوتی پروگراموں میں بالخصوص شرکت فرماتے تھے، اسی طرح علاقہ میں بھی تبلیغ کے ماہانہ پروگراموں میں خاص طور پر شرکت فرماتے تھے اور اگر کبھی سفر میں ہوتے تو اپنے معتمد حضرات کو نمائندگی کے لئے بھیجتے تھے۔

راقم الحروف وقتاً فوقتاً مولانا کی خدمت میں جاتا رہتا تھا، خاص طور پر وہاں عربی فارسی درجات کے بچوں کا امتحان لینے کی غرض سے حاضری ہوتی تھی، جب بھی حاضر ہوا، خندہ پیشانی اور فرحت ومسرت کا اظہار فرمایا، ضیافت اور تواضع میں تکلف کی حد تک نظم ہوتا، خود ہی مختلف چیزیں اٹھا اٹھا کر

دیتے اور کھلا کر خوش ہوتے، ہم لوگ چونکہ حضرت فقیہ الاسلامؒ کے غلاموں میں سے تھے اس لئے مولانا کی توجہ اپنے پیر ومرشد کی وجہ سے بطور خاص زیادہ رہتی تھی، چلتے وقت کبھی لفافہ، کبھی مٹھائی، کبھی کھجور وزمزم اور کبھی کتابیں عنایت فرماتے تھے، عرض کرتا کہ حضرت! آپ ہدیہ دیتے ہیں تو شرمندگی محسوس ہوتی ہے فرماتے کہ نہیں، ہدیہ دینا اور لینا سنت ہے اس میں شرمندگی کیسی؟

وہ جو تھی بزم صحبت احباب
اب اسے مجلس عزاء کہئے

کافی دن تک حضرت فقیہ الاسلامؒ کی عصر بعد والی مجلس میں روزانہ حاضری کا معمول رہا حالانکہ سہارنپور سے آپ کے کاشف العلوم تک ۲۴ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔

فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ کے انتقال کے بعد جب پہلی بار یہاں تشریف لائے تو سابقہ یادوں کے باعث کچھ دیر کے لئے گم صم بیٹھے رہے، اپنے مرشد کی سابقہ یادوں، شفقتوں، عنایتوں اور مہربانیوں کو یاد کرتے رہے اور بالآخر پیمانۂ صبر چھلک پڑا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، جب خاموش وپرسکون ہوئے تو فرمایا کہ دل نہیں مانتا کہ حضرت انتقال فرماگئے ہیں لگتا ہے کہ ابھی تشریف لے آئیں گے۔

اخیر عمر میں مولانا کچھ بیمار رہنے لگے تھے، لیکن اندازہ نہیں تھا کہ یہ بیماری ہی ان کی رحلت کا باعث بن جائے گی، بیماری بھی ایک بہانہ ہوتی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اپنی مقررہ ساعتوں کو گزار کر بالآخر مرضی مولیٰ از ہمہ اولی پر کاربند ہونا ہی پڑتا ہے۔

بے عبث ہے علت ومرض کا بیاں
ہاں فقط مرضئ خدا کہیے

بڑی خوبیوں کے مالک، اعلیٰ اخلاق، ملنسار طبیعت رکھنے والے فرد تھے۔

پاک دل پاک طبع نیک نہاد
مخزن مہر اور وفا کہیے

بہرحال موت تو آنی ہی تھی سو وہ آگئی اور مولانا مرحوم اس دنیائے دنیا سے ملاءِ اعلیٰ کی طرف کوچ فرماگئے۔

شغل یہی صبح وشام ہوتا ہے
قید ہوتا ہے کوئی کوئی رہا ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ انہیں ان کی شاندار خدمات کا اجر عظیم عطا فرمائے اور اپنی رضا اور اپنے حبیب کا قرب نصیب فرمائے۔ آمین

بیاد

شیخ الحدیث حضرت مولانا شیخ محمد یونس جونپوریؒ

اور

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مدظلہ

کے استاذ گرامی، مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کے امام الفرائض، سراجی کے نامور استاذ اور علم میراث کے زبردست ماہر: امام الفرائض حضرت اقدس مولانا الحاج

سید وقار علی بجنوریؒ

کے اہم حالات اور لائق رشک خدمات کا اجمالی تذکرہ

حضرت مولانا سید وقار علی صاحبؒ

مولانا محمد اعجاز عرفی قاسمی

رمضان کا مہینہ عام مدارس دینیہ کے لیے حصول چندہ کا موسم ہوتا ہے۔ چھوٹے مدارس کیا، دارالعلوم، مظاہر علوم اور ندوۃ العلماء جیسے بڑے اور مرکزی مدارس بھی اس موقع سے دور افتادہ دیہات اور شہروں میں اپنے محصلین اور سفیروں کو بھیجا کرتے ہیں، تاکہ ماہ رمضان کے مقدس موقع سے زکاۃ وصدقات اور خیرات وعطیات کی شکل میں مدارس کے لیے مالیات کی فراہمی کا مسئلہ حل کرسکیں۔ اب تو مدارس کے لیے مالیات کی فراہمی کوئی خاص مسئلہ نہیں رہ گیا ہے، حصول پیسہ کے دوسرے ترقی یافتہ ذرائع کے علاوہ، مسلمانوں کے پاس بھی مال وزر کی کمی نہیں رہ گئی ہے، لیکن ذرا ماضی کے دریچے میں جھانکیے اور آج سے چالیس پچاس سال قبل کے زمانے کا تصور کیجیے، تو پتہ چلے گا کہ چندے کی وصول یابی فرہاد کی کوہ کنی اور جوئے شیر لانے سے کم نہ تھی۔ نہ تو رسل ورسائل کی سہولت میسر تھی نہ ہی سواری کا مسئلہ اتنا آسان تھا کہ چند ساعتوں میں میلوں کا سفر طے کرلیا جائے۔

رمضان کے مہینے میں عموماً مدارس میں تعطیل رہتی ہے۔ ۱۹۷۲ء کے رمضان میں، راقم الحروف اپنے آبائی وطن کلٹی بردوان میں ہی مقیم تھا۔ ہمارے گاؤں میں سفراء اور محصلین ایک ایک کرکے آرہے تھے۔ انھی میں ایک شخصیت مولانا سید وقار علی صاحب کی بھی تھی۔ سر پر سفید ٹوپی، سفید لمبا کرتا اور ٹخنوں سے اوپر شرعی پائجامہ، دیکھنے میں انتہائی سادہ، متواضع، ملاقات ہوئی تو میں نے اپنے وطن اور اطراف کے دیہات کے مخیّر حضرات سے ان کی ملاقات کرادی اور موقع کو غنیمت جانتے ہوئے میں نے لگے ہاتھوں دعوت کردی، مولانا نے عشائیہ میرے گھر پر ہی تناول فرمایا۔ طالب علمانہ شکل وشباہت دیکھ کر انھیں یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ میں ابتدائی درجات کا طالب علم ہوں۔ پوچھنے لگے، کیوں مولوی صاحب! آگے کہاں پڑھنے کا ارداہ ہے؟ اور خود ہی جواب اور مشورہ بھی دیا کہ میاں سہارن پور چلے جاؤ اور وہیں سے عالمیت اور فضیلت کی تکمیل کرو۔ مولانا نے از راہ عنایت دو تین سطروں پر مشتمل ایک سفارشی خط بھی مظاہر علوم کے ناظم حضرت مولانا اسعد اللہ

رام پوریؒ کے نام مجھے مرحمت فرمایا۔ میں ٹھہرا چودہ سال کا طفل مکتب ، نہ مجھے سہارن پور کے مظاہر علوم کی اہمیت کا علم اور نہ اس کی شناخت بس بڑوں کی زبانی دیوبند اور سہارن پور کا نام سن رکھا تھا، ان دونوں اداروں کے مابہ الامتیاز اوصاف وخصوصیات کا مجھے قطعی شعور نہ تھا۔ نو عمری میں اتنا کس کا شعور بالیدہ ہوتا ہے کہ وہ دیوبند اور مظاہر علوم کو ان کے تعلیمی اور تربیتی سیاق سباق کے ساتھ پہچان سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ مظاہر میں طلبہ کو ظاہری علوم کے ساتھ باطنی علوم یعنی تصوف وطریقت کی راہیں بھی سجھائی جاتی ہیں۔ آخر کچھ تو وجہ رہی ہوگی کہ ہمارے عہد کے قاری صدیق صاحب باندویؒ، شاہ ابرار الحق ہردوئیؒ نے علم وعرفان کی منزلیں مظاہر علوم کی گود میں ہی طے کیں۔ جب کہ دیوبند کا سارا زور علم وعمل پر ہوتا ہے۔ یہ کوئی موازنہ اور مقابلہ نہیں، بس دیوبند اور مظاہر میں بہنے والی علم ومعرفت کی دو دھاراؤں کا ذکر مقصود ہے اور بس۔

دیکھتے ہی دیکھتے رمضان کا مقدس مہینہ گزر گیا۔ عالمیت کی تکمیل مقصود تھی، چناں چہ عید الفطر کے دو تین دن بعد ہی میں سہارن پور روانہ ہوگیا۔ سہارن پور ریلوے اسٹیشن پر اترتے ہی طالبان علوم نبوت کا ایک ہجوم امڈا آرہا تھا۔ پہلی بار طالب علموں کے اتنے بڑے ہجوم سے سابقہ پڑا تھا۔ خیر اسٹیشن سے نکل کر مدرسے پہنچے۔ پہنچ کر مایوسی ہاتھ لگی۔ پتہ چلا کہ داخلے کا وقت نکل چکا ہے اور طلبہ کی مطلوبہ تعداد پوری ہوجانے کی وجہ سے نئے داخلے بند ہو چکے ہیں۔ گھر سے دور، اجنبی شہر میں یہ خبر مجھ پر بجلی بن کر گری۔ میرے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔ بدن پر سکتہ طاری، کاٹو تو خون نہیں۔ طلبہ داخلہ نہ ملنے کی وجہ سے قرب وجوار کے دوسرے مدرسوں میں جانے اور داخلہ لینے کی فکر میں لگے تھے۔ کوئی سامان اٹھا رہا ہے۔ کوئی ساتھیوں سے الوداعی ملاقات میں مصروف ہے۔ کوئی دوسرے مدارس کی تعلیمی خوبیوں اور خامیوں پر تبصرہ کر رہا ہے۔ کوئی مقامی لوگوں سے مدارس کا پتہ اور راستہ دریافت کر رہا ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ میں نے بھی سوچا جب یہ لوگ یہاں سے مایوس جارہے ہیں۔ تو مجھے بھی روانگی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ تبھی یہ خیال آیا کہ کیوں نہ مولانا وقار صاحب سے ملاقات کی جائے اور ان کے سامنے عرض حال کیا جائے اور پھر میرے پاس ان کی سفارشی تحریر بھی تھی۔ حوصلہ کیا، جان میں جان آئی۔ لڑکوں سے معلوم کیا کہ مولانا وقار صاحب کون ہیں؟ کہاں رہتے ہیں۔ مایوسیوں نے پھر آگھیرا کہ وہ اب تک سہارن پور تشریف نہیں لائے تھے۔ خیر وہ خط لے کر اس وقت کے نائب ناظم فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خدا کا فضل وکرم یہ ہوا کہ حضرت مولانا وقار علی کی تحریر گرامی

پڑھتے ہی مفتی صاحب نے دفتر تعلیمات سے فارم داخلہ منگوا کر خانہ پری کرائی اور فوری طور پر امتحان داخلہ کیلئے حضرت مولانا محمد اللہؒ کو مامور فرمایا، مولانا عموماً وہیں بیٹھے رہتے تھے فوراً ہلکا پھلکا امتحان لے کر کامیابی کے نمبرات ثبت فرما دئے اور اس طرح حضرت مولانا وقار علی کی تحریر کی برکت سے داخلہ کا جاں گسل مرحلہ بخیر وخوبی تمام ہوا۔

تعلیمی سلسلہ شروع ہوگیا۔ مدارس تو ہر قسم کی سختی کے لیے مشہور ہیں۔ صبح سویرے بستر چھوڑ دینا ہے، وقت پر باجماعت نماز پڑھنی ہے، چوک چوراہے اور بازار سے اجتناب کرنا ہے، ہر سبق میں حاضری لازمی ہے، رات کو تکرار اور مذاکرے کا حلقہ لگانا ہے، یہاں جمعے کے علاوہ چھٹی کا تصور ہی نہیں۔ کولھوں کے بیل کی طرح بس دن بھر مدارس کی چہار دیواری میں، درسگاہوں میں گھومتے رہیے۔ مظاہر علوم تو اس معاملے میں دوسرے مدارس سے بہت مختلف واقع ہوا ہے۔ یہاں آج کے تعیش پسند عہد میں بھی اتنی سختی اور طلبہ پر وہ پہرہ بٹھایا جاتا ہے کہ الامان والحفیظ۔ کسی کو پر مارنے کی مجال نہیں۔ میں شروع سے ہی کام چور اور محنت سے جی چرانے والا تھا۔ تعلیم میں یہاں آکر بھی کٹوتی شروع کردی۔ کبھی کوئی گھنٹہ غائب تو کبھی کسی کتاب کا سبق گول۔ تجوید کے سبق میں لگاتار تین دن تک غیر حاضری کا جرم کر بیٹھا۔ دستور کے مطابق میرا جرم ناقابل معافی تھا۔ مظاہر علوم میں بات بات پر اخراج عام بات تھی۔ یوں کہیے کہ یہاں ہر طالب علم کی گردن پر اخراج کی تلوار لٹکی رہتی تھی۔ غیر حاضری کا نزلہ میرے اوپر بھی گرا اور اخراج کا پروانہ میرے نام جاری کردیا گیا۔ اس عمر میں اخراج کی مار سے میں کچھ اس طرح جز بز ہوا کہ مظاہر علوم سے جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی، اگر نہ جاتا تو نہ جانے کتنی بار اخراج کی نوبت آتی اور غالب کی زبان میں یہ کہتے ہوئے اگلے سال دارالعلوم میں داخل ہوگیا کہ:

وفا کیسی، کہاں کا عشق، جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے۔ آمدم برسر مطلب۔ مولانا وقار صاحب مظاہر علوم کے باوقار اور باصلاحیت مدرس تھے۔ طبیعت میں جتنی سادگی اور بے تکلفی تھی، صلاحیت اور استعداد میں اتنے ہی متنوع اور مختلف العلوم واقع ہوئے تھے۔ ان کی شخصیت میں غضب کا علم و ہنر پوشیدہ تھا۔ علم الفرائض کی اہم

کتاب سراجی ان کا مشہور درس تھا۔اس وقت میں نوخیز تھا، میری عمر یہی کوئی چودہ پندرہ سال تھی۔اب کیا بتاؤں کہ وہ درس وتدریس میں کیسے تھے۔وقت پیری شباب کی باتیں بڑی عجیب معلوم ہوتی ہیں۔میری کیا بساط تھی، سراجی تو اچھی عمر کے طلبہ کے بھی سر سے گزر جاتی ہے۔بس اتنا یاد ہے کہ وہ جو کچھ پڑھاتے تھے، مطالعے کے بعد پڑھاتے تھے۔لہجے میں متانت وسنجیدگی تھی۔تقریر مرتکز اور منظّم ہوتی تھی، مسائل کے ایک ایک نکتے کی تشریح وتفسیر میں اپنی پوری توانائی جھونک دیتے تھے۔

آج کل کے سائنٹفک دور میں علم وفضل کی کوئی کمی نہیں۔لیکن انسانیت اور اخلاق وہ جنس گراں مایہ ہے جس سے بہتوں کا دامن خالی ہوتا ہے۔سابقہ پڑنے پر پتہ چلے گا کہ یہ صاحب علم وفضل میں جتنے بلند ہیں، اخلاق اور باہمی سلوک میں اتنے ہی پست ہیں۔علم کی دولت تو ملی ہے، لیکن انسانیت اور حسن سلوک کے اعتبار سے انتہائی مفلس واقع ہوئے ہیں۔مولانا وقار صاحب علم وفضل کے ساتھ تقوی اور طہارت کے بھی اعلی مقام پر فائز تھے۔ملنسار اتنے کہ بس بچھے پڑتے تھے۔ان کے یہاں چھوٹے بڑے اونچ نیچ کی کوئی تفریق نہ تھی۔صبر وشکر کا پیکر مجسم۔خلوص اور حسن خلق کا چلتا پھرتا نمونہ۔میں جب بھی ان سے ملا اور ان کی پدرانہ عنایتوں اور ان کے حسن سلوک سے سابقہ پڑتا، ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ مجھے ہی اپنا بڑا تصور کر رہے ہیں اور ان کی سادگی اور تواضع دیکھ کر میرے اوپر گھڑوں پانی پڑ جاتا۔ان کی سادگی، تواضع اور ملن ساری کی وجہ سے ان کی شخصیت میں وہ مقناطیسیت تھی کہ ہر کوئی ان کی طرف آہن پاروں کی طرح کھنچتا چلا جاتا تھا۔

مولانا وقار صاحب وفاداری بشرط استواری کو اصل ایمان تصور کرتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے قدیم تعلقات کو اخیر عمر تک نبھایا۔وہ مصلحت اور ابن الوقتی سے کوسوں دور رہتے تھے۔یہاں تو لوگ بات بات پر وفاداریاں اور تعلقات کے خیمے تبدیل کر لیتے ہیں اور معمولی دنیاوی مفادات کی تکمیل کے لیے اس بے وفائی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ سامنے والے کے احسانات اور نوازشوں کا بھی انھیں خیال نہیں رہتا۔مولانا وقار صاحب زندگی بھر وفاداری کے اصول کو نبھاتے رہے۔ہزار خوف کے باوجود انھوں نے کبھی اپنا قبلہ تبدیل نہیں کیا۔وہ آج کل کی منافقانہ پالیسیوں سے بھی بیزار تھے۔تادم حیات ان کی زبان، ان کے دل اور قلب کی رفیق رہی۔وہ تصفیہ اور تزکیہ کی بھٹی میں پک کر نفس مطمئنہ کی صفت سے متصف ہو گئے تھے اور راحت و رنج اور کلفت و مصیبت میں بھی راضی برضا رہنے والے تھے۔مظاہر علوم میں

اختلافات نے سر ابھارا، نتیجہ تقسیم تک پہنچ گیا۔ وہ ہمیشہ کی طرح مفتی مظفر حسین صاحبؒ کے ساتھ سایے کی طرح رہے اور اپنے تعلقات کی آبرو کو بچائے رہے کہ یہی کسی انسان کا اصلی جوہر ہوتا ہے۔ اصلی دوست کی پہچان تو دکھ درد اور مصیبت کے وقت ہی ہوا کرتی ہے۔ آج بھی جب ان کی عنایتوں، نوازشوں اور شفقتوں کا خیال گزرتا ہے تو بے ساختہ اقبال کا یہ شعر زبان پر جاری ہو جاتا ہے کہ:

ہاں دکھادے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

آج وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کی یادوں کا سرمایہ اب بھی ہمارے ذہنوں میں محفوظ ہے۔ ان کے انتقال پر مظاہر علوم کے در و دیوار ضرور روئے ہوں گے۔ کیوں کہ مظاہر علوم کی آبیاری میں ان کا خون پسینہ شامل رہا ہے۔ انھوں نے مدرسے کو تعمیر و ترقی سے ہمدوش کرنے کے لیے اس تگ و دو کا مظاہرہ کیا ہے، جو مظاہر علوم کے بہت کم خوش نصیب اساتذہ اور ملازمین کو نصیب ہوا ہوگا۔ وہ مظاہر علوم کو ہی اپنی زندگی اور اپنی عزت و آبرو کا نشان یقین کرتے تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آج جب کہ وہ ہمارے درمیان نہیں رہے، ہمیں ان کے نقش قدم کو اپنی زندگی کا نشان تصور کرنا چاہیے۔ ان کی سادگی و استغناء، تواضع وللّٰہیت، تقوی وطہارت، مدرسے کے لیے خود سپردگی، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام؛ یہی کچھ ان کی زندگی کے حدود اربعہ تھے۔ آج کے اس مادہ پرست اور زر پسند دور میں انھی صفات کو اپنا کر دہر میں اجالا کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں ان صفات کی روشنی کو بچا کر رکھنا ہوگا، ورنہ ہمارا باطن ظلمتوں کے حصار میں آجائیگا۔

☆☆☆

امام الفرائض: چند یادیں

مفتی محمد افتخار الحسن قاسمی مظاہری

راز ہستی کی یہاں کس کو خبر ہوتی ہے
زیست ایک سلسلۂ شام وسحر ہوتی ہے

اس جہان رنگ وبو میں ہر گزرنے والا لمحہ انسان کو زندگی سے دور موت سے قریب تر کرتا ہے، یہی سانس جو سبب حیات ہے زندگی کو موت کی جانب بڑھائے جارہا ہے، یہ سالگرہوں کے جشن ہائے مسرت، اور خوشی کی مجلسوں میں بجنے والی شہنائیاں، درحقیقت موت کے خیر مقدم کے جشن ہیں، یہاں نہ کسی کو ثبات ہے نہ دوام، یہاں ہر خوشحال وخوش قامت کو کل نفس ذائقة الموت کی صدا لرزہ براندام کررہی ہے، عمر عزیز کی قیمتی ساعتوں کی سواری، اتنی تیز گام اور بے لگام ہے کہ نہ اس کے مسافر کے ہاتھ میں اس کو روکنے کی باگ ہے، نہ رفتار دھیمی کرنے کی عنان، یہاں آنے جانے کا سلسلہ اتنا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اس میں کسی کو سرمو اختلاف نہیں مگر اس آنے جانے میں کچھ اشخاص عالم انسانیت کے ایسے جوہر آبدار اور اس گلشن بشری کے ایسے گل رعنا ہوتے ہیں کہ ان کی رخصتی پر ایسا خلا ہوتا ہے جس کا پر ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے اور ان یادوں کا اتنا بڑا ذخیرہ ہوتا ہے جس کے تذکرہ کے لئے صفحات درکار ہوتے ہیں انہیں میں سے ایک عبقری شخصیت کے مالک استاذ الاساتذہ امام الفرائض حضرت مولانا سید وقار علی دھام پوری ثم سہارنپوری تھے جن کو آج ہم رحمۃ اللہ علیہ لکھ رہے ہیں۔

تقریباً ۱۳۵۱ھ میں ضلع بجنور کے قصبہ دھام پور محلّہ پہاڑی دروازہ میں سادات کے ایک غریب گھرانے میں حافظ انظار علی کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام وقار علی رکھا گیا۔

آپ کے والد محترم حافظ سید انظار علی قصبہ ہی میں چونے کے کاروبار سے منسلک تھے اور چونے ہی کی تجارت کے سلسلہ میں دہرہ دون منتقل ہوگئے تھے اور دیگر اہل خانہ تعمیر کے ماہر تھے۔

کسے اندازہ تھا کہ یہ بچہ گلشن علم کا وہ گل سرسبز بنے گا جس کی مہک صرف اس کے وطن میں ہی نہیں بلکہ بیرون ملک تک پہنچ گئے۔

بچپن

وہی بچپن جس کا ہر لمحہ شگفتہ اور جس کی ہر ساعت رحمت ہوتی ہے، بچہ محلوں کا پروردہ ہویا جھونپڑیوں میں رہنے والا، گداگر کا بیٹا ہو یا بادشاہ وقت کا لخت جگر، ہر دو کی فطرت یکساں ہوتی ہے وہ ہر فکر وغم سے آزاد ہوتا ہے، حضرت کا بچپن بھی تمام گھریلو جھمیلوں سے آزاد محلّہ کے گلی کوچوں میں گزرتا رہا یہاں تک کہ آپ کوسود وزیاں کا احساس ہو چلا۔

آغاز تعلیم

قریب تھا کہ معاشی خستہ حالی ان کی زندگی کو جہالت کے گرداب میں ڈبودے اور ان کی صلاحیتوں کو نکھرنے کا موقع ہی نہ ملے ،مگر قسمت کی خوبی اور نصرت خداوندی کہئے کہ آپ کے محلّہ ہی میں ایک مدرسہ تھا جسکا نام مدرسہ حسینیہ قاسم العلوم تھا جس کے مہتمم حضرت مولانا سید یعقوب علی دھام پوری تھے اور جامع الشریعت والطریقت حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ تھے پوری خلیفہ ومجاز شیخ حضرت مولانا محمد زکریاؒ مدرس رونق افروز تھے۔

کشاں کشاں تشنگانِ علوم نبوت آپ کا رخ کررہے تھے اور یہاں علم وعرفان کی باد بہاری چل رہی تھی گویا مدرسہ حسینیہ قاسم العلوم اطراف واکناف کا ایک علمی مرکز بنا ہوا تھا ادھر آپ کے والد محترم حافظ سید انظار علی اگر چہ حالات کی ناسازگاری سے نبرد آزما تھے مگر سینے میں قرآن کریم اور دردمند دل رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے اس بچہ کو روزگار میں اپنا سہارا بنانے کے بجائے دینی تعلیم دلانے کا فیصلہ کیا اور محلّہ کے مدرسہ آپ کو عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ کوسونپ دیا۔

ابتدائی تعلیم کے مراحل طے کرنے کے بعد اولاً آپ کو اور آپ کے چھوٹے بھائی حافظ اقرار علی کو استاد محترم نے حفظ قرآن کریم پر لگایا، مگر مصلحت خداوندی دیکھئے کہ آپ حفظ میں چل نہ سکے، لہٰذا استاذ محترم نے چھوٹے بھائی کے لئے حفظ اور آپ کے لئے فارسی کو تجویز کیا۔ فارسی کی تکمیل کے بعد علوم عربیہ کے

حصول کے لئے آپ نے اولاً مدرسہ شاہی مراد آباد جانا چاہا۔مگر استاذ محترم نے عربی تعلیم کے لئے بھی اپنے ہی پاس روک لیا کیونکہ استاذ صاحب کی دور رس نگاہوں نے شاگرد کے گلشن باطن کی علمی صلاحیتوں کے برگ وبار کی مہک کو محسوس کرلیا تھا اور پھر آپ نے شرح جامی تک کی تعلیم مدرسہ حسینیہ قاسم العلوم دھام پور ہی میں مکمل کی اور اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہے۔

فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الحسن مراد آبادیؒ نے بارہا امتحان لیا اور کلمات تحسین کے ساتھ کلمات استعجاب ارشاد فرمائے جو آج تک مدرسہ کے معائنہ رجسٹر میں درج ہیں، جب مدرسہ حسینیہ کا پہلا جلسہ ہوا جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تشریف لائے تو دیگر طلبہ کے ساتھ حضرت مولانا وقار علی صاحبؒ کو بھی حضرت شیخ الاسلام کا دست شفقت اور نظر عنایت نصیب ہوئی۔اس وقت کے آپ کے رفقاء درس میں بطور خاص حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب دھام پوریؒ، نائب مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد، مولانا محمد اقبال صاحب دھامپوریؒ اور مولانا محمد یوسف صاحب دھام پوریؒ ہیں۔

ایک گمنام خاندان میں پیدا ہونے والا یہ شخص شہرت کی بلندیوں تک یوں ہی نہیں پہنچا بلکہ فطرت کے عالمگیر اصول کے مطابق انہوں نے بھی محنت ومشقت کے وہ تمام مراحل طے کئے جو اس راہ میں شرط اول کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ کو دورانِ تعلیم گردش لیل ونہار اور بادسموم کے مخالف تھپیڑوں نے وہ دن بھی دکھائے کہ آپ اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ مل کر تعلیمی اوقات کے علاوہ محلّہ میں بسکٹ (جن کو نان خطائی کہتے تھے) فروخت کیا کرتے تھے مگر یہ گردش دوراں آپ کے مقصد عظیم میں سد راہ نہیں بنی۔

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شرر تیشہ سے خانۂ فرہاد

مظاہر علوم کو روانگی

شرح جامی تک تعلیم مدرسہ حسینیہ میں مکمل کرنے کے بعد اولاً دار العلوم دیوبند کی طرف رخت سفر باندھا مگر یہ سعادت مظاہر علوم کے حصہ میں آئی اور آپ فیض سعادت سے سعید ہوئے اور اس وقت کے جبال علوم سے اکتساب فیض کرنے کے ساتھ سب کے منظور نظر رہے اور امتیازی حیثیت سے کامیابی حاصل کر کے فارغ ہوئے۔

۱۳۷۷ھ میں مادر علمی مظاہر علوم میں تدریسی زندگی شروع کرنے کے بعد رشتۂ ازدواج میں منسلک

ہوئے، قصبہ شیر کوٹ ضلع بجنور کے ایک سادات گھرانے میں ۲؍روپیہ ۱۰؍آنے مہر پر نکاح ہوا۔ (جب کہ اس وقت آپ کی تنخواہ ۴۰ روپیہ ماہوار تھی) لیکن ازدواجی زندگی کی مشغولیات اور اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام آپ کے سفر علم میں مخل نہ ہوا، اور وہ وقت بھی آیا کہ آپ کو دنیا نے امام الفرائض تسلیم کیا اور اسی حیثیت سے نصف صدی تک ان کا طوطی افق سیاست پر بولتا رہا۔

شب بیداری

جہاں آپ کے دن علمی موشگافیوں میں گزرے وہاں آپ کی راتیں بھی عبادت اور آہِ سحر گاہی سے معمور رہیں اور بندگی کا وہ درجہ آپ کو بھی عطا ہوا جس کو اقبال مرحوم نے لذت بیداری سے شب تعبیر کیا ہے۔

واقف ہو اگر لذتِ بیداری شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاک پر اسرار
عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

آپ کے برادر صغیر اور اہل خانہ شاہد ہیں کہ جب کبھی آپ وطن تشریف لاتے تو اخیر شب میں ہم ان کو مطالعہ میں مشغول پاتے۔

بالآخر ۱۱؍فروری ۲۰۱۲ء بروز سنیچر مطابق ۱۸؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ کو یہ نفس مطمئنہ قفس عنصری سے آزاد ہو کر اپنے وطن اصلی کی طرف کوچ کر گئی، اور مظاہر علوم کے ساتھ آپ کا وطن مالوف بھی ہمیشہ کیلئے ان کے قدوم میمون سے محروم ہو گیا اور وطن مالوف کا ذرہ ذرہ زبان حال سے پکار رہا ہے۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی ہے آب وگل ایراں وہی تبریز ہے ساقی

اللہ تعالیٰ حضرت کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور امت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق اور مظاہر علوم کو نعم البدل عطا فرمائے۔



گل بار چل بسا

مفتی اسرار احمد دانش نجیب آبادی

دنیا سے کون آج یہ دلدار چل بسا ۔۔۔ لگتا ہے گل کی شکل میں گلزار چل بسا
مدت سے تھا جو عشق کا بیمار چل بسا ۔۔۔ ملت کا تھا جو محسن وغمخوار چل بسا
یہ کون آج صاحب کردار چل بسا ۔۔۔ احساں سے کر کے ہم کو گرانبار چل بسا
شاید کہ کوئی علم کا مینار چل بسا ۔۔۔ عالم کو کر کے خوب ضیاء بار چل بسا
ہے شور اپنے وقت کا فنکار چل بسا ۔۔۔ علم وعمل کا واقعی کہسار چل بسا
مظفرحسین شاہ کا لو یار چل بسا ۔۔۔ سچ یہ ہے ان کا آج یار غار چل بسا
عاشق تھا واقعی جو مظفرحسین کا ۔۔۔ وہ جاں نثار سچا وفادار چل بسا
جس نے پیا تھا جام مظاہرعلوم میں ۔۔۔ وہ میکدۂ شیخ کا میخوار چل بسا
بجنور کا وہ مرد جواں نام تھا وقار ۔۔۔ عبد الرحیم شاہ کا دلدار چل بسا
اک شجر سایہ دار کے مانند تھا جو آہ ۔۔۔ منشی نثار کا وہ مددگار چل بسا
استاذ بے نظیر تھا اپنی مثال آپ ۔۔۔ افسوس ! تھا جو قوم کا معمار چل بسا
اسلاف کی نسبت کا وہ سچا یقین تھا ۔۔۔ تھا معرفت سے خوب سرشار چل بسا
ماہر فقیہ فن فرائض کا تھا امام ۔۔۔ فخر چمن وہ صاحب افکار چل بسا
پیکر تھا خلق کا وہ سراپا انکسار ۔۔۔ تھا مدح وستائش سے جو بیزار چل بسا
سونا ہوا ہے آج چمن کس کے سوگ میں ۔۔۔ شاید کہ بلبلوں کا طرفدار چل بسا
عالم کے گوشے گوشے میں خوشبو بکھیر کر ۔۔۔ سوئے جناں لو آج وہ گل بار چل بسا
تھی وقف اس کی زندگی اوروں کے واسطے ۔۔۔ خود تھا برائے آخرت تیار چل بسا

دانشؔ خوشی کے پھول لٹاتا تھا جو یہاں
فرقت کا دے کے آج وہ آزار چل بسا

☆☆☆

مرثیہ

مولانا محی الدین مظاہری نیپال

اف مظاہر سے اٹھا علم فرائض کا وقار
اپنے علم وفن کے میدان کا وہ یکتا شہسوار

جانب دارالبقاء خود مسکرا کر چلدئے
چھوڑ کر اہل مدارس کو بہت ہی سوگوار

ایسے استاذ الاساتذہ تھے علمی موشگاف
حسن تحقیق وبیاں پر طلبہ رہتے تھے نثار

ان کے ظاہر اور باطن سے سیادت تھی عیاں
وہ تھے سید محسن و مشفق حلیم و بردبار

ناز کرتی تھی سراجی آپ کی تدریس پر
وہ امام وقت تھے اس فن میں جو عالی تبار

کتب بینی اور مطالعہ ان کی روحانی غذا
جس سے باغ زندگی رہتا تھا ان کا پر بہار

مدت تدریس ہشت وچہل سالہ میں لئے
پیدا عالم، مفتی و ناظم محدث بے شمار

ان کی سادہ زندگی پر سادگی کو ناز تھا
پر تواضع تھے مزاجاً اور مجسم خاکسار

یا الٰہی اپنے جود وفضل سے تو وقفؔ کو
کر عطا موصوف کا نعم البدل نعم الوقار

ان کی اولاد اور احفاد ان کے شاگردان کو
علم کا وارث بنا اور دے انہیں صبر وقرار

سال ہجری چودہ سو تینتیس ہے ماہ ربیع ا
روضہ جنت بناہے ان کا برزخ میں مزار

☆☆☆

مخلص وایثار پیشہ، حضرت سید وقار

اسلام انجم کاتب

مخلص وایثار پیشہ، حضرت سید وقار وضعِ اسلاف واکابر کا وہ اک آئینہ دار
جاں نثارانِ مظاہر میں مثالی جاں نثار شخصیت پر جس کی نازاں ہے مظاہر کی بہار
ایسا باکردار جس پر ناز فرمایا کریں
اس کی خدمات حسیں پر پھول برسایا کریں

تھے مظاہر کے درودیوار اس کی کائنات وقف تھی گویا مظاہر کے لئے اس کی حیات
درس ہو یا شور وغوغا منفرد تھی اس کی ذات جرأت وہمت کا وہ کوہِ گراں والا صفات
اسٹرائک کے زمانہ کا وہ رستم کون تھا؟
اس نئی افتادتک بے لوث ہمدم کون تھا؟

باوقار ومحترم تھا، اپنا اک انداز تھا پھول وہ جس پر مظاہر کے چمن کو ناز تھا
معتمد تھا شیخؒ کا، ناظم کا بھی ہمراز تھا اپنے ہم عصروں میں اپنے درس میں ممتاز تھا
فخر ہے الزام کوئی مردآہن پر نہیں
زندگی بھر داغ کوئی اس کے دامن پر نہیں

قابل تقلید ہے اس کا عمل ،اس کی لگن زندگی اس کی مظاہر اور یہی اس کا وطن
لائق تحسین ہے اس کی شفقت اس کا فن روک پائی اس کے قدموں کو کہاں کوئی تھکن
اپنے رب سے اپنی خدمت کا صلہ پائے گا وہ
آہ لیکن اب کبھی واپس نہیں آئے گا وہ

چھوڑ جاتے ہیں سلف کچھ یادگار زندگی جاتے جاتے دے گئے وہ بھی بہار زندگی
زندگی کا ماحصل ، وہ زرنگار زندگی یعنی تشریح السراجی ، شاہکارِ زندگی
خشک مٹی پر وراثت کی ، نئی برسات ہے
اہل علم وفن کی دنیا کے لئے سوغات ہے

پائی تھی آسودگی لیکن فقیرانہ رہا مادر علمی کی خدمت میں وہ دیوانہ رہا
تھا قلندر! بھیڑ میں بھی جانا پہچانا رہا زندگی بھر دھن میں اپنی مست فرزانہ رہا
سچ ہے انجم یہ فرشتے قوم وملت کے امیں
اب کتابوں میں ملیں گے یا کہیں زیر زمیں

پیکر فنا سراپائے تواضع استاذ العلماء حضرت مولانا سید وقار علی علیہ الرحمہ کی

حسین یادیں

مفتی محمد اسرار نجیب آبادی

اب سے تقریباً ۲۱؍سال پرانی بات ہے جس وقت احقر اپنے آبائی وطن نجیب آباد مدرسہ امداد العلوم میں عربی سوم کا طالب علم تھا، اس وقت اس مدرسے میں عربی درجات میں کل پانچ سات طالب علم تھے اور ایک استاذ جو ضلع بجنور کے قابل اور جید عالم دین سمجھے جاتے تھے، حضرت مولانا شرافت علی سیوہارویؒ ہم چند طلبہ اور استاذ محترم ایک درسگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دیکھا ایک بھاری بھرکم ڈیل ڈول کی شخصیت، میانہ قد، مضبوط گٹھیلا بدن، کھڑی ڈاڑھی، کشادہ پیشانی، سرخ سفید جاذب نظر چہرہ، لبوں پر مسکراہٹ، چال ڈھال میں بلا کی سادگی، تواضع وانکساری کی جیتی جاگتی تصویر، ایک لنگی اور معمولی کرتا زیب تن کئے ہوئے اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب خطیب جامع مسجد نجیب آباد کی ہمراہی میں درسگاہ میں قدم رنجہ ہوئے اور سلام ومصافحہ کے بعد ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا شرافت علی مرحوم کے سامنے سراپا ادب واحترام بن کر دوزانو بیٹھ گئے، چند منٹ کی ملاقات کے بعد واپسی کا مصافحہ فرمایا اور رخصت ہوگئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ نووارد مہمان ضلع بجنور کی مایہ ناز شخصیت مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کے جلیل القدر استاذ وناظم تعلیمات، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید وقار علی صاحب دامت برکاتہم ہیں جو اس وقت امام الفرائض سے مشہور ہیں اور فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم کے معتمد خاص ہیں۔ (رحمهما الله تعالیٰ رَحمةً واسعةً)

اس وقت ہی کیا آج بھی جب وہ منظر خیالوں میں آکر نظروں میں سماجاتا ہے تو حیرت واستعجاب کے عالم میں عقل مبہوت سی ہر کر رہ جاتی ہے ......اللہ اکبر! ایسی عظیم المرتبت شخصیت جو ایشیاء کی عظیم

درسگاہ مظاہر علوم جیسے باوقار ادارہ میں صرف ایک مدرس ہی نہیں بلکہ وہاں کے بڑے بڑے اساتذہ ومحدثین کا استاذ ہو اور نظامت تعلیمات جیسے عہدہ جلیلہ پر فائز ہو جس کے امام الفرائض ہونے کی دھوم مچی ہوئی ہو کس سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ ایک چھوٹے سے مدرسہ میں وہاں کے ایک مدرس کے سامنے پیکر عجز وانکسار اور ادب واحترام کا پتلا بن کر حاضری دے رہا ہے ۔ یہ تھی پہلی زیارت جس کی سعادت اس حقیر کو بچپن میں زمانہ طالب علمی میں حاصل ہوئی آپ کی اس صفت فنائیت اور کمال تواضع وانکساری کو دیکھ کر بے ساختہ یہ شعر زبان پر آجاتا ہے ۔

پردۂ عجز میں مخفی ہے ترا اوج کمال
خاکساری میں نہاں رتبۂ اعلیٰ تیرا

حضرت والاؒ کا یہ ادب واحترام مولانا شرافت علی علیہ الرحمہ کے لئے شاید اس لئے رہا ہو کہ موصوف آپ کے مشفق ومربی استاذ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے ہم وطن وہم عصر رہے ہیں اور اس درسگاہ میں درس دے رہے ہیں جہاں پر آپ کے استاذ محترم حضرت شاہ صاحب نے ۲۲؍سال تک علمی گل افشانیاں کی ہیں...... سطحی نظر میں یہ واقعہ اگر چہ ایک معمولی اور بے حیثیت محسوس ہوتا ہے لیکن اگر آج کے حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو واقعۃً ہم جیسوں کے لئے بڑا قابل عبرت اور سبق آموز ہے۔

آج کل کے طالبان علوم فارغ التحصیل ہونے کے بعد اساتذہ کے معاصرین ومتعلقین کے ساتھ اساتذہ جیسا ادب واحترام کا برتاؤ تو کجا خود اساتذہ کے سامنے ہمسری وبرابری کا اظہار کرنے میں دریغ نہیں کرتے اور اگر کسی بڑے ادارے میں تقرر ہو گیا یا تقریر وتحریر کی شد بدھ ہو گئی، اشتہاروں میں نام آنے لگا پھر تو ابتدائی تعلیم کے اساتذہ پر برتری کے دعوے سے بھی نہیں چوکتے بسا اوقات استاذ کو استاذ کہنا بھی باعث عار سمجھا جاتا ہے۔حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم تھے پوریؒ خلیفہ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ، مولانا وقار علی مرحوم کے ابتدائی تعلیم کے استاذ ہیں حضرت شاہ صاحب نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اولاً مدرسہ حسینیہ پہاڑی دروازہ دھام پور میں درس دیا اسی زمانے میں موصوف نے حضرت شاہ صاحب سے اس مدرسے میں از اول تا عربی چہارم یا پنجم تک پڑھا ہے اس کے بعد آپ مادر علمی مظاہر علوم تشریف لے گئے اور وہیں سے سند فراغت حاصل کی، خداداد ذہانت وفطانت، علمی لگن، محنت وجفاکشی کے ساتھ آپ کی عملی زندگی، اساتذہ کے ادب واحترام اور ان کے ساتھ ملی تعلق وعقیدت ومحبت نے آپ کو ایک جیدالاستعداد عالم دین،

نامور فاضل اور قابل استاذ ہی نہیں بلکہ یگانۂ روزگار، مردم ساز شخصیت اور استاذ الاساتذہ بنادیا۔ ؎

مٹادے اپنی ہستی کو گر کچھ مرتبہ چاہے
اسی سے اپنے بیگانوں کی پہچان ہوتی ہے

اس پہلی زیارت کے بعد دوسری بار آپ کی بے نفسی وفنائیت دیکھنے کا موقع اس وقت ملا جب کہ احقر آئندہ سال جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور میں داخلہ لے کر عربی چہارم کی تعلیم حاصل کررہا تھا، جامعہ میں تعطیل کے موقع پر وطن واپس ہوتے ہوئے مظاہر علوم وقف میں وہاں کے علمی ماحول اور تعلیمی سرگرمیوں کا نظارہ کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ طالب علمانہ مزاج وذوق وشوق کے مطابق درس حدیث (۱) کی سماعت کے لئے دارالحدیث میں جا پہنچا۔ یہ پہلا گھنٹہ تھا جس میں امام الفرائض حضرت مولانا سید وقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے منفرد لب ولہجہ بے تکلفانہ انداز کے ساتھ طحاوی شریف کا درس دے رہے تھے، گھنٹہ پورا ہوا اور چند ہی لمحات بعد فقیہ الاسلام علوم ومعرفت کے بحر ذخار حضرت شاہ مفتی مظفر حسینؒ دارالحدیث میں تشریف لے آئے اور مسند حدیث پر جلوہ افروز ہوکر ترمذی شریف کا درس دینا شروع فرمادیا، دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت فقیہ الاسلامؒ کے بازو میں مولانا وقار علی صاحبؒ طالب علمانہ انداز میں باادب دوزانو بیٹھے ہوئے ہیں اور سبق کی سماعت فرمارہے ہیں بعد میں معلوم ہوا کہ طالب علمی کا حق ادا کرنے والے شیدائیانِ علم ایسے ہوتے ہیں جو **اطلبوا العلم من المهد الی اللحد** کا مصداق بن کر اپنے محبوب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر اپنی انا کو قربان کرکے دین ودنیا میں سرخروئی حاصل کرتے ہیں اور اپنے بعد والوں کے لئے تابندہ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔

---

(۱) حضرت فقیہ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی کیفیت آج تک نظروں میں سمائی اور دل ودماغ پر چھائی ہوئی ہے جس کو الفاظ کے ذریعے واقعۃً بیان نہیں کیا جاسکتا، اس کا لطف وہی لوگ محسوس کرسکتے ہیں جنھوں نے حضرت والاؒ کے سبق میں شرکت کی ہے، ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' لگتا تھا کہ علم کا کوئی آبشار اور جھرنا ہے جس میں نہ کوئی گرج نہ گڑگڑاہٹ، شور ہے نہ شغب، اتار نہ چڑھاؤ جو پورے تسلسل کے ساتھ اپنی شبنمی بوندوں سے انسانوں کے ایک جم غفیر کو تر کررہا ہے، یا کوئی چشمہ ہے جو زمین سے ابل رہا ہے علم وعرفان کی ایسی بارش جس کے چھینٹے اس حقیر پر بھی پڑے، اس وقت کا کیف وسرور آج تک نہیں بھولا صاف محسوس ہوتا تھا کہ یہاں آورد نہیں آمد ہے احقر بلا مبالغہ عرض کرتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے کسی کی تنقیص اور بیجا تعریف سے محفوظ رکھے، میں نے بہت سے علوم وفنون کے پہاڑ اور یگانۂ روزگار محدثین کے درس میں شرکت کی لیکن حضرت فقیہ الاسلامؒ کے درس کی مثال کہیں نہیں دیکھی!

سراپائے تواضع اور مجسم انکسار کی عاجزی وفروتنی کا ایک اور واقعہ جو مذکورہ واقعہ کا عکس محسوس ہوتا ہے ملاحظہ فرمائیں اس حقیر نے ابھی چند سال قبل علم کے رسیا پیکر علوم وفنون حضرت مولانا رئیس الدین صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث مظاہر علوم (وقف) سہارنپور سے برسبیل تذکرہ عرض کیا'' آپ بھی مولانا وقار علی صاحب کے شاگرد ہیں'' تو موصوف نے فرمایا کہ عجیب اتفاق ہے باوجود مظاہر علوم میں پڑھنے کے مجھے حضرت والاؒ سے شرف تلمذ حاصل نہ ہوسکا، کئی مرتبہ ذہن میں خیال آیا کہ بڑے بڑے علماء ومحدثین بالخصوص مظاہر علوم کے کبار اساتذہ حضرت والاؒ کے شاگرد ہیں مجھے بھی یہ شرف حاصل کرلینا چاہیے چنانچہ شرف تلمذ کے حصول کی غرض سے ایک مرتبہ حضرت والا سے درخواست کی کہ مجھے الاشباہ والنظائر پڑھا دیں، لیکن آنجناب نے اپنی طبعی عاجزی وتواضع کی بناء پر انکار فرمادیا اور باوجود اظہار وخواہش واصرار کے اس درخواست کو قبول نہیں فرمایا...... یہ ہیں وہ مولانا وقار علی بجنوری جو مظاہر علوم جیسے عالمی شہرت یافتہ ادارہ کے اس محدث وناظم تعلیمات اور امام الفرائض ہونے کے باوصف حضرت فقیہ الاسلامؒ کے درس میں اپنے شاگردوں کے سامنے بےتکلف شریک ہوکر حضرت فقیہ الاسلام کی شاگردی کو اپنے لئے باعث سعادت اور قابل صد افتخار سمجھتے ہیں اور خود مدرسہ کے ایک علیا کے استاذ کی عظمت ووقار کے پیش نظر خلوت میں بھی استاذ بننا پسند نہیں فرماتے۔

خود کو عاجز ونااہل، کمترین خلائق، احقر اور خاکسار کہنے والے تو سبھی ہیں لیکن اپنے آپ کو ایسا سمجھنے والے خال خال ہی نظر آتے ہیں، حضرت مولانا سید وقار علی علیہ الرحمہ کی ذات قدسی صفات انہی نفوس قدسیہ میں سے تھی جو خود کو عاجز وخاکسار کہنے والے نہیں بلکہ سمجھنے والے تھے جس کی شہادت آپ کے شفیق ومحبوب استاذ امام المتواضعین حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اوصاف عالیہ اور کمالات علمیہ کا کسی نسبت سے تذکرہ کرتے ہوئے ایک مجلس میں بیان فرمائی تھی جس کو اس حقیر سے استاذ محترم جناب حافظ رئیس احمد صاحب نجیب آبادی دامت برکاتہم نے نقل فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نجیب آباد تشریف لائے ہوئے تھے اور فی زماننا علمی انحطاط، اساتذہ کا حال تعلیٰ اور متکبرانہ مزاج کا تذکرہ فرما کر افسوس کا اظہار فرما رہے تھے اسی دوران اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا وقار علی صاحب مرحوم کے بارے میں ارشاد فرمایا

''ہمارے مولانا وقار علی اس معاملے میں کوئی عار نہیں سمجھتے اگر کوئی بات کتاب میں سمجھ میں نہیں

آتی تو دوسرے اہل علم سے بے تکلف معلوم کر لیتے ہیں (بڑی مسرت کے ساتھ ہنستے ہوئے فرمایا) حتی کہ اگر دوران درس کسی طالب علم نے اشکال کر دیا اور آپ کی جواب سمجھ میں نہ آیا تو اسی وقت طلبہ سے یہ کہتے ہوئے کہ ابھی کسی سے معلوم کر کے آتا ہوں، درسگاہ سے اٹھ کر کسی استاذ سے معلوم کر کے آجاتے ہیں اس طریقۂ کار سے اپنا وقار جاتا رہے گا طلبہ ضعیف الاستعداد سمجھیں گے، آپ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی اور اس سلسلے میں آپ کا مسلک یہ تھا ؎

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکیں
وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

طلبہ کے سامنے لاعلمی کا اظہار، عجز کا اعتراف اس سے بڑھ کر اسی وقت کسی اور سے معلوم کر کے مسئلے کا حل پیش کرنا بڑے دل گردہ کا کام ہے جس کو ہم جیسے بزعم خود جید الاستعداد، صاحب صلاحیت جن کو علم وفن کی ہوا بھی نہیں لگی، اپنے لئے باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں۔ ایسے موقع پر طالب علم کو اپنی چرب زبانی کے ذریعہ اشکال میں پھنسا دینا یا ڈانٹ کر یا کسی اور حیلے سے سوال کو ٹال دینا اپنی عقلمندی تصور کرتے ہیں ''لا أدری '' کا لفظ تو گویا ہماری لغت میں ہے ہی نہیں سچ کہا ہے کسی نے ؎

اچھل کر وہ نہیں چلتے جو کامل ہیں کسی فن میں
چھلک جاتا ہے پانی قاعدہ ہے اوچھے برتن میں

حضرت مولانا مرحوم کو جو علمی درک، فنی مہارت بالخصوص علم فرائض کے ساتھ غیر معمولی مناسبت مبدأ فیاض سے عطا ہوئی تھی وہ کسی بھی ذی علم پر جو آپ کی شخصیت سے واقف ہو مخفی نہیں اس کے باوجود سبق پڑھانے سے پہلے آپ کا مطالعہ بڑی محنت ولگن، یکسوئی وانہماک کے ساتھ غیر معمولی ہوا کرتا تھا تا کہ طلبہ کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کمی نہ رہے۔

حضرت مولانا رئیس الدین صاحب بجنوری علیہ الرحمہ نے آپ کی سبق کی تیاری ومطالعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک بار احقر سے فرمایا تھا کہ

''مظاہر میں حضرت مولانا وقار علی صاحبؒ نے ایک استاذ کو دوپہر میں آرام کرتے ہوئے دیکھا جن کا شام کے وقت میں غالباً مقامات یا کسی اور کتاب کا گھنٹہ تھا تو غایت تعجب سے فرمایا کہ ارے ان کا شام میں اس قدر اہم کتاب کا گھنٹہ ہے اور دوپہر میں یہ آرام کر رہے ہیں، میرا تو جب تک شام میں گھنٹہ رہا میں نے کبھی دوپہر میں آرام نہیں کیا''۔

اس واقعہ سے آپ کے غیر معمولی علمی شغف، درس کی اہمیت، طلباء کے حق کی ادائیگی کا احساس نیز فکر آخرت جیسی انمول صفات کا پتہ چلتا ہے جو آپ کو اپنے اکابرین سے ورثے میں ملی تھیں۔

طلبہ عزیز کو آپ قوم کی امانت ملک وملت کا روشن مستقبل تصور فرماتے تھے جس کی بناء پر طلبہ عزیز اور مدرسہ کی فکر آپ کے تمام فکرات پر غالب رہتی تھی اور ان کی محبت آپ کے دل کی گہرائیوں میں ایسی رچ اور بس گئی تھی کہ اپنے جسم وجان وراحت وآرام کی کوئی پرواہ نہیں تھی اہل وعیال اور ذاتی ضروریات پر مدرسہ اور طلبہ کو ترجیح آپ کا معمول بن چکا تھا، آپ کے یار غار خادم جا نثار منشی نثار احمد صاحب اکبر آبادی سفیر مظاہر علوم فرماتے ہیں کہ مدرسہ اور طلبہ کے ساتھ بے پناہ تعلق اور محبت کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو مشہور ومعروف اور زبان زد خاص وعام ہے کہ نکاح ہو جانے کے باوجود اکثر وقت آپ کا مدرسہ میں گزرتا تھا اہلیہ محترمہ نے سہارنپور ہی میں قیام کرلیا تھا آپ رات کو بعد نماز عشاء دیر سے تشریف لے جاتے جب بچے سو چکے ہوتے تھے اور صبح بچوں کے بیدار ہونے سے پہلے مدرسہ تشریف لے آتے، بچوں سے ملاقات تک بھی نہ ہوتی تھی تقریباً ۱۲؍۱۴ سال قبل جب مدرسہ پر خطرات کے بادل اُمڈے ہوئے تھے، آپ ایک مرتبہ مخصوص حالات کی بناء پر چند روز تک گھر تشریف نہیں لے گئے، اہلیہ محترمہ نے خبر بھجوائی اور کہلوایا کہ رات کے وقت گھر پر آپ کا رہنا ضروری ہے تو آپ نے جواباً فرمایا کہ میں تمہیں چار کو دیکھوں یا ہزار کو۔

طلباء کے حق کی ادائیگی کے احساس ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ سبق کو سہل الحصول بنا کر طلبہ کے دماغوں میں بات کو اتارنے کی کوشش فرماتے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ ملکہ بھی خوب عطا فرمایا تھا۔ اپنے وقت کے بحر العلوم محدث جلیل حضرت الاستاذ مولانا محمد ہاشم صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور فرماتے ہیں کہ آپ کا افہام وتفہیم کا طریقہ اور انداز درس بڑا ممتاز اور یگانہ تھا اس لحاظ سے آپ ایک بڑے کامیاب مدرس تھے ہم نے پڑھانا ان ہی سے سیکھا ہے، مدرسہ مظاہر علوم ہی نہیں بلکہ ہر مدرسہ اور دینی مکتب کو اپنا مدرسہ خیال فرماتے ہر جگہ تعلیم کی فکر مدرسہ کی ترقی آپ کو دامن گیر رہتی اسی سلسلہ کا ایک واقعہ منشی نثار احمد صاحب کی زبانی اور سماعت فرمایئے، موصوف فرماتے ہیں حضرت مولانا کا سفر ایک جلسے میں شرکت کیلئے سہس پور کا طے پایا مولانا محمد صابر مفتی زبیر احمد اور یہ عاجز آپ کے ہمراہ تھے، سہس پور جاتے ہوئے بغیر کسی کی درخواست اور طلبہ کے از خود ہی حضرت والا راستے میں

ہربرٹ پوراترکرایک مدرسہ میں تشریف لے گئے اور معائنہ فرمایا، طلبہ کی تعداد سال گذشتہ کے مقابلے میں کم نظر آئی تو بہت قلق کا اظہار فرمایا، اتفاق سے استاذ بھی بدلے ہوئے نظر آئے، ان سے فرمایا کہ میں پچھلے سال یہاں حاضر ہوا تھا اس وقت طلبہ کی بڑی تعداد تھی اب اتنی تنزلی کیوں؟ تنبیہ فرمائی اس کے بعد اراکین کمیٹی کو بلوایا اوران کو متوجہ کیا پھر آپ اپنے اصل پروگرام جلسے میں شرکت کے لئے سہس پور تشریف لے گئے۔ طلبہ کے ساتھ خیر خواہی وہمدردی ان پر شفقت ومہربانی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی مدرسہ سے ملنے والی تنخواہ کا آدھا حصہ ہمیشہ طلبہ پر خرچ ہوتا تھا گھر کے اخراجات کے لئے آدھی تنخواہ پر اکتفاء فرماتے ، نظامت تعلیمات کے عہدہ پر رہتے ہوئے ایک مرتبہ آپ نے ایک طالب علم کا کھانا بند کردیا تھوڑی دیر بعد اس کو بلاکر اپنی جیب خاص سے کھانے کے لئے پیسے عنایت فرمائے ، دیکھنے والے نے معلوم کیا حضرت ! آپ نے کھانا بند ہی کیوں کیا تھا کہ اب پیسے دے رہے ہیں فرمایا وہ مدرسہ کا قانون تھا جس کا لاگو کرنا ضروری تھا اور یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اس بیچارے کا یہاں راشن تو رکھا ہوا ہے نہیں کہاں سے کھائے گا۔ منشی نثار احمد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت والا کا دل بڑا نرم تھا دوسروں کی تکلف دیکھ کر آپ بے چین ہوجاتے تھے ایک مرتبہ دارالطلبہ قدیم میں آپ اپنی قیام گاہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک اجنبی شخص آپ کے پاس حاضر ہوا اور اپنی پریشانی وتنگدستی اور سخت ضرورت کا اظہار کیا کہ مجھے فی الحال دس ہزار روپے کی اشد ضرورت ہے جو میں آپ کو ایک ہفتہ بعد واپس کردوں گا حضرت والاؒ نے ایک ہزار روپے اپنی جیب خاص سے عنایت فرمائے اور کہا یہ میری طرف سے ہدیہ ہیں اس سے زائد میرے پاس نہیں ہیں لیکن میں تمہاری ضرورت کے پیش نظر کہیں سے قرض لاکر تم کو دیتا ہوں تم ایک ہفتے میں ضرور واپس کردینا یہ شخص یہ خطیر رقم قرض کے نام پر لے کر چلا گیا اور آج تک واپس نہیں آیا منشی نثار احمد صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شخص سیوہارہ کا رہنے والا تھا میں نے جاکر اس کو سمجھایا اور پیسوں کا مطالبہ کیا لیکن اس نے واپس نہیں کئے ، آج وہ شخص تباہ وبرباد ہے۔ اللہ کے اولیاء کو ستانیوالواں کا یہی انجام ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے ، آمین

آپ کی طبعی سادگی تواضع ومسکنت کے ساتھ دنیا سے بے اعتنائی وبے رغبتی بھی قابل دید تھی ، مظاہر علوم کے جس کمرے میں آپ کا برسہا برس قیام رہا آپ کی وفات کے بعد جب اہل خانہ نے ذمہ داران مدرسہ کی اجازت سے اس کمرے کی الماری کا تالا کھول کر دیکھا جس میں آپ کی ضرورت کا سامان ہونا

چاہیے تھا تو بجز ایک قدآدم کاغذ کے جس پر وراثت کے کسی بڑے مسئلہ کی تخریج کی گئی تھی اور کچھ نہ پایا یہ منظر دیکھ کر وہاں پر موجود لوگ حیرت زدہ اور دنگ رہ گئے اور محسوس ہوا کہ واقعۃً یہی وہ علماء ربانیین ہیں جو **العلماء ورثۃ الانبیاء** کا سچا مصداق ہیں جو اپنے محبوب صادق ومصدوق محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل پیرا ہوکر **کن فی الدنیا کأنک غریب او عابر سبیل** (الحدیث) کا نمونہ پیش کر کے بعد میں آنیوالوں کے لئے راہ عمل آسان کر جاتے ہیں۔

آپ کی مبارک زندگی بلا شبہ آپ کے اخلاف کے لئے درس عبرت اور نمونہ ہے راقم الحروف نے اپنے کم وبیش ۱۵/سالہ تعلق میں متعدد واقعات مشاہدہ کئے جنہوں نے ضمیر کو جھنجھوڑا اور عمل پر اکسایا انہیں میں سے یہ چند واقعات مضمون کی شکل میں نذر قارئین کردئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ توفیق عمل سے نوازے۔

زیر نظر مضمون کا سب سے پہلا واقعہ ذہن میں رکھتے ہوئے اس کی پلٹ کا ایک قابل عبرت اور لائق تقلید واقعہ اور ملاحظہ فرمایئے جو موصوف کی تواضع وفنائیت کے ساتھ اپنے اکابر کے ساتھ بے پناہ عقیدت اور اصاغر پر شفقت ان کی دلجوئی اور خوردنوازی کا بہترین نمونہ ہے۔

۲۰۰۵ء میں آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے تقریباً ۳/ماہ بعد یہ حقیر شاہ صاحب کی سوانح حیات شیخ عبدالرحیم کا مسودہ لے کر بغرض تائید وتوثیق حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت دارالطلبہ قدیم میں اپنی قیام گاہ میں جو درسگاہ بھی تھی اپنی مسند (چوکی) پر تشریف فرماتے تھے یہ حقیر سلام ومصافحہ کے بعد طلبہ کی نشست پر بیٹھنے لگا تو نہایت اصرار کے ساتھ اپنے پاس مسند پر بیٹھنے کا حکم دیا احقر کو ہمت نہیں ہو پا رہی تھی، غالباً آپ کے خادم منشی نثار احمد صاحب یا کوئی مدرسہ کے استاذ وہاں موجود تھے انہوں نے مجھے اشارہ کیا اور زبردستی اوپر بٹھادیا حضرت والاؒ نے ناشتہ منگوالیا اور بڑی بے تکلفی کے ساتھ محبت سے باتیں فرماتے رہے احقر نے حاضری کا مقصد بیان کیا اور کتاب کا مسودہ نکال کر خدمت میں پیش کیا تو چہرہ پر غم ومسرت کی ملی جلی کیفیت طاری ہوگئی، کتاب پر کچھ لکھنے کے لئے عرض کیا تو سراپا انکسار بن کر معذرت پیش فرمادی اور بڑی لجاجت کے ساتھ فرمایا ''میں تو مضمون نگاری نہیں جانتا مجھ سے نہیں لکھا جائے گا، میری طرف سے آپ مضمون بنا لیجئے میں اس پر دستخط کردونگا یہ الفاظ اس طرح فرمائے کہ احقر کے لئے بجز تعمیل حکم کے کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ اس حقیر نے چند سطریں آپ کی طرف سے لکھ کر خدمت میں پیش کیں تو لبوں پر مسکراہٹ اور

چہرے پر بشاشت چھا گئی ، خوشی کا اظہار فرمایا ، دعاؤں سے نوازا اور دستخط فرما دیے، محسوس ہوتا تھا کہ عبارت میں آپ کے مافی الضمیر کو بحسن وخوبی ادا کردیا گیا ہے......سادگی و بے تکلفی اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی دلداری کا ایک اور نمونہ جس نے دل کو موہ لیا اور آپ کا گرویدہ بنا دیا اس وقت سامنے آیا جب یہ حقیر فراغت کے بعد اسٹیشن والی مسجد نجیب آباد میں امامت کی خدمت پر مامور ہوا تھا غالباً ۱۹۹۷ء کی بات ہے آنجناب منشی نثار احمد صاحب کے ہمراہ کسی سفر سے واپسی پر اسٹیشن والی مسجد میں نماز مغرب ادا کرنے کی غرض سے قدم رنجہ ہوئے ، نماز کے بعد احقر نے اپنے حجرہ میں تشریف رکھنے کی درخواست کی جس کو آپ نے قبول فرمایا ، احقر نے اپنی حیثیت بھر معمولی ناشتہ خدمت میں پیش کیا جو واقعۃً آنجناب کے بالکل بھی شایان شان نہیں تھا ، حضرت والا بڑی خوشی کے ساتھ بے تکلف ناشتہ فرماتے جاتے تھے اور انتہائی انبساط ومسرت کے ساتھ گفتگو بھی جاری رکھے ہوئے تھے ، دوران گفتگو فرمایا تم میرے شاگرد ہو بتاؤ کہاں سے فارغ ہو ، عرض کیا دارالعلوم دیوبند سے ۔فرمایا مفتی سعید احمد صاحب سے کچھ پڑھا ہے؟ عرض کیا ترمذی شریف جلد اول پڑھی ہے فرمایا مفتی سعید احمد میرے شاگرد ہیں اور تم ان کے شاگرد ہو اور شاگرد کا شاگرد شاگرد ہوتا ہے لہٰذا تم میرے شاگرد ہو پھر فرمایا خواہ کوئی دارالعلوم سے فارغ ہو یا مظاہر علوم سے چاہے اس نے مجھ سے پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو وہ میرا شاگرد ہوگا کیونکہ دونوں جگہ میرے شاگرد ہیں اس لئے کوئی میری شاگردی سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔

حضرت والا کی ان ظریفانہ باتوں سے اہل مجلس لطف اندوز ہوتے رہے خود حضرت پر بھی انبساط کی کیفیت طاری تھی اور طبیعت کھل رہی تھی رخصتی کے وقت اس حقیر سے ملاقات پر اپنے تاثرات کا اظہار فرمانے کے لئے بڑے پرکیف ومسرت بھرے انداز میں یہ شعر پڑھا جو آج بھی آپ کے مخصوص لب ولہجہ کے ساتھ کانوں میں گونج رہا ہے اور خوب اچھی طرح یاد ہے ؎

بہت دل خوش ہوا حالی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

خوب مزے لے لے کر بار بار آپ اس شعر کو پڑھتے تھے ، اس حقیر کی آنجناب والاؒ کے ساتھ یہ پہلی ملاقات اور تعلق کی ابتداء تھی اس کے بعد سے برابر محبت وتعلق میں اضافہ ہوتا چلا گیا کہیں بھی اور کبھی بھی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہوتا تو اس طرح ملتے گویا کہ اپنے گھر کے کسی فرد سے مل رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ

آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے اور ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے آمین۔

دیوانے گزر جائیں گے ہر منزل غم سے
حیرت سے زمانہ انہیں تکتا ہی رہے گا
آتی ہی رہے گی ترے انفاس کی خوشبو
گلشن تری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

استاذ العلماء، امام الفرائض حضرت مولانا سید وقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فضل وکمال، زہد وورع، تقویٰ وطہارت، خلوص وللّٰہیت اور ان جیسے اوصاف عالیہ اور بافیض وکامیاب زندگی کا تذکرہ تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خود صاحب فضل وکمال اور اہل دل واہل نظر انسان ہوں اور حضرت والاؒ کو قریب سے دیکھنے اور آپ سے کچھ حاصل کرنے کا موقع ملا ہو یہ حقیر علم وعمل ہر دو سے عاری جس کو آپ سے نہ بلاواسطہ شرف تلمذ کی سعادت نہ باقاعدہ فیض صحبت نہ کوئی معمولی سی ادنیٰ نسبت ہر اعتبار سے دوری اور محرومیت۔ بھلا آپ کی حیات وخدمات اور پاکیزہ حالات پر قلم اٹھانے کی کیا جرأت کر سکتا ہے۔ اپنی اس نااہلیت کے برملا اعتراف کے باوجود حضرت والاؒ کے ساتھ للّٰہی عقیدت ومحبت ضرور ہے جس نے تعمیل حکم میں یادوں کے دریچوں سے چند مشک آگیں وعطر بیز دل ودماغ کو معطر کر دینے والے واقعات سپرد قلم کرنے کا حوصلہ بخشا مجھے امید ہے کہ یقیناً یہ کج مج تحریر اور بے ترتیب واقعات تسلیٔ احباب کا باعث اور اخلاف کے لئے سبق آموز ہوں گے۔

آخر میں اپنا ذاتی تجربہ ومشاہدہ جس کا تعلق حضرت والاؒ کی اکابر کے ساتھ عقیدت ومحبت سے ہے ذکر کر کے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ حضرت والاؒ کے شیوخ واساتذہ کرام کتنے ہیں اس کا علم احقر کو نہیں البتہ آپ کے ابتدائی درجات کے استاذ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب تھے پوریؒ ہیں جن کے ساتھ آپ کی عقیدت ومحبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے شاگردوں کی تعداد بڑی کثیر ہے اور بہت سے شاگرد آپ سے بڑی انسیت وعقیدت بھی رکھنے والے ہیں لیکن اس حقیر نے جو عقیدت ومحبت حضرت شاہ صاحب کے ساتھ مولانا وقار علی مرحوم کے اندر دیکھی وہ کہیں اور نظر نہیں آئی، حضرت شاہ صاحب کو بھی جس قدر ناز اور اعتماد اپنے اس شاگرد رشید پر تھا وہ کسی اور پر محسوس

نہیں ہوتا تھا......اکابر میں سے دوسری شخصیت جس کے ساتھ حضرت مرحوم کی محبت وعقیدت عشق کے درجے کی محسوس ہوتی تھی وہ فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسین صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی تھی جس کا مشاہدہ راقم الحروف کو حضرت فقیہ الاسلام کی وفات پر ہوا کہ وفات کے کئی دن بعد تک بھی حضرت مولانا مرحوم کی حالت وکیفیت مجنونانہ بنی رہی ،صدمۂ جدائی اور غم مفارقت کی بناء پر طبیعت سخت علیل ہوگئی تھی ،شوال المکرّم میں مدرسہ کے سال نو کے آغاز پر افتتاحی دعا میں یہ حقیر دفتر مدرسہ مظاہر علوم میں حاضر تھا اس وقت بچشم خود میں نے دیکھا کہ آپ اس دعائیہ مجلس میں صدمۂ وفات سے نڈھال حضرت ناظم صاحب کی مسند کے قریب لیٹے ہوئے ہیں......حضرت فقیہ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا یہ صدمہ جانکاہ آپ کو ایسا لگا کہ مسلسل آپ اس میں گھلتے چلے گئے ، بعد میں یہی صدمۂ غم مرض کی شکل میں تبدیل ہوگیا جو آہستہ آہستہ شدت اختیار کرتا چلا گیا تا آنکہ بتاریخ ۱۷ر ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۱ر فروری ۲۰۱۲ء بروز سنیچر بوقت صبح گیارہ بجے آپ اپنے محبوب حضرت فقیہ الاسلام اور دیگر محبوبین سے جا ملے اور ہزاروں اپنے چاہنے والوں کو سوگوار وغم زدہ کرکے زبان حال سے یہ کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

☆☆☆

رنگ چمن اڑا ہوا، سہمی ہوئی ہیں بلبلیں
موسم گل میں اب کی بار کیسی چلی ہوا یہاں

☆☆☆

ملتی ہے بڑی راحت اس خاک نشینی میں
میں نے تو طبیعت ہی مٹی کی بنالی ہے

آہ! وہ سپوت مظاہر علوم

مولانا محمد زاہد مظاہری

مظاہر علوم ان بڑے اداروں میں سے ایک ہے جو درس نظامی کے علوم وفنون (تفسیر وحدیث، فقہ، علم فرائض، صرف ونحو، بلاغت وغیرہ کی تدریس اوران کے احیاء میں زبردست حیثیت کے حامل ہیں۔صحیح معنی میں شریعت اور علم دین کے بقاء کا ذریعہ یہی مدارس ہیں پھر کوئی بھی ادارہ یا مدرسہ اپنی افادیت اور ترقی میں درحقیقت ان باصلاحیت، ذی استعداد، مخلص، محنتی افراد اور اساتذہ کا مرہون منت ہوتا ہے جو اس کے اندر موجود ہوتے ہیں یہی افراد اس ادارہ کی ترقی وتنزلی کا معیار بنتے ہیں۔

احقر کا مظاہر علوم میں ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں درجہ پنجم عربی (جماعت مختصر المعانی) میں داخلہ ہوا اور مکمل چار سال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء تک پڑھ کر دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، ان چار سالوں میں بذریعہ درس بہت سے اساتذہ سے علمی واسطہ پڑا اور مختلف علوم وفنون ان سے پڑھے لیکن مظاہر علوم کی چند شخصیات وہ ہیں جو کسی خاص فن میں مہارت رکھنے کی وجہ سے اپنا ایک ممتاز مقام لئے ہوئے تھے اور اس فن کو جوان سے پڑھا تو بس مزہ ہی آ گیا چنانچہ اس وقت علم حدیث میں دورۂ حدیث شریف کے اندر وہ لائق فائق اور اہل ورع شخصیات موجود تھیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔حضرت مفتی مظفر حسین نوراللہ مرقدہٗ، حضرت اقدس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتہم ان کے دورۂ حدیث کے اسباق اس قدر پرلطف اور روحانی نیز معلومات افزاء ہوتے تھے کہ سبق شروع ہونے سے ختم تک وقت کا پتہ بھی نہ چلتا تھا اور شوقین طلبہ کو اس قدر حاضری کا اہتمام ہوتا تھا کہ مسلسل ہر روز ہر گھنٹہ میں حاضری کی وجہ سے کافی طلبہ کو کمر میں درد کی شکایت ہونے لگی اور کثرت سے دوائی لینے جب طلبہ ڈاکٹر کے پاس پہنچتے تو وہ پوچھتا کہ آخر ایسا کیوں؟ کہ سب کی کمروں میں درد ہونے لگ گیا تو اسے بتایا کہ مسلسل کئی کئی گھنٹہ سبق ہوتا ہے جس میں بیٹھنے سے ایسا ہو رہا ہے، خود حضرات اساتذہ کو درس میں وقت پر پہنچنے کا اتنا اہتمام ہوتا تھا کہ وہی طلبہ کے پہلے سے سبق کے لئے تیار بیٹھے رہنے کا داعی ہوتا تھا سبق کے دوران کیا مجال کسی طالب علم کی توجہ ادھر ادھر چلی جائے، سبق کا ایسا سماں بندھتا تھا کہ

استاذ نے اگر سبق سے غافل کسی اور چیز میں مشغول پالیا تو برداشت سے باہر ہوجاتا تھا ایک روز ایک بنگالی طالب علم اثناء سبق آیا اور آخر میں ایک کونہ میں بیٹھ کر بجائے سبق سننے کے ایک ساتھی سے باتیں کرنے لگا، حضرت مفتی مظفر حسینؒ سے رہا نہ گیا اور مسند تدریس سے بغتۃً اس قدر تیزی سے اس کے پاس پہنچ کر مارنا شروع فرمادیا کہ سب حیرت میں رہ گئے اور اس کے بعد پھر سبق شروع فرمادیا دراصل مدرس اور طلبہ کا بوقت درس ایسا انہماک اور ایک دوسرے کی طرف افادہ واستفادہ کی توجہ ایسی جمی رہتی تھی کہ اس میں مخل طالب علم ایک آنکھ نہ بھاتا۔ حضرت مفتی صاحب کے سبق میں جو علمی نکتے اور فقہی موشگافیاں سامنے آتیں وہ اپنی مثال آپ ہوتی تھیں۔

ادھر حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جب عطر لگا کر درس میں آتے تو طلبہ کی روح میں عجب بالیدگی اور کیف محسوس ہوتا تھا کبھی کبھی عرب جماعت آنے پر حضرت موصوف جب درس کا بجائے اردو کے عربی میں پڑھانے لگتے تو سبق کا مزہ دوبالا ہوجاتا اور اس قدر علمی مضامین سامنے آتے کہ علم کا دریا بہہ پڑتا۔

حضرت مولانا محمد عاقل صاحب ابوداؤد شریف میں فقہی مسائل کی ایسی گرہ کشائی اور تفصیلی بحث فرماتے کہ واقعۃً اپنے علم میں اضافہ اور بصیرت پیدا ہوتی معلوم ہوتی تھی اس وقت مظاہر علوم کا دورۂ حدیث اتنا مشہور اور ممتاز تھا کہ ہمارے دورہ کے سال دوندوہ کے فارغین سے جو اس سال ہمارے ساتھ دورہ میں تھے جب میں نے پوچھا کہ آپ تو ندوہ کے فارغ ہیں وہاں دورہ پڑھ چکے ہیں پھر دوبارہ کیوں پڑھ رہے ہو؟ تو انہوں نے یہی بتایا بعض خیر خواہ اکابر اساتذہ نے ہمیں یہاں دورۂ حدیث پھر دوبارہ پڑھنے کو بھیجا ہے............ بہر حال مظاہر علوم کا دورۂ حدیث تو مشہور وممتاز ہونا ہی تھا کہ اس کی شخصیات ہی عظیم ہیں مگر دیگر فنون میں ماہر شخصیات بھی مظاہر علوم میں رہتی آئی ہیں۔ علم نحو میں حضرت علامہ صدیق احمد کشمیریؒ پھر علامہ یامینؒ اور علم ادب میں حضرت ادیب اریب مولانا اطہر حسین صاحب وغیرہ وغیرہ ۔علم فقہ میں حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب دامت برکاتہم۔

انہی شخصیات کے ہم عصر ایک اور شخصیت بھی ہے جن کے متعلق یہ مضمون ہے یعنی حضرت مولانا وقار علیؒ۔ آپ بھی مظاہر علوم کے بہت قدیم مقبول اساتذہ میں سے تھے اور میں نے آپ سے علم بلاغت میں مختصر المعانی، فقہ میں ہدایہ ثالث اور علم فرائض میں سراجی پڑھی ہے۔

حضرت والا ہمارے زمانہ میں تو مطالعہ اور کتاب دیکھنے کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے تھے جب

دیکھو کتاب دیکھ رہیں یا پڑھ رہے ہیں کہیں سفر پر جاتے تو بھی درسی کتاب اور اس سے متعلق شروحات ساتھ میں لیجاتے تھے، بڑی تحقیق سے پڑھانے کا اہتمام تھا حتی کہ مختصر المعانی پڑھاتے وقت اس کی ''شروح'' دسوقی اور ''تجرید'' ساتھ میں ڈیسک پر کھول کر رکھا کرتے تھے۔

مظاہر علوم میں بالخصوص جس فن کا احیاء آپ کے ذریعہ ہوا وہ فن میراث اور علم الفرائض ہے اس کا سبق آپ جمعہ کے روز بجائے کسی خاص جماعت کو پڑھانے کے عمومی کر کے پڑھایا کرتے تھے کہ کسی بھی جماعت کا طالب علم اس میں شریک ہو سکے چنانچہ اس فن میں آپ کی مہارت اور سبق کی مقبولیت کا نتیجہ ہی تھا کہ باوجود جمعہ ہونے کے طلبہ کا ایک بڑا مجمع اس درس میں شریک ہوتا اور بہت سے مدارس کے طلبہ اس سبق میں شریک ہوکر اس فن میں مہارت کا موقع پالیا کرتے تھے۔

فن میراث سے متعلق دارالافتاء میں آیا استفتاء اور سوال بھی حضرت موصوف کی تصدیق کے بغیر نہ جاتا تھا اور حضرت کو اس فن میں مہارت کا اس قدر ناز تھا کہ کبھی کبھی سبق میں فرمادیا کرتے تھے۔ ارے لڑکو ! یہ تو ہوسکتا ہے کہ وقار علی کو سورۂ فاتحہ میں بھول لگ جائے لیکن فرائض میں لگ جائے یہ بہت مشکل ہے۔ بہرحال آپ مظاہر علوم کے ان سپوتوں میں تھے جن سے مظاہر علوم کو ترقی اور شہرت ملی اور فن میراث زندہ ہوا اس کے سیکھنے جاننے والوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ وجود میں آئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں ان کا مقام بنائے اور جامعہ مظاہر علوم کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

جناب موصوف کی وفات کی خبر سن کر حق تلمذیت کی وجہ سے خود بخود آں موصوف کے جنازہ میں شرکت کا داعیہ ہوا اور شرکت کی سعادت حاصل کی مگر قبرستان میں جنازہ پہنچنے کے بعد آپ کے اہل خاندان نے بعض اعزہ واقرباء کے انتظار میں تدفین میں اس قدر تاخیر کی کہ رات کا وقت ہونے کی وجہ سے گھر واپسی کا فکر ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ ہی مٹی دینے کی سعادت سے ہی محروم رہ گئے کاش یہ تدفین کا نظم بجائے اہل کنبہ کے ان طلبہ وعلماء کے ہاتھ میں ہوتا جن کے جھرمٹ میں حضرت مولانا کی پوری زندگی گزری تھی۔ ایک ایک کر کے اہل خاندان نے آخری دیدار کی تمنا تو پوری کرلی مگر علماء وطلبہ کے ہاتھ کی مٹی سے جو محرومی ہوئی وہ حضرت مولانا کے حق میں ٹھیک نہ کیا۔ اللّٰھم اغفرلنا ولمشائخنا واساتذتنا واحبانا .

حضرت مولانا سید وقار علی صاحب قدس سرہٗ

مولانا محمد سالم جامعی

۱۱؍فروری ۲۰۱۲ء مطابق ۱۸؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ بروز شنبہ ٹھیک ۱۱؍بجے راقم الحروف ہفت روزہ الجمعیہ کے دفتر میں بیٹھا حسب معمول تحریری کاموں میں مصروف تھا کہ اچانک جمعیۃ علماء ہند کے آرگنائزر مولانا محمد طاہر مظاہری نے آکر یہ روح فرسا خبر دی کہ ابھی تقریباً ایک گھنٹہ قبل ناظم تعلیمات مظاہر علوم وقف سہارنپور حضرت مولانا سید وقار علی صاحب قدس سرہٗ کا انتقال ہوگیا ہے، خبر روح فرسا تو ضرور تھی لیکن غیر متوقع نہیں تھی اس لئے کہ مولانا مرحوم ایک عرصہ سے علیل اور صاحب فراش تھے تاہم اس کے باوجود پھر بھی دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش یہ خبر کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہو اس لئے کہ مولانا مرحوم کی ذات گرامی ہم جیسے لوگوں کے لئے ایک سہارا تھی بہرحال ہر شخص کے لئے موت کا ایک وقت مقرر ہے اور اب یہ یقین کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ مولانا مرحوم نے اپنے متعینہ وقت پر ہی صدائے موت پر لبیک کہتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کردی ہے۔

احاطہ مظاہر علوم سہارنپور اور ملحقہ دیہات اور قرب وجوار کے تمام علاقوں میں جس نے جہاں یہ وحشت ناک خبر سنی وہ حیرت زدہ رہ گیا ہر طرف سناٹے کا عالم تھا، غم زدہ لوگوں کا ہجوم مولانا مرحوم کے مکان پر امڈ پڑا ہر شخص کی یہ ہی خواہش تھی کہ وہ انتقال کے بعد انہیں کم سے کم ایک نظر دیکھ لے۔

۱۱؍فروری ۲۰۱۲ء کو ہی بعد نماز مغرب مظاہر علوم وقف میں نماز جنازہ ہوئی جس میں ہزاروں اساتذہ، طلباء، علماء، باشندگانِ شہر اور مختلف اطراف سے آئے ہوئے علماء، صلحاء اور عامۃ المسلمین نے شرکت کی اور پھر قبرستان حاجی شاہ کمال میں سپرد خاک کردئے گئے اسی قبرستان میں مظاہر علوم کے بہت سے اکابر علماء وصلحاء اور شہر سہارنپور کے معزز حضرات محو استراحت ہیں۔

بوقت وفات مولانا مرحوم کی عمر تقریباً پچاسی سال تھی، طول عمری اور مختلف الانواع امراض کی وجہ سے کافی

کمزور ہو گئے تھے، آخر سالوں میں اعضائے رئیسہ خاص طور پر دل ودماغ نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

مولانا مرحوم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے پروردہ، متکلم اسلام حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہٗ کیساتھ خصوصی رفاقت کا رشتہ آخر تک قائم رہا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو بھی مولانا مرحوم پر بڑا اعتماد تھا۔ مظاہر علوم کے انتظامی وتعلیمی معاملات میں حضرت مفتی صاحبؒ مولانا مرحوم کی رائے کو ہمیشہ اولیت دیتے رہے۔ حضرت مفتی صاحب کی حیات میں حضرت مفتی صاحب کی عدم موجودگی میں نظامت کی تمام تر ذمہ داری بھی آپ کے ہی کندھوں پر رہتی تھی۔ آپ بولنے اور مشورہ دینے میں ہمیشہ محتاط رہتے مگر جب بولتے بہت سوچ سمجھ کر بولتے تھے اور آپ کی یہی اَدا حضرت مفتی صاحب کو بے حد پسند تھی۔ بہرحال اللہ کا یہ نیک اور وارث علم وعمل بندہ روز محشر تک آرام کی نیند سلا دیا گیا ہے۔ رحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ۔

اس تاریخی سچائی سے انکار ممکن نہیں ہے کہ اپنے بزرگوں کا تذکرہ مردہ دلوں کے لئے مژدۂ جانفزا اور آنے والی نسلوں کے لئے حیاتِ نو کا پیغام ہوتا ہے، ان کے تذکار خیر سے قلوب کی کھیتی سیراب ہوتی ہے اور ویران گلشن زندگی میں بہار آجاتی ہے، بلاشبہ ہمارے حضرت الاستاذ مولانا سید وقار علی صاحبؒ کی ذات گرامی ایسے ہی بزرگوں میں شامل ہے، مولانا مرحوم کی عظیم شخصیت ان کی مثالی دینی وعلمی خدمات ناقابل فراموش عظیم کارنامے، عزم وہمت، جہد مسلسل، تقویٰ وطہارت اور جذبۂ اصلاح وتربیت ایسی انمول صفات ہیں جو بلاشبہ قوم وملت کی رہنمائی کے لئے مہمیز کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے تعلیم وتعلم کو سند قبولیت سے نوازا تھا۔ آپ کے علم سے فیضیاب ہوکر جو لوگ نکلے ان میں سے ایک بڑی تعداد کو اللہ تعالیٰ نے علمی میدان میں گرانقدر خدمات کا موقع عنایت فرمایا بالخصوص حضرت الحاج مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاری محمد عاشق الٰہی صاحب صدر مدرس جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور، حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سابق صدر المدرسین مدرسہ خادم العلوم باغونوالی، حضرت مولانا عبدالخالق مظاہری بانی ومہتمم معہد اصغر ناظر پورہ سہارنپور، حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور، وغیرہم کے علاوہ مظاہر علوم کے چھوٹے بڑے اساتذہ مولانا مرحوم کے وہ شاگردانِ رشیدان ہیں جنہیں وہ ہمیشہ اپنا سرمایۂ افتخار قرار دیتے رہے اور جن پر ناز کرتے

ہوئے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرا ایک ایک شاگرد اپنی اپنی جگہ ایک ادارہ اور انجمن کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا مرحوم نے ہمیشہ اپنے علم وعمل اور خودداری سے علم اور علماء کا وقار بلند کیا۔ وہ ایک ایسے بحر بیکراں تھے جس کا آخری سرا تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔

مولانا مرحوم دیانت وامانت اور تقویٰ وطہارت میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے تھے۔ تمام مسالک اور برادرانِ وطن میں بے انتہا قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے وہ ایک ذی فہم عالم تھے، ان کی قائدانہ صلاحیت پوری طرح جلوہ گر تھی، خادم قوم وملت بھی تھے اور خدمات وایثار اور ہمدردی کا جذبہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

مولانا سید وقار علی صاحب دھام پوریؒ کی ذات گرامی مظاہر علوم سہارنپور میں نظام وقانون کی پابندی کی ایک علامت تھی، وہ قانون ونظام پامال کرنے والوں کے تعلق سے انتہائی سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پورا مظاہری حلقہ ان کی اصول پسندی کا قائل تھا۔ ظاہر ہے ایسا اصول پسند شخص جو اپنی ذمہ داریوں سے مجبور ہوکر اپنے زیردستوں اور ماتحتوں کی داروگیر کا مرتکب ہو وہ آج کے ظالم سماج میں اگر خوش قسمتی سے مبغوض نہ تو وہ محبوب بھی نہیں ہوسکتا، مولانا مرحوم بھی بار بار اپنے زیردستوں کی بدگوئی وبدخوئی کا شکار ہوئے مگر آپ نے کبھی بے اصولی اور نظم وقانون کی پامالی کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا وہ ایک ایسے خوددار انسان تھے جو رات کے سناٹے میں بھی کسی خلاف مروت عمل کے ارتکاب سے خود کو محفوظ رکھ سکتے تھے۔

مولانا مرحومؒ کی یہ اصول پسندی دراصل ان کی طبع سلیم کا ہی فیضان تھی جس کی جلوہ گری ان کی حیات مبارکہ کے ہر گوشہ میں صاف نظر آتی تھی، مادر علمی مظاہر علوم سہارنپور کے ساتھ ان کی گہری اور غیر معمولی محبت وعقیدت اور اپنے منصب (نظامت تعلیم) کے حوالہ سے ذمہ داری کا مکمل احساس بھی اسی طبع سلیم کا فیضان تھا جس نے انہیں قانون نظام کی پاسداری اور اصول پسندی کا خوگر بنا دیا تھا۔

مولانا مرحومؒ نے اپنی عمر عزیز کا قیمتی پچاس سالہ طویل زمانہ اپنی مادر علمی کی آغوش میں گزارا۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ وہ اکثر اوقات میں مظاہر علوم کے انتظامی شعبوں سے بھی وابستہ رہے۔ مظاہر علوم کے احاطہ قدیم کے نگرانِ دارالاقامہ مولانا تو شروع سے ہی تھے۔ وہ ایک طویل عرصہ تقریباً تیس سالوں سے نظامت تعلیم کے بھاری بھرکم بوجھ کو بھی اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہ کی حیات مبارکہ میں آپ کی عدم موجودگی میں اکثر وبیشتر کارِ نظامت واہتمام بھی

آپ ہی دیکھتے تھے۔انہوں نے تعلیمی وانتظامی شعبوں میں مفید وکارآمد اصلاحات کیں،خاص طور پر نظام امتحان کو جدید بنانے میں مولانا مرحوم کے کردار کو بھلانا ممکن نہ ہوگا،اس طرح مظاہر علوم کے ہر شعبہ میں ان کے فکر وعمل کے نقوش نمایاں نظر آتے ہیں۔

مولانا مرحومؒ نے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ اور حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ کی تعلیم وتربیت کا اثر گہرائی کے ساتھ جذب کیا تھا اور اسی لئے ان پر فقہ وادب کا رنگ غالب تھا،مقامات حریری،دیوان حماسہ اور ہدایہ آخرین اکثر وبیشتر ان کے زیر درس رہیں۔دیوانِ حماسہ تو شاید انہیں ازبر یاد تھی۔عربی شعراء کے حالات، قصائد حماسہ کا پس منظر،الفاظ کی تعبیرات وتشریحات زبان زد تھیں،سیرت سازی سے متعلق اشعار کی بر وقت قرأت ایک عام بات تھی۔

مولانا مرحومؒ کا درس بڑا مقبول تھا جس کا راز اگر ایک طرف علم وفن میں کمال تھا تو دوسری طرف ان کے طریقۂ تدریس کی دلربائی کو بھی اس میں بڑا دخل تھا،ان کی زبان انتہائی آسان،سادہ اور صاف ہوتی تھی جس کی وجہ سے طلباء نہایت آسانی کے ساتھ ان کے مضامین کو دل نشین کرنے میں کامیاب ہوجاتے تھے وہ درس میں بے جا طوالت اور دراز بیانی کے ہرگز قائل نہ تھے،خود مولانا مرحوم کو ان نابغۂ روزگار حضرات اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل تھا جو درس میں اختصار وسہولت کے قائل تھے۔مولانا مرحوم بھی اپنے اساتذہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہیں کے طریقۂ درس کے خوگر تھے،مولانا مرحوم نے اپنی زندگی کے قیمتی پچاس سال انتہائی سلیقہ سے اپنی محبوب مادرِ علمی کی خدمت میں صرف کئے،طالبین علوم نبوت کو علم وآگہی سے اساتذہ کو فکر ونظر سے ملازمین کو نصیحت ورہنمائی اور منتظمین کو مفید سے مفید تر مشوروں سے فائدہ پہنچایا،اس طرح انہوں نے اپنی تمام تر توانائیوں کو مظاہر علوم کو ترقی دینے اور بزرگوں کے حسین خوابوں کو خوبصورت تعبیر دینے میں صرف کیا۔

مولانا مرحومؒ نے مظاہر علوم کی خدمت کے پچاس سالوں میں طالبان علوم نبوت کو جس طرح اپنی محبت وشفقت کا محور بنایا اس کی مثال آج کے دور میں نمایاں نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔مولانا مرحوم کی اپنے سے مربوط طلبہ کے ساتھ شفقت ومحبت کے ایسے مناظر بھی دیکھے گئے جن کے سامنے شفقت پدری ومہر مادری بھی ہیچ معلوم ہونے لگتی ہے،دراصل وہ اپنی مادر علمی مظاہر علوم کو اپنے اساتذہ کبار کی طرح ہندوستان میں اسلام کی بقاء اور اس کی اشاعت کی ضمانت سمجھتے تھے اور ان کے اس مقصد پر کوئی آنچ آنے دینا انہیں گوارا نہ تھا،اسی لئے کوئی ایسی کوتاہی ان کے نزدیک ناقابل معافی جرم تھا جو اس مقصد کی پامالی کا سبب ہو۔وہ ممکن حد تک اس کے خلاف

نبرد آزما ہونا اپنا فریضہ تصور کرتے تھے اوران کا یہ ہی کلمۂ حق سہولت پسندوں کی نظر میں ان کا سخت گیر ہونا تھا۔

مولانا مرحومؒ ایک متمول گھرانے کے چشم و چراغ ہونے کے باجود سادگی کے انتہائی حد تک خوگر تھے۔ سادہ لباس، سادہ کھانا پینا اور آرام وآسائش سے خالی زندگی گزارنا انہیں بے حد پسند تھا ان کے لباس، رہن سہن اوران کی قیام گاہ کا جائزہ لینے والے کے لئے پہلی نظر میں کسی بڑے شخص کا تصور ممکن ہی نہیں تھا۔ دراصل انہوں نے اپنے ان اسلاف کرام اور اساتذہ عظام کو اپنی زندگی کے لئے بطور نمونہ منتخب کیا تھا۔ آرام وآسائش کا تصور بھی جنہیں چھوکر نہیں گیا تھا وہ جس سے ایک بار مل لیتے بہت جلد اس سے بے تکلف ہوجاتے تھے۔

مولانا مرحومؒ آج ہمارے درمیان نہیں رہے، وہ اپنی زندگی کے قیمتی پچاسی برس گزار کر ۱۱ر فروری ۲۰۱۲ء مطابق ۱۸ر ربیع الاول ۱۴۳۳ھ بروز شنبہ اپنے معبود حقیقی کے پاس چلے گئے لیکن ان کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہے گی۔ ان کی خدمات اور روایات زندہ اور باقی رہیں گی اور ہمارے لئے راہ کی قندیل بن کر جگمگاتی رہیں گی۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

مولانا مرحومؒ کی وفات سے ہم نے دراصل وہ کڑی کھودی ہے جو ہمیں ان اساتذہ ومشائخ کے سلسلۃ الذہب سے مربوط کرتی تھی جو علم وفضل کے روشن مینار، تقویٰ وپرہیزگاری کے آبدار مثال اور سادگی وقناعت اور پاک دامنی و پاک نفسی کا بہترین نمونہ تھے۔ ان کی موت سے اساتذہ و منتظمین مظاہر علوم ایک ایسے روشن دماغ صاحب لیاقت اور امانت دار مشیر سے محروم ہوگئے ہیں جو بر وقت مسائل کو حل کرنے اور ادارہ کے تعلیمی وانتظامی شعبوں کی خاکہ گیری پر ماہرانہ قدرت رکھتا تھا۔ مولانا مرحومؒ جیسے پختہ رائے اور اپنے نظریہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے لوگ خال خال ہی ملتے ہیں۔

بہرحال مولانا مرحوم کا سانحۂ ارتحال برصغیر کے دینی وعلمی حلقوں کے لئے ایک عمومی خسارہ کی حیثیت رکھتا ہے اور موجودہ زوال پذیر دور میں مولانا کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو ان کی خدمات کا اپنی شایانِ شان صلہ مرحمت فرمائے، مظاہر علوم کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اوران کی وفات حسرت آیات سے جو دینی وعلمی خلا پیدا ہوا ہے امت مسلمہ کو اس سے نبرد آزما ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین



حضرت اقدس مولانا سید وقار علی دھام پوریؒ

مولانا غیاث الدین دھام پوری

ہندوستان کے نامور بزرگ مشہور عالم دین مظاہر علوم کے قدیم فاضل ناظم تعلیمات واستاذ حدیث حضرت مولانا وقار علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ وبرد مضجعہٗ اپنی حیات مستعار کی پچاسی بہاریں دیکھ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، مولانا کی وفات حسرت آیات ہم سبھوں کے لئے ایک عظیم حادثہ ہے، موصوف کی وفات کی خبر سن کر اہالیان جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ کو بڑا صدمہ ہوا، مولانا مرحوم باقاعدہ میرے استاذ نہ تھے مگر میں ان کو کسی بھی طرح اپنے دیگر اساتذہ سے کم نہ سمجھتا تھا، مولانا مرحوم علم وتقویٰ، تدین، زہد وورع، اخلاق ومروت اور دیگر بہت سی گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے۔ اللہ رب العزت نے موصوف کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی تھی جس کا اندازہ آپ کے جنازہ میں شامل عظیم مجمع کی خبر سے ہوا ویسے بھی مولانا مرحوم اصول پسند اور متواضع انسان تھے یہ اور دیگر خصوصیات کے ساتھ مولانا مرحوم کو دین اور علم دین نیز علم الفرائض سے بڑا مستحکم رشتہ تھا، اللہ رب العزت حضرت مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے اہل خاندان محبین اور متعارفین کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

حضرت موصوف نے پاکیزہ آغوش میں آنکھیں کھولی اور حضرت شیخ اور مولانا اسعد اللہ صاحب قدس سرہٗ ومولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور مفتی مظفر حسینؒ جیسی نابغۂ روزگار شخصیات کی صحبت پا کر شریعت وسنت کے سانچے میں ڈھلتے چلے گئے، عربی کا ایک مقولہ ہے کہ ”موت العالم موت العالم“ حضرت مولانا ایسے ہی عالم تھے جن کی وفات سے ایک عالم فوت ہوگیا۔

حضرت مولانا مرحوم خلوص وللّٰہیت، روحانیت وعزیمت اور حق وصداقت کے پیکر جمیل تھے، حضرت مولانا میرے استاذ تو نہ تھے لیکن وہ مجھ سے محبت رکھتے تھے جامعہ عربیہ ہتھورا میں قبل از ملازمت دھام پور ہی میں وقفہ وقفہ سے مولانا سے ملاقات ہوتی رہتی تھی تو خوشی سے دعائیں دیتے تھے، محلّہ پہاڑی دروازہ مدرسہ حسینیہ

قاسم العلوم دھام پور میں حضرت مولاناؒ نے حضرت استاذ القراء مولانا عبدالرحیم صاحب تھے پوریؒ سے اس وقت پڑھا ہے جب راقم الحروف پیدا بھی نہ ہوا تھا اور احقر نے حضرت مولانا شیخ عبدالرحیم سے مدرسہ مذکورہ میں اسوقت پڑھنا سیکھا جب کچھ کچھ شعور سا محسوس ہونے لگا تھا اس اعتبار سے اور ہم وطن ہونے کے اعتبار سے حضرت مولانا وقار علی صاحبؒ مجھ سے اور میں ان سے محبت رکھتا تھا، مدرسہ حسینیہ دھام پور میں شرح جامی تک تعلیم حاصل کی اور مولانا عبدالرحیمؒ کی زیر تربیت رہ کر علمی اور روحانی بنیادوں کو ایسا استوار کیا کہ مظاہر علوم وقف جیسی عظیم درسگاہ کے ناظم تعلیمات بنائے گئے اور نصف صدی تک تعلیمی وتدریسی خدمات بھی انجام دیں آپ ایک کامیاب استاذ اور قابل منتظم کی حیثیت سے معروف تھے، زمانہ طالب علمی ہی سے مظاہر علوم کے اساتذہ ومشائخ کے نور نظر رہے اور پھر انہیں کی نظر انتخاب پر آپ کو اپنی مادر علمی مظاہر علوم میں تدریس کی سعادت کا شرف حاصل ہوا اور نصف صدی تک آپؒ نے مظاہر علوم میں علوم عالیہ اور آلیہ کا درس دیا بالخصوص آپ کو علم فرائض میں بڑا عبور اور درک حاصل تھا اسی لئے آپ اس دور میں اس فن کے امام سمجھے تھے، حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب نائب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہم نے پڑھانا آپ ہی سے سیکھا ہے آپ کے تلامذہ کی فہرست بڑی طویل ہے، مشہور اور قابل فخر شاگردوں میں مندرجہ ذیل حضرات کا نام سر فہرست ہے، محدث کبیر حضرت مولانا محمد یونس صاحب سابق شیخ الحدیث مظاہر علوم وقف، حضرت مولانا محمد عاقل صاحب سابق استاذ مظاہر علوم وقف سہارنپور'' حضرت مولانا محمد سلمان صاحب سابق استاذ مظاہر علوم وقف سہارنپور، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر المدرسین مظاہر علوم وقف سہارنپور، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری محدث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب نائب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ، حضرت مولانا مولانا ابوالحسن صاحب استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نقشبندی مہتمم جامعہ قاسمیہ کھاری بجنور (ماخوذ از حیات شیخ عبدالرحیم تھے)

مدرسہ اسلامیہ محلّہ میں بندوقچیان دھام پور کے سابق مدرس جناب منشی عزیز الرحمٰن صاحب دھام پوری جو حضرت مولانا وقار علی صاحبؒ کے پڑوسی ہیں، ابھی حالیہ ملاقات میں احقر کو مولانا وقار علی صاحبؒ کے متعلق ایک واقعہ سنایا کہ مولانا مظاہر علوم کی سفارت کے سلسلہ میں افریقہ گئے تو وہاں کسی صاحب خیر نے مولانا کو اپنے ذاتی خرچ کے لئے ساڑھے چار لاکھ روپئے دئے مگر مولانا علیہ الرحمہ نے از راہ احتیاط وہ پوری رقم مدرسہ مظاہر علوم کے دفتر میں جمع کردی اور اس خطیر رقم میں سے اپنی ذات کے لئے کچھ نہ رکھا، بہر کیف حضرت مولاناؒ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، اللہ رب العزت مولانا مرحوم کی جملہ علمی، دینی، ملی قومی مساعی جمیلہ کو شرف قبول بخشے، ان کو صدقہ جاریہ بنائے، ان کے پسماندگان اولاد واحفاد نیز تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مکتوبات تعزیت/ اظہار غم

ناصر الدین مظاہری

امام الفرائض حضرت مولانا سید وقار علیؒ کے متعلق دفتر کو بہت سے متعلقین ومحبین کے تعزیتی خطوط بھی موصول ہوئے ہیں، ادارہ ان تمام حضرات کا مشکور ہے جنہوں نے اپنے طور پر حضرت والا کیلئے ایصال ثواب اور تعزیتی نشستوں کا اہتمام کیا، تمام خطوط کا احاطہ بہت مشکل ہے البتہ چند اہم خطوط کے مندرجات نذر قارئین ہیں۔ (ن،م)

دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم مولانا عبدالخالق مدراسی مدظلہ اپنے مکتوب تعزیت محررہ ۱۸ر ربیع الاول ۱۴۳۳ھ میں لکھتے ہیں

مکرمی ومحترمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا وقار صاحب کے سانحۂ ارتحال کی خبر سے رنج وافسوس ہوا۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے، مولانا مرحوم مظاہر علوم کے قدیم استاذ تھے اور انہوں نے ایک زمانہ تک ادارہ کی خدمت کی، خدائے عز وجل ان کی دینی وتعلیمی خدمات کو شرف قبول عطا فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

دارالعلوم دیوبند میں ایصال ثواب کا بھی اہتمام کیا جا رہا ہے، اللہ رب العزت قبول فرمائے، دارالعلوم دیوبند سے نائب مہتمم حضرت مولانا عبد الخالق صاحب سنبھلی کی قیامت میں اساتذہ حضرات شرکت کے لئے پہنچ رہے ہیں، ہم خدام دارالعلوم کی طرف سے تعزیت مسنونہ قبول فرمائیں۔

عبدالخالق نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۴۳۳/۳/۱۸ھ

ندوۃ العلماء لکھنؤ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ، حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ کے نام اپنے مکتوب گرامی محررہ ۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’آپ کا عنایت نامہ ملا جس میں آپ نے سہارنپور حاضری کے حوالہ سے ملاقات کا تذکرہ کیا ہے اور تعلق خاطر کا مؤثر الفاظ میں اظہار کیا ہے وہ آپ کی بلند اخلاقی کی دلیل ہے، میں آپ کے جلیل القدر دادا حضرت مولانا سعید احمد اجراڑوی اور آپ کے جلیل القدر عم معظم حضرت مولانا مفتی مظفر حسین کا اپنے دل کی گہرائی سے قدرداں رہا ہوں، اور ملاقات پر مسرت ہوتی تھی، آپ کے دادا صاحب حضرت مولانا مفتی سعید احمدؒ کی زندگی میں چند دن مظاہر علوم میں رہ کر استفادہ کا موقع ملا تھا، میں نے ان کو قریب سے دیکھا تھا اور محبت وعقیدت ہوئی تھی، اسی تعلق سے پھر ان کے صاحبزادگان اور آپ سے تعلق خاطر قائم رہا۔

گذشتہ دنوں میں سہارنپور حاضری کے موقع پر آپ کے یہاں جانے کا قصد رکھتا تھا اور آپ نے دعوت بھی دی تھی، چنانچہ میں نے حاضری دی لیکن میری طبیعت کسی قدر ناساز تھی، اس لئے مختصر وقت ہی ٹھہر سکا، وقت بھی کم تھا، ٹرین پکڑنی تھی، اس لئے جلد روانہ ہو گیا۔

آپ کے عنایت نامہ سے آپ کی بلندیٔ اخلاق کا احساس ہوا، ذہنی مصروفیت کی وجہ سے ملاقات کے وقت مولانا سید وقار علی صاحب ناظم تعلیمات جامعہ مظاہر علوم سہارنپور جن کے دنیا میں نہ رہنے سے بڑا ملی خسارہ ہوا ہے ان کی آپ حضرات سے تعزیت نہ کر سکا، ان کے نہ رہنے سے جو علمی وتعلیمی خلا ہوا ہے وہ بڑا خلا ہے ان کے پسماندگان سے واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے میں نے کوئی تعزیتی خط بھیجا، آپ ہی سے تعزیت کر سکتا تھا جو کرنا رہ گیا تھا وہ میں اس خط کے ذریعہ سے اگر چہ بتاخیر ہے مگر کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی جو علمی اور تعلیمی خدمات ہیں ان کا اجر عظیم عطا فرمائے‘‘۔

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

مدرسہ امداد العلوم اور خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے متولی مولانا سید نجم الحسن تھانوی اپنے مکتوب تعزیت میں لکھتے ہیں:

''استاذ محترم حضرت مولانا سید وقار علی صاحب کے سانحہ وفات کا علم ہو کر بہت ہی افسوس ہوا۔

اناللّٰہ وانا الیہ راجعون ۔

انہوں نے مظاہر علوم میں جو طویل عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں اور جس دلچسپی اور احساس وفرض شناسی سے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں، اس میں وہ اپنی مثال آپ تھے، بڑوں کا وجود خوردوں کے لئے باعث رحمت وبرکت ہوتا ہے، آج ہم لوگ اس سے محروم ہو گئے، حق تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، آمین''۔

جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ:

حضرت مولانا سید وقار علیؒ کے شاگرد رشید اور عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کے فرزند حضرت مولانا سید حبیب احمد مظاہری مدظلہ اپنے مکتوب تعزیت محررہ ۱۳؍فروری ۲۰۱۲ء میں لکھتے ہیں:

''خدا کرے خیریت ہو! حضرت مولانا وقار علی صاحب ایک لمبی علالت کے بعد رحلت فرما گئے، حضرت مولانا کی بڑی خدمات ہیں، مظاہر علوم کیلئے ایک مضبوط ستون رہے، حضرت ناظم مولانا محمد اسعد اللہ علیہ الرحمہ کے بہت منظور نظر اور معتمد تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ مغفرت فرمائے، جنت الفردوس عطا فرمائے''۔

جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور

جامعہ اسلامیہ کے مہتمم مولانا محمد اختر صاحب مدظلہ نے اپنے مکتوب تعزیت محررہ ۱۹؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

مظاہر علوم وقف کے کہنہ مشق استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید وقار علی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی اطلاع کل تقریباً ۱۲؍بجے دن کو موصول ہوئی، انتہائی قلق ہوا۔

مولانا موصوف اکابر کی روایات کے امین اور فضلائے مظاہر علوم وقف کے لئے ریڑھ کی ہڈی تھے، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے زمانۂ اہتمام میں مسجد کلثومیہ میں بعد وظیفہ دعا کا اہتمام مرحوم کے ذمہ تھا، جب نام بنام دعا فرماتے ایسا محسوس ہوتا کہ اللہ ان کے قلب پر یہ نام القاء فرمارہے ہیں۔

مرحوم علماء کے طبقہ میں فرائض کے امام تصور کئے جاتے تھے، مظاہر علوم کی مسند درس پرفنونِ لطیفہ میں انہیں یدطولیٰ حاصل تھا اور اخلاق نبوی ﷺ طلبہ کی تربیت کے ملکہ سے اللہ نے انہیں نوازا تھا، حضرت فقیہ الاسلام مفتی مظفر حسین صاحبؒ کے وصال کے بعد سے طبیعت بہت متاثر تھی، بعد کے حالات نے طبیعت کے اضمحلال میں مزید اضافہ کردیا۔

طبقۂ علماء عموماً مظاہر علوم وقف خصوصاً ایک قیمتی سرمایہ سے محروم ہوگیا جس کی تلافی بظاہر مشکل ہے، قادر وقیوم خداوند تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور مرحوم کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔آمین''۔

جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ (گجرات)

حضرت مولانا سید وقار علیؒ کے نامور شاگرد اور مظاہر علوم وقف کے رکن شوریٰ مفتی محمد عبداللہ مظاہری مدظلہ مکتوب تعزیت محررہ ۱۹؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ میں لکھتے ہیں

''حضرت الاستاذ کو اللہ پاک نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا وہ بزرگوں کی روایات کے امین اور علوم وفنون میں تعمق کے اعتبار سے واقعی جانشین تھے، اخلاص، تن دہی اور وفا شعاری کے جذبات کے ساتھ تادم آخر جس طرح وہ مظاہر علوم وقف سے وابستہ رہے، وہ یقیناً اپنی مثال آپ ہے، ان کی وفات کے ساتھ ہی مظاہر کی تاریخ کا ایک باب بند ہوگیا، جو علم وعمل کی جامعیت اور وفا شعاری وتصلب فی الدین کے جذبے سے عبارت تھا، حضرت والا سے ہزاروں تشنگانِ علم نے فیض حاصل کیا، احقر کو بھی حضرت کی خاص عنایتیں اور شفقتیں حاصل رہیں، یقیناً ان بزرگ اساتذہ کی خدمت اوران ادعیۂ صالحہ وتوجہات کا ہی نتیجہ ہے کہ اللہ پاک نے دین کی سعادت بھری ٹوٹی پھوٹی خدمات سے وابستہ کررکھا ہے''۔

مدرسہ اسلامیہ خادم العلوم باغوں والی

مولانا محمد حامد صاحب مہتمم خادم العلوم باغونوالی لکھتے ہیں

''یقیناً آپؒ کی وفات امت کے لئے ایک بڑا سانحہ ہے جس سے علمی دنیا میں ایسا خلا ہوگیا جس کا پر ہونا مشکل ہے لیکن موت ایک اٹل حقیقت ہے جس کا ذائقہ ہر ایک کو چکھنا ہے، اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا مومن کا امتیاز ہے، اگر یہ پہلو بھی پیش نظر ہو کہ آپ اپنے رفیق اعلیٰ اور مولائے حقیقی کے

پاس پہنچ گئے اور سجن المومن سے نکل گئے اور اپنے پیچھے ایسی روحانی اولاد چھوڑ گئے جو بحیثیت خدامِ دین بہترین صدقۂ جاریہ ہیں۔تو یہ تسلی کا مؤثر ذریعہ ہے''۔

مدرسہ انوارالقرآن نعمت پور ضلع سہارنپور

منشی عبدالغفور صاحب مدظلہ مہتمم مدرسہ انوارالقرآن لکھتے ہیں کہ

مظاہر علوم کے قدیم خادم مخلص استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید وقار علی صاحب کے انتقال پرملال پر بیحد صدمہ اور رنج وملال ہوا،اب ہم سب کے لئے صبر وتحمل اور مرحوم ومغفور کے لئے ایصال کے علاوہ چارۂ کارنہیں،یہاں مدرسہ میں حضرت کی روح انور کو ایصال ثواب تمام طلبہ واساتذہ نے یکجائی طور پر مدرسہ کی مسجد جامع میں کیا اور مغفرت ودرجات کی بلندی کے لئے دعائیں بھی کی ہیں''۔

جامعہ ستاریہ فیض الرحیم نانکہ ضلع سہارنپور

جامعہ ستاریہ کے ناظم مولانا فضل الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں

''نہایت ہی حسرت وافسوس کے ساتھ تحریر ہے کہ ہندوستان کی ایک عظیم دینی درسگاہ،علم وادب اور ولی اللّٰہی درسگاہ جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور کے مایۂ ناز استاذ،مشہور عالم دین،عالی مرتبت حضرت مولانا سید وقار علی صاحبؒ کے انتقال کی خبر ملی،حضرت والا کے انتقال پر جامعہ ہذا میں رنج وغم کا ماحول چھا گیا،حضرت مہتمم صاحب نے جامعہ میں ایک تعزیتی مجلس منعقد کرائی جس میں حضرت والا کے لئے ایصال ثواب کیا گیا اور حضرت علیہ الرحمہ کی وفات کو ایک عظیم خسارہ قرار دیا،جامعہ کے سبھی اساتذہ اور طلباء نے اس میں شرکت کی،باری تعالیٰ مرحوم کی قبر کو جنت کا باغ بنائے''۔

مدرسہ مصباح الظفر ڈھکہ ضلع امروہہ

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے خلیہ ومجاز اور امام الفرائض حضرت مولانا سید وقار علیؒ کے شاگرد جناب مولانا مفتی محمد ذوالفقار علی لکھتے ہیں

بتاریخ ۱۸؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۱؍فروری ۲۰۱۲ء بروز ہفتہ شام تقریباً ۴؍بجے معلوم ہوا کہ مشفق ومحسن استاذ نا المحترم حضرت مولانا سید وقار علی صاحبؒ کا انتقال ہوگیا ہے اور بعد مغرب تدفین ہے۔ دور ماضی ذہن ودماغ میں گردش کرتا رہا، حضرت مرحوم کی سادگی، تواضع مظاہر علوم کی مخلصانہ خدمات حضرت شیخ ومرشد مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے پرخلوص تعلق، سبھی حضرات اکابر، ہم عصر لوگوں کا احترام اصاغر پر نظر عنایت وحوصلہ افزائی غرض تمام ہی روشن پہلوؤں کو سوچتا رہا اور دعاءِ مغفرت کرتا رہا، تھوڑی ہی دیر میں بعد نماز عصر یہاں مدرسہ ہذا میں سبھی حضرات اساتذہ وطلبہ عزیز نے حضرتؒ کے لئے ایصال ثواب کیا، مقدرات ہیں کبھی کبھی سبق کے دوران ازراہِ مذاق حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ الحمد للہ مجھے کبھی بخار وغیرہ نہیں آتا بس موت آئے گی لیکن حضرت شیخ ومرشد مفتی صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرتؒ کے دماغ پر ایسا اثر ہوا کہ اخیر وقت میں صاحب ِفراش ہی ہوگئے تھے، رب کریم سے قوی امید ہے کہ یہ اخیر حضرت مولاناؒ کے لئے کفارۂ سیئات اور ترقی درجات کا سبب بنے گا ان شاءاللہ العزیز''۔

☆☆☆

محتاج کفن لاش ہے اس فخر جہاں کی
ہے گورغریباں میں دھوم آہ وفغاں کی

☆☆☆

مرنا تو ہے برحق سبھی اک روز مریں گے
لیکن یہ شباب اور یہ اجل یاد رہیں گے

تعزیتی قرار دادیں

(ادارہ)

مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

آج مؤرخہ ۲۳؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۶؍فروری ۲۰۱۲ء بروز پنجشنبہ دفتر اہتمام میں حضرات اساتذہ وملازمین کا ایک اجتماع زیر صدارت حضرت ناظم صاحب زیدمجدہٗ منعقد ہوا، جس میں مرحوم استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید وقار علی صاحب کیلئے ایصال ثواب کیا گیا اور ذیل کی یہ قرارداد باتفاق رائے تحریر کی گئی۔

''مدرسہ مظاہر علوم (وقف) کے بڑے اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ مرحوم، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ مرید باصفا اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے شاگرد رشید ومعتمد خاص اور حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ ناظم مدرسہ کے مایہ ناز تلمیذ ومنظور نظر تھے نیز فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب علیہ الرحمہ کے موقف کے حامی اور ان کے دورِ انتظام میں ان کے ایک مخلص ترین معاون وخیر خواہ تھے۔

علم الفرائض میں آپ کو نبوغ وکمال اور ید طولیٰ حاصل تھا اور ایک زمانہ میں اسی نسبت سے اہل مدارس اور باذوق اربابِ علم آپ کی طرف شدّ رحال کرتے تھے۔ علمی دنیا میں آپ اس نسبت سے زیادہ معروف تھے۔ سراجی کی تدریس کی سعادت آپ کو مشکوۃ شریف پڑھنے کے زمانہ سے ہی حاصل ہوگئی تھی۔ سراجی سے متعلق آپ کے درسی افادات تشریح السراجی کے نام سے شائع ہوکر علمی حلقوں میں مرجعیت ومقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔

آپ بڑے ذاکر وشاغل، شب بیدار ومعمولات کے پابند تھے، مفادِ مدرسہ اور طلبہ کی تعلیم وتربیت کیلئے ہمہ وقت وقف رہتے تھے۔ آپ کی شخصیت کا فیض ہمہ جہت رہا اور آپ کے شاگرد پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں اہم مرکزی مدارس کے شیوخ الحدیث بھی

شامل ہیں، آپ کا زمانۂ تدریس نصف صدی سے بھی زیادہ ہے۔

آج کے دورِ قحط الرجال میں آپ کی وفات حسرت آیات نہ صرف مظاہرعلوم بلکہ علمی حلقوں کیلئے ایک عظیم سانحہ ہے۔ جس کی تلافی وتدارک بظاہر دشوار ہے لیکن اللہ قدیر کیلئے کچھ مشکل نہیں۔ حق تعالیٰ شانہ ادارہ کو موصوف کا نعم البدل عطا فرمائے۔

موصوف حضرت فقیہ الاسلامؒ کے انتقال پرملال سے متأثر ہوکر ایک زمانہ سے صاحب فراش تھے، بروز شنبہ ۱۸ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۱رفروری ۲۰۱۲ء کو اچانک طبیعت مجرائے اعتدال سے منحرف ہوئی، آثار مرگ ظاہر ہوئے اور تقریباً ۱۱ربجے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ ان للّٰہ مااخذ وان للّٰہ ما اعطی وکل شیء عندہ باجل مسمّی۔**

حضرت مرحوم کی نماز جنازہ بعد نماز مغرب دارالطلبہ قدیم میں ہوئی جس میں ہزاروں علماء، ذمہ داران مدارس اور طلبہ عزیز کے علاوہ بڑی تعداد میں عامۃ المسلمین شریک ہوئے۔ متعدد ممتاز سیاسی وسماجی شخصیات نے آکر ذمہ دارانِ مدرسہ واہل خانہ سے اظہار تعزیت کیا اور حضرت فقیہ الاسلامؒ وغیرہ اکابر مظاہر کے جوار میں قبرستان حاجی شاہ کمال میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ رحمٰن ورحیم موصوف کو اپنا جوار جلیل، پسماندگان کو صبر جمیل، ادارہ کو ان کا بدیل عطا فرمائے۔ ادارہ پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اوران کیلئے دعا گو ہے۔‘‘

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

مولانا وقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ استاذ مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور کے انتقال پرملال پر ائمہ، مؤذنین دفتر نظامت سنی دینیات میں منعقد ہوا۔ محترم ڈاکٹر مفتی زاہد علی خاں صاحب نے مرحوم کی تدریسی خدمات اور شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے انہیں وقت کا عظیم ترین استاذ قرار دیا، مولانا بلال احمد صاحب نے مرحوم کی مشفقانہ تربیت کے پہلوؤں کو اجاگر کیا، مولانا عجیب الرحمٰن، حافظ شاہد علی خاں، قاری حفیظ الرحمٰن اور حافظ عبید اقبال عاصم نے بھی اظہار خیال کیا، حافظ محمد واصف اور دیگر شرکاء کے سامنے درج ذیل تعزیتی قرارداد منظور کی، دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کے ساتھ میٹنگ کا اختتام عمل میں آیا۔

خیال رہے کہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا سعید احمد پالن پوری اور شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری مدظلہ کے علاوہ مرحوم کے شاگردوں کی ہندوبیرون ہند میں ایک کثیر تعداد ہے جس نے اس غم کو شدت سے محسوس کیا ہے۔

''ائمہ مؤذنین دفتر نظامت سنی دینیات کا یہ تعزیتی جلسہ مولانا وقارعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کو ایک عظیم علمی حادثہ قرار دیتا ہے، مرحوم نے گذشتہ پچاس برسوں میں علم دین کی جوخدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں، یوں تو مرحوم نے درس نظامی کے تمام علوم وفنون کی کتابوں کی تدریس کے فرائض انجام دئے لیکن علم میراث پر مولانا مرحوم کو جوعبور حاصل تھا وہ دورِ حاضر میں ناپید نظر آتا ہے، اس علم کے شائقین مولانا مرحوم کے انتقال سے جوخلا محسوس کررہے ہیں وہ بظاہر پر ہوتا نظر نہیں آتا۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام، ان کی دینی خدمات کو قبولیت اور سیئات سے صرف نظر فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل اور ملت کو نعم البدل عطا فرمائے۔

مدرسہ حسینیہ دھام پور

مشہور دینی ادارہ مدرسہ حسینیہ قاسم العلوم محلّہ پہاڑی دروازہ میں معروف عالم دین مولانا وقارعلی مرحوم دھام پوری کی یاد میں ایک تعزیتی جلسے کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت مفتی محمد قمر قاسمی امام وخطیب جامع مسجد دھام پور نے کی، نظامت کے فرائض مفتی افتخارالحسن نے بخوبی انجام دئے، جلسے کا آغاز قاری محمد فہد کی تلاوت وحافظ محمد ناظر کی نعت پاک سے ہوا، اس موقع پر مولانا محمد اسلم قاسمی صدر مدرس مدرسہ ہذا نے مولانا وقارعلی مرحوم کی تعلیمی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کو اپنے وقت کا بہترین عالم دین کہا اور ان کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور کہا کہ علم فرائض میں ان کو عبور حاصل تھا، مرحوم اسی محلّہ کے باشندہ تھے، ابتدائی تعلیم آپ کی اسی مدرسہ میں ہوئی، آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالرحیم مرحوم تھے پوری خلیفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ تھے، اہل دھام پور کے لئے آپ کا انتقال ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ڈاکٹر کمال احمد، ڈاکٹر آفتاب احمد، حافظ محمد احمد، عبدالباری، حاجی حسن خان،، حاجی محمد آفاق وغیرہ حضرات نے آپ کے انتقال پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

علاوہ ازیں آپ کو دھام پور سے بے پناہ انسیت تھی آپ جب بھی ادھر سے گزرتے خواہ تھوڑے وقت کیلئے ہی

آتے مدرسہ ہذا میں بھی ضرور تشریف لاتے ،سبھی احباب کی خیریت معلوم کرتے اور حوصلہ افزا کلمات سے نوازتے ، اور الگ الگ سبھی عزیزوں سے ملاقاتیں کرتے ،آپ کی یہ ہمدردانہ شفقت ومحبت ہمیشہ یاد رہے گی ۔آپ کے شاگردوں کی کثیر تعداد موجود ہے آپ کی علمی دینی خدمات کو بھلایا نہیں جاسکتا ،اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے ۔آمین

اس موقع پر مولانا محمد ادریس ،مولانا حسیب الرحمٰن ،قاری شرافت حسین ،قاری محمد اکرام ،قاری محمد ارشاد ، عبدالباری ،قاری اظہار الحسن ،مولانا مرغوب الرحمٰن ،مستری سردار علی ،حافظ محمد احمد قریشی ،حاجی محمد آفاق ،ڈاکٹر آفتاب احمد ،سید تحسین علی ،مولانا محمد ناظر ،انیس الرحمٰن مرزا ،مولانا عبدالرزاق ،حاجی مظاہر حسین ،قاری نوشاد عالم ،ماسٹر انیس احمد ،ڈاکٹر کمال احمد ،قاری راشد حمیدی موجود رہے ۔جلسے کے انعقاد میں اشرف علی ٹھیکیدار مولانا محمد اسلم قاسمی ،قاری محمد اکرام وغیرہ حضرات کا اہم تعاون حاصل رہا۔

☆☆☆

جو پیکر وفا تھے سراپا خلوص تھے
وہ لوگ کیا ہوئے وہ زمانہ کدھر گیا

☆☆☆

میت پہ مری آکے وہ پوچھتے ہیں شوق
کیوں؟ آج دردِدل کافسانہ کدھر گیا

☆☆

رورہی ہے جس طرح شمع پروانہ کہ بعد
آپ بھی روئیں گے مجھ کو مرے جانے کے بعد

☆☆☆

آئی جو،ان کی یادتو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

تذکرہ

حضرت الاستاذ مولانا سید وقار علی دھام پوریؒ

از: مجد القدوس خبیب رومی

ولادت/ وطن

استاذ الفرائض حضرت الاستاذ مولانا سید وقار علی صاحب کی ولادت اپنے آبائی وطن دھام پور ضلع بجنور میں ہوئی ، والد بزرگوار کا نام حافظ سید انظار علی صاحب مرحوم ہے جو کاروبار تعمیر سے وابستہ تھے بعد میں دہرہ دون منتقل ہوگئے تھے ، مدرسہ مظاہر علوم کے تعلیمی ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ۲۱ رشوال المکرّم ۱۳۷۱ھ کو مختصر المعانی کی جماعت میں شامل ہوئے ، اس وقت آپ کی عمر ۱۷ رسال تھی اس حساب سے سن ولادت ۱۳۵۴ھ نکلتا ہے۔

تعلیم وتربیت

ابتدائی تعلیم شرح جامی تک اپنے وطن دھام پور میں استاذِ اساتذۂ بجنور حضرت مولانا حافظ قاری عبدالرحیم صاحب تھے پوریؒ (شاگرد وتربیت یافتہ حضرت شاہ یٰسین نگینویؒ مجاز طریقت حضرت مولانا گنگوہیؒ) سے حاصل کی، مختصر المعانی سے دورۂ حدیث شریف اور اس کے بعد مختلف علوم وفنون کی تکمیل مادر علمی مظاہر علوم سہارنپور میں کی ، اور مولانا محمد عاقل صاحب سہارنپوری اور مولانا محمد یونس صاحب جونپوری کے تکمیل فنون کے سال ان کے ساتھ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ کے درس فنون میں بھی خصوصی سامع رہے ، افسوس کہ اس کے بعد وہ درس فنون قصہ ماضی ہوگیا اور اس کے بعد کوئی ان کتابوں کا پڑھانے والا بھی یہاں نہیں رہا ،

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب اجراڑویؒ ذکر کرتے تھے کہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بیٹے! مجھ سے ان فنون کو پڑھ لو، آئندہ اگر پڑھنا بھی چاہو گے تو شاید کوئی پڑھانے والا بھی نہ ملے گا پھر واقعی یہی ہوا بھی کہ

رانڈ ہی ہوگئے قانون وشفا ان کے بعد

مولانا وقار علی صاحبؒ کو اپنے جملہ اساتذہ کرام سے خاص تعلق رہا اور آپ کے اساتذہ کرام کو بھی خاص توجہ رہی، خصوصاً نظم مدرسہ کے حل وعقد، نصب وعزل میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے معتمد علیہ اور تنفیذ امور کیلئے نفس ناطقہ رہے اور حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ کی بھی خاص شفقت رہی چنانچہ جب مولانا تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے وطن دھام پور واپس جانے لگے تو حضرت مولاناؒ نے برجستہ اپنے قلبی تعلق کا اظہار بوقت رخصت یوں کیا۔

آج رخصت وقار تم ہوگے
ہم کو داغ مفارقت دوگے

فراغت

شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوئے اور اس سال دورۂ حدیث شریف کے تمام طلبہ میں مولانا فائق وممتاز تھے، جس کی بناء پر مدرسہ کی طرف سے حسب ضابطہ مندرجہ ذیل کتب انعامیہ مع دس روپئے ''اول نمبر کل طلبہ'' کے اعزاز میں دئے گئے (۱) درر فرائد (۲) رسالہ مصر عربی (۳) رسالہ النور مکمل ایک سال کی فائل (۴) وزارۃ الشئون الاجتماعیۃ (۵) مسلسلات (۶) عقائد علماء دیوبند (۷) سرمایۂ زبان اردو (۸) گلبن ادب (۹) سیاحت زمین۔

بیعت واسترشاد

بیعت واسترشاد کا تعلق حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ سے رہا چنانچہ اپنے شیخ ومرشد کے بتائے ہوئے معمولات وتسبیحات کی پابندی تہجد اور باوضو مطالعہ وسبق کا اہتمام ہمیشہ رہا۔ بعد میں استفاضہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب گمتھلوی اور حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب اور حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی رہا۔

ملازمت وتدریس

مؤرخہ ۶ رشوال المکرّم ۱۳۷۷ھ سے مدرس عربی کے عہدہ پر مادرعلمی مظاہرعلوم میں تقرر ہوا چنانچہ ابتدائی کتب نحو وصرف اور منطق وفلسفہ، معانی وادب، فقہ واصول فقہ کی انتہائی کتابیں مسلسل زیر درس رہیں اور تفسیر وحدیث کی کتابیں بھی پڑھائیں، سراجی کی تدریس کا سلسلہ مشکوۃ شریف پڑھنے ہی کے زمانہ سے شروع ہوگیا تھا جس کی مجموعی مدت نصف صدی ہوتی ہے، **ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء .**

حضرت مولانا جامعہ مظاہرعلوم کے مدرس اعلیٰ اور مسلم استاذ الفرائض ہونے کے باجود از راہ تواضع وانکسار استفادۃً حضرت مولانا مفتی مظفرحسین صاحبؒ کے درس ترمذی شریف میں بھی ایک سال شریک ہوئے، دوران درس ایسے علمی وتحقیقی اشکالات پیش کرتے کہ جن کو سن کر حضرت مفتی صاحبؒ متحیر ومتعجب ہوجاتے، ایک دفعہ ہنس کر دریافت فرمایا کہ مولانا یہ اشکالات آپ کہاں سے لاتے ہیں؟ مولانا نے کہا کہ حضرت مولانا منظوراحمد خاں صاحبؒ کو حاشیہ عبدالحکیم سیال کوٹیؒ پورا از بر تھا، ان میں سے بعض اشکالات وہیں کے ہوتے ہیں اور بعض خود میرے ہوتے ہیں، اسی طرح ہدایہ ثالث ورابع یکے بعد دیگرے پڑھانے کے زمانہ میں فتح القدیر، بنایہ، عنایہ، عین الہدایہ قدیم وغیرہ شروحِ ہدایہ کا مطالعہ بغور فرماتے اور ہدایہ کی بعض عبارات کے حل کے لئے مذکورہ شروح وحواشی سے مسئلہ حل نہ ہوتا تو حضرت مفتی صاحبؒ سے رجوع فرماتے مگر مفتی صاحبؒ بھی مولانا کے بعض اشکالات کے حل سے قاصر رہتے اور مطالعہ وغور وخوض کے بعد صاف فرمادیتے کہ اس وقت جواب سمجھ میں نہیں آیا۔ اسی طرح مختصر المعانی پڑھانے کے دوران شروح اربعہ، حاشیہ دسوقی، مطول، نیل الامانی وغیرہ زیر مطالعہ رہتیں اور ان پر بھی دوران درس کلام فرمایا کرتے تھے اور مولانا کا سب سے معروف اور دلچسپ سبق سراجی کا ہر جمعہ کو تقریباً تین چار گھنٹے ہوا کرتا تھا جس میں شریفیہ حاشیہ سراجی اور مفید الوارثین، ضیاء الفرائض مولانا کے پیش نظر رہا کرتی تھیں۔ مولانا کو سب سے زائد مناسبت فن فرائض ہی سے محسوس ہوتی تھی، چنانچہ ایک دفعہ میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ فنون کے بعد میں نے بھی افتاء کرنا چاہا تھا مگر قاری سعید احمد صاحبؒ (سابق مفتی مظاہرعلوم سہارنپور) نے پہلے ہی روز مشق افتاء کیلئے تین سوالات دئے اور ہدایت فرمائی کہ کم ازکم پانچ پانچ کتابوں سے مدلل ومحول کرکے جوابات لکھو۔ بس اس کے حوالے تلاش کرنے میں جو الجھن مجھے محسوس ہوئی تو میں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ صرف سراجی کو سمجھ کر اس کی تخریج کی مشق کرلی جائے چنانچہ میں نے

حضرت مولانا اکبرعلی صاحبؒ سے تو ضابطہ میں سراجی کا درس لیا مگر اس کی تخریج کی مشق استاذ الاساتذہ حضرت مولانا منظور احمد خان صاحبؒ سے کی۔ مولانا کو سراجی سے کیسی مناسبت تھی اس کا اندازہ ان کے معاصرین کو بخوبی تھا چنانچہ حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے وصال پر تعزیت کیلئے مولانا سید وقار علی صاحبؒ، مولانا اطہر حسین صاحبؒ اور راقم الحروف وغیرہ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند گئے وہاں مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی (مفتی دارالعلوم دیوبند) مناسخہ سے متعلق کسی استفتاء کا جواب تحریر فرما رہے تھے، مولانا نے اسے دیکھ کر بغیر کسی تاخیر کے فرمایا کہ اس میں تو یہ یہ اصطلاحی سقم ہیں، مفتی صاحب بہت محظوظ وممنون ہوئے اور فرمایا کہ جب میں سنتا ہوں کہ جمعہ کو آپ کا درس سراجی ہوتا ہے تو میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اس میں شرکت کروں اور اس قسم کی جو اصطلاحی کمزوریاں ہیں ان کو آپ سے دور کرلوں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا موصوف اپنے زمانہ تدریس میں نہایت تحقیق وتدقیق اور شرح وبسط سے کما حقہ کتاب پڑھاتے تھے، محض بین السطور اور حواشی تک بحث وتمحیص محدود نہ رہتی تھی بلکہ کتاب کی جملہ اردو عربی شروح بھی زیر بحث آتی تھیں۔

اساتذۂ مظاہر علوم

(۱) استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ظہور الحق صاحب دیوبندیؒ (۲) حضرت مولانا منظور احمد خانصاحب سہارنپوریؒ، (۳) مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ، (۴) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ (۵) حضرت علامہ صدیق احمد صاحب فاروقی کشمیریؒ (۶) حضرت مولانا ظریف احمد صاحبؒ (۷) حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب اجراڑویؒ (۸) حضرت مولانا امیر صاحب کاندھلویؒ (۹) حضرت مولانا اکبر علی صاحب سہارنپوریؒ (۱۰) حضرت مولانا قاری محمد سلیمان صاحب دیوبندیؒ۔

ممتاز تلامذۂ کرام

(۱) حضرت مولانا محمد عاقل صاحب سہارنپوری (۲) حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری (۳) حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری (۴) جناب مولانا محمد سلمان صاحب سہارنپوری (۵) جناب مولانا محمد یعقوب صاحب سہارنپوری (۶) جناب مولانا محمد قاسم صاحب سہارنپوری (۷) جناب مولانا حبیب اللہ صاحب مظاہری (۸) جناب مفتی عبداللہ صاحب مظاہری ہانسوٹ (۹) جناب مفتی عبداللہ صاحب

بستوی (۹) مفتی عبداللہ پھولپوری (۱۰) مفتی عبدالحسیب اعظمی وغیرہم۔

ان ممتاز اہل علم وافتاء کے علاوہ کثیر تعداد نے آپ سے مختلف علوم وفنون بالخصوص علم میراث میں اکتساب فیض کیا ہے ان سب کو نام بنام شمار کرنا یہاں مقصود نہیں ہے۔

احقر کو بھی مولانا مرحوم سے مختصر المعانی، قطبی، ہدایہ ثالث اور سراجی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

مولانا کے اولین معلم استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب تھے پوریؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا: ''مولانا وقار علی صاحب اسلاف کا نمونہ ہیں''۔ **کثر اللّٰہ فینا امثالھم**

مولانا کے استاذ کا یہ اعتراف ان کے کیلئے بہت بڑی سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

یادگارِ زندگی

''نفیس تشریح السراجی'' ۱۴۲۳ھ (یہ تاریخی نام والدمحترم ترجمان حقیقت حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس رومیؔ صاحب علیہ الرحمہ کا تجویز فرمودہ ہے) یہ کتاب حضرت مولانا کے درس سراجی کی ایک تقریر ہے جسے عزیز گرامی مولوی مفتی محمد علی حسن نہٹوری سلمہٗ نے دورانِ سبق مولانا کے الفاظ میں قلم بند کیا تھا، حضرت الاستاذ کا درس سراجی مظاہر علوم ودارالعلوم اور دُوسرے مرکزی مدارس میں بھی مقبول ومسلم اور مشہور ومعروف رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم، اساتذہ مظاہر علوم کی توجہ وبرکت اور خود ان کی محنت ومطالعہ کی بناء پر سراجی کے ساتھ مناسبت تامہ اور غیر معمولی شغف عطا فرمایا تھا۔ میرے نہایت مشفق ومخلص استاذ مکرم حضرت مولانا سید صدیق احمد باندویؒ نے احقر سے فرمایا تھا کہ اس وقت مظاہر علوم میں جیسی محنت اور مطالعہ مولانا وقار علی بجنوری اور مولانا یونس جونپوری کرتے ہیں اس کی مثال ونظیر دوسر جگہ ملنی مشکل ہے۔ چنانچہ اس وقت ہند وبیرون ہند کے بڑے بڑے مدارس میں مولانائے محترم کے تلامذہ ومستفیدین سراجی کی تدریس وتخریج اور علم میراث کی نشرواشاعت میں بفضلہٖ تعالیٰ مشغول ومصروف ہیں، **تقبل اللّٰہ تعالیٰ منھم**۔

مقولہ مشہور ہے ''**التلمیذ نسخة استاذہ**'' عزیزم مفتی محمد علی حسن نہٹوری کی یہ مرتب کردہ کتاب استاذ محترم کی تعلیم سراجی کا مثالی نمونہ ہے، عزیز موصوف مولانا مرحوم کے آخری زمانہ کے لائق وسعادت مند اور ہونہار شاگرد ہیں ان کے اس کام کے صحیح ومعتمد اور مستند ہونے کی شہادت خود حضرت الاستاذ نے دی تھی جبکہ احقر نے مولانا سے گذارش کی کہ آپ کا '' درس سراجی'' محفوظ ومنضبط ہوکر شائع ہوجاتا جس سے آئندہ دوسرے طلبہ بھی مستفید ہوتے تو مولانا نے فرمایا کہ میرے درس سراجی میں مولوی علی حسن نے جو کاپیاں لکھی

ہیں وہ میں نے دیکھ لی ہیں انہوں نے میرے الفاظ میں سبق ضبط کیا ہے، البتہ میرے یہاں ذرا تکرار کی عادت اور تفہیم کے لئے مکرر سہ کرر بات کہنے کا معمول رہا ہے اس لئے اس میں حک وفک کر کے اس کی نوک پلک درست کرادو اُس کے بعد طبع ہوجائے۔

چنانچہ احقر نے کتاب کی تعبیرات دیکھیں اوران کی اصلاح وتصحیح کرادی، مولانا مرحوم احقر کی اس خدمت سے بہت مسرور ومحظوظ ہوئے، دعائیں دیں اور فرمایا کہ کتاب پر میری جانب سے تصدیق وتوثیق بھی تم ہی لکھ دو۔ احقر نے حکم کی تعمیل کی اور بحمدہٖ تعالیٰ مولانا کی آخری یادگار ''نفیس تشریح السراجی'' مولانا کی زندگی ہی میں طبع ہوکر منصۂ شہود پر آگئی۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی اس یادگار زندگی کو مستفیدین کے لئے تادیر استفادہ کا ذریعہ بنائے اور حضرت الاستاذ، مرتب، مصحح، ناشر اور معاونین سب کی طرف سے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

چھوڑ جاتے ہیں سلف کچھ یادگارِ زندگی　　جاتے جاتے دے گئے وہ بھی بہارِ زندگی
زندگی کا ماحصل وہ زرنگارِ زندگی　　یعنی ''تشریح السراجی'' شاہکارِ زندگی

خشک مٹی پر وراثت کی نئی برسات ہے
اہل علم وفضل کی تو بس یہی سوغات ہے

عقد نکاح

مؤرخہ ۲؍ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۰؍جون ۱۹۵۸ء یوم جمعہ کو جناب سید محبوب علی صاحب کی صاحبزادی سے قصبہ شیرکوٹ میں عقد ہوا، (اہلیہ محترمہ حیات ہیں، **بارک اللّٰہ فی حیاتھا**)

اولاد وبنات

پانچ صاحبزادے ہوئے جن میں سے ایک بچپن ہی میں مفقود الخبر ہوگئے، چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہوئیں جن میں ایک مولانا کی زندگی میں انتقال کرگئی بقیہ ماشاء اللہ زندہ وسلامت ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو بخیر وعافیت حیات طیبہ عطا فرمائے۔ آمین

زہد وقناعت:

ہمارے مولانا کے والد بزرگوار دہرہ دون میں پتھر وغیرہ کا کاروبار کرتے تھے، مولانا کے دوسرے

برادران بھی اسی کاروبار میں اپنے والدصاحب کے ساتھ شریک ومعاون تھے ،مگر مولانا نے مظاہرعلوم کی خدمت کواپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھااور وہ اس میں ساری زندگی اتنے محواور منہمک رہے کہ دنیاومافیہا کی خبرہی نہ لی، چنانچہ ان کے والدمرحوم کے بعدوطن میں ان کی میراث کے ساتھ وہی ہواجوایسے موقعے پرعموماًاہل دنیا کیا کرتے ہیں کہ'' حاضرمیں حجت نہیں، غائب میں تلاش نہیں''، پرعمل کرلیا کرتے ہیں۔ اور ہمارے مولانا مظاہرعلوم کی خدمتِ تدریس وانتظامِ تعلیم میں اتنے فنا ہوئے کہ اپناذاتی مکان تک نہ بنایا اور پوری زندگی توکل برخدا گزارگئے۔ **جزاهم الله تعالیٰ احسن الجزاء من جميع المتعلمين والمستفيدين**۔آمین

صحت

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مولانا کی صحت ان کے اقران ومعاصرین میں سب سے اچھی اور قابل رشک تھی، مولانا بیمارشاید ہوتے ہی نہیں تھے،احقر نے تقریباً پچیس سال کے طویل عرصہ میں مولانا کوکبھی صحیح معنی میں بیمار نہیں دیکھا،اسی وجہ سےکبھی رخصت بیماری یاناغہ اور غیر حاضری بھی نہیں دیکھی۔

فرمایا کرتے تھے کہ میرے یہاں قوت حفظ تو ہےنہیں البتہ محنت ومطالعہ سےاس کی تلافی کرنے کی کوشش کرتا ہوں،کبھی فرماتے کہ میں سورہ فاتحہ میں تو بھول سکتا ہوں لیکن سراجی میں نہیں بھول سکتا مگر واللہ غالب علی امرہ ،مولانا اپنی اخیر عمر میں نسیان کےایسے مریض ہوئے کہ ؎

جاتارہا وہ ذوق بھرا تھا جو قلب میں
غائب ہوا وہ ذہن جو حاضر دماغ تھا

مرض الوفات

تقدیرالٰہی سے ادھرتو حضرت مولانا مفتی مظفرحسین صاحبؒ کا ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ میں اچانک انتقال ہوااور ادھر ہمارے مولانا کے اعصاب پرشدید حملہ ہوااور دیکھتے ہی دیکھتے مولانا جو ہمہ وقت متحرک بالفعل اور ناطق رہا کرتے تھے یکدم ساکن وصامت دکھائی دینے لگے،ضعف اعصاب کی وجہ سےنطق وگویائی متاثر ہوگئی اور جواب دہی کی قوت جواب دےگئی ،بات سنتے اورشاید سمجھتے بھی مگراس کا جواب دینے سے عاجز رہتے ،اس کیفیت میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا رہا،دماغی رگیں خشک ہوگئی تھیں، صاحبزادگان ومتعلقین نے

حسب وسعت واستطاعت سہارنپور، دہرہ دون اور رنگون میں علاج کرایا مگر

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

وقت موعود

مولانا کا وہ وقت موعود آہی گیا جس کا ان کو انتظار تھا (اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس کا استحضار اور اس کی تیاری نصیب فرمائے، آمین) چنانچہ ۱۸؍ربیع اول ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۱؍فروری ۲۰۱۲ء شنبہ کو دن میں گیارہ بجے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما گئے اور

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون (القرآن) ان للّٰہ ما أخذ ولہ ما اعطی وکل شیء عندہ اجل مسمی الخ (الحدیث)

بعد نماز مغرب مولانا کے خلف ارشد مولوی محمد ارشد سلمہٗ (مدرس مدرسہ مظفریہ شاخ مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور) نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبل نماز عشاء قبرستان حاجی شاہ کمال سہارنپور میں اس گنجینۂ علم فرائض کو آغوش لحد کے سپرد کر دیا گیا۔۔ **نور اللّٰہ مرقدہٗ وبرد اللّٰہ مضجعہٗ۔**

اپنے رب سے اپنی خدمت کا صلہ پائے گا وہ
آہ لیکن اب کبھی واپس نہیں آئے گا وہ

☆☆☆

تشکر وامتنان

جناب مولانا عزیز النبی خان مظاہری رامپوری نمائندۂ خصوصی مظاہر علوم (وقف) سہارنپور جو کافی دن سے سخت علیل تھے، چنانچہ ماہنامہ میں مولانا موصوف کے لئے بار بار دعاء صحت وشفا کی اپیلیں شائع کی گئیں۔

اب ماشاء اللہ مولانا موصوف روبہ صحت ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں مزید صحت وقوت عطا فرمائے۔

مولانا موصوف ان تمام حضرات کے ممنون وشکر گزار ہیں جنہوں نے اپنی مستجاب دعاؤں میں بطور خاص یاد رکھا۔ **فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء**

(ادارہ)

یادِ ایام

مفتی محمد راشد ندوی مظاہری

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید وقار علی صاحب کا نام علمی حلقوں میں بالخصوص مظاہر علوم کی تاریخ میں ایک نمایاں حیثیت کا حامل ہے، ہندوستان کے اکثر بڑے مدارس میں آپ کے شاگردان خدمات انجام دے رہے ہیں جو آپ کے لئے ایک بہترین صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت ہے۔

آپ نے تقریباً ۸۰ سال عمر پائی، زندگی کے آخری سالوں میں آپ کی حالت شروع سالوں کے مقابلہ میں مختلف تھی، آپ کی یادداشت متاثر ہو چلی تھی، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ کثرت مطالعہ وکتب بینی کے سبب آپ کا ذہن ودماغ متاثر ہوا جب کہ ایک تعداد یہ کہتی ہے کہ حضرت مفتی مظفر حسینؒ کے انتقال پر ملال کے حادثہ نے آپ کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا جس کے نتیجہ میں آپ کا دماغ اس درجہ متاثر ہوا کہ آپ کی حالت ایک بے خود درویش کی سی رہنے لگی، ہر وارد وصادر یہ خیال کرتا کہ آپ کچھ سمجھ نہیں رہے ہیں جب کہ معاملہ درحقیقت ایسا نہیں تھا جیسا کہ آپ کے بعض تعامل سے خوب ظاہر ہے۔

عصر کی نماز کے بعد آپ دفتر اہتمام میں تشریف رکھتے تھے، آپ خاموش بیٹھے ہوئے ہر ایک کی نقل وحرکت بہرحال نوٹ کرتے رہتے تھے، راقم اور اس کے احباب کی خوب باتیں ہوتی تھیں کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ مدیر ماہنامہ مولانا ناصر الدین مظاہری اور مولانا محمد عارف مظاہری ندوی ہوتے تو مولانا سے خوب باتیں ہوتی تھیں، ناصر الدین صاحب پرانی باتیں چھیڑ دیتے تو باتوں سے باتیں نکلتی رہتی، مولانا بھی محظوظ ہوتے اور اشاروں میں الفاظ وکلمات کے کنایوں میں سہی مگر اپنی بات کہہ دیا کرتے تھے۔

ایک دن گفتگو چھڑ گئی، حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری اور ان کی مجالس حسنہ کی، تو فرمانے لگے ''یار میں تو بہت چھوٹا تھا اور پیچھے بیٹھتا تھا، وہاں تو بڑے بڑے لوگ آتے تھے، ہم تو کچھ بھی نہیں تھے اور اب؟ اب تو محفلیں ترس گئیں، اب کہاں کوئی نظر آتا ہے؟ یہ مولانا کے کلمات کا مفہوم ہے جس میں اکثر جملے خود ان کے ہیں، آپ امت کے لئے خوب دعائیں کرتے تھے، اگر کوئی آدمی اپنی پریشانی لے کر آتا اور دعا کی درخواست کرتا تو بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ دعا کی درخواست تو مولانا محمد سعیدی صاحب (ناظم ومتولی مظاہر علوم) سے کر رہا ہوتا اور آپ اس کے لئے دعا کر رہے ہوتے تھے، دعاؤں کا بڑا اہتمام تھا، پڑھائی کے زمانہ میں ہم ایک مرتبہ لالٹین خرید کر لائے، ہم دفتر اہتمام سے گزر رہے تھے، آپ نے اپنی انگلی کے خاص اشارے سے

بلایا، فرمانے لگے کیا کیا کرتا پھر رہا ہے تو؟ یہ کیا لایا ہے؟ عرض کیا کہ حضرت لالٹین ہے، رات میں بجلی اکثر غائب ہو جاتی ہے تو پڑھائی نہیں ہو پاتی، لہٰذا یہ خرید کر لائے ہیں، ایک ساتھی نے کہا کہ حضرت اس (لالٹین) کے لئے دعا کر دیجئے، بہر حال آپ نے اس کے لئے دعا کی، اس طرح دعا کی اس کے اوپر ہاتھ رکھ کر جیسا کہ کسی بچہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کے لئے دعا کر رہے ہو، اس لالٹین سے ہم نے خوب استفادہ کیا اور وہ گھر میں زیر استعمال ہے اور محفوظ ہے۔

نمازوں کا اہتمام، اوقات نماز کی حفاظت اور وضو پر مواظبت آپ کے خاص اوصاف ہیں، کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ آپ وضو پر وضو فرماتے، درود پاک کا بھی خوب اہتمام تھا، ادائیگی صلاۃ کا فکر آپ کو اس درجہ دامن گیر رہتا تھا کہ بسا اوقات آپ مصاحبین کو تقاضا کرتے کہ اذان کب ہوگی؟ کبھی کبھی حافظ رفاقت علی (خادم مسجد) کو بلا کر کہتے کہ ''ابے یار جلدی سے اذان پڑھ دے نا! تا کہ ہم نماز پڑھ لیں۔

ایک مرتبہ دورانِ امتحان مراقبین اپنے عمل میں مصروف تھے، مولانا بھی دارالحدیث میں تشریف فرماتے تھے، وقفہ چائے میں مسند درس کے پاس ہی ہم لوگ بیٹھے ہوتے، آپس میں ہلکی پھلکی گفتگو ہونے لگتی، آپ نے استفسار کیا کہ: کیا کیا باتیں ہو رہی ہیں یار مجھے بھی بتا دیا کرو''؟ ایک ساتھی نے ایک دوسرے استاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ تنخواہ کے متعلق باتیں ہو رہی ہیں اور یہ اس طرح کہہ رہے ہیں، آپ نے جواب دیا ''اچھا وہ بھی بالغ ہو گیا جو اس طرح کی باتیں کر رہا ہے''؟

آپ رہتے تو خموش تھے مگر اندازہ ہوتا ہے کہ تمام باتوں کا بڑی باریکی کے ساتھ ملاحظہ کرتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ یونہی بیٹھے ہوئے تھے، خوب مذاق ہو رہی تھی، مولانا مرحوم بھی گاہے گاہے کچھ فرما رہے تھے، اگر حافظہ خیانت نہیں کر رہا ہے تو یاد پڑتا ہے کہ شاید کسی ساتھی کی کوئی بات آپؒ کو نا گوار گزری مگر آپ نے اس کا احساس نہیں ہونے دیا، مجلس چلتی رہی، ایک ساتھی نے آپ سے عرض کیا کہ حضرت آپ بہت اشعار پڑھتے تھے، کچھ اشعار سنا دیجئے، آپ مسکرائے، کچھ توقف کے بعد یہ اشعار پڑھے ممکن ہے ان میں راقم سے کچھ تقدیم وتاخیر ہو گئی ہو مگر مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اشعار یہی ہیں۔ ؎

دیوانہ کو تحقیر سے دیوانہ نہ کہنا دیوانہ بہت سوچ کر دیوانہ بنا ہے
دیوانہ کی نظروں کو جہاں دیکھ رہا ہے دیوانہ خدا جانے کہاں دیکھ رہا ہے

ان اشعار میں شاید محفل کی بے احترامی پر تأدیب اور عرض گزار کی فرمائش کی تکمیل دونوں تھی، یہ اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں کچھ نہ جانتے ہوئے بھی سب کچھ سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے منور اور آپ کی نسل میں آپ کا علمی جانشین پیدا فرمائے۔ (آمین)

شیخ الحدیث حضرت مولانا علامہ محمد عثمان غنیؒ

مفتی ناصر الدین مظاہری

موت وحیات کی باگ وڈور جس کے قبضہ میں ہے اسی کا ارشاد گرامی ہے اَیْنَمَا تَکُوْنُوا یُدْرِکْکُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے کہ لَا یَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ،ان واضح ارشادات کو دھیان میں رکھئے اور کارگہہ حیات پر نظر کیجئے ، ہر چیز لگے بندھے وقت کے مطابق پیدا ہوتی اوروقت مقررہ پر فنا ہوجاتی ہے، ملائک سے لے کر خلائق تک ، جمادات سے لے کر نباتات تک کیا چیز ہے جس کو دوام اور استمرار حاصل ہو؟ روئے زمین پر بلکہ آسمان کے نیچے رہنے ، بسنے اور پیدا ہونے والی ہر چیز پر تو فنائیت طاری ہونی ہے گویا جب جس چیز کا وقت پورا ہوجاتا ہے، جب مستعار ساعتیں پوری ہوجاتی ہیں، جب کسی چیز کی ضرورت کی تکمیل ہوجاتی ہے تو پھر فنائیت طاری ہوجاتی ہے۔

مشیت ایزدی:

اسلام کی تکمیل شارع اسلام کے عہد میمون میں ہوئی اورآیت کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً نازل ہوئی تو ایمانی فراست سے مالا مال اصحاب رسول ﷺ سمجھ گئے کہ اب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا گویا وقت آچکا ہے۔اس لئے اس دنیا میں بسنے والی کسی ذات ، کسی شخصیت اور کسی ہستی کیلئے ایسے الفاظ کا استعمال یقیناً غلط ہے جو اصول الٰہی سے مزاحم ومتصادم ہوں مثلاً یہ کہنا کہ ’’فلاں صاحب ایسے وقت میں پردہ فرما گئے جب ان کی سخت ضرورت تھی‘‘ یا یہ لکھنا کہ ’’موت کے بے رحم پنجوں نے آپ کی روح قبض کرلی‘‘ ، یا یہ لکھنا کہ ’’اب فلاں صاحب کے خلا کا پُر ہونا ناممکن ہے‘‘ اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرنے کیلئے اس قسم کے دوسرے جملوں اورتعبیرات کا سہارا لینا شرعاً اورعقیدۃً غلط ہے کیونکہ کب کس چیز کی ضرورت ہے، کس کو کب جانا اور مرنا ہے، کب کس کا وقت پورا اور ضرورت ختم ہوئی ان تمام باتوں کا علم صرف اورصرف احکم الحاکمین کو ہے جس کے آگے داناؤں کی دانائی، حکماء کی حکمت اور دانشوروں کی دانش مندی سب ہیچ ہے، یہ اسلام

کی تعلیمات میں سے ہے کہ انسان کو ہر حال میں اللہ کی رضا کو پیش نظر رکھنا ہے۔

ان سچائیوں اور صداقتوں کے بعد یہ بھی ایک فطری عمل ہے کہ انسان اپنی کسی متاع گرانمایہ کے زیاں پر اپنی حرماں نصیبی کا اظہار واعتراف کرے اور ایسی متاع کے کھو جانے سے قلب ودماغ کی بے چینی وبے قراری ہر فرد بشر کی مجبوری بن جاتی ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح حضرت ابراہیمؓ کے وصال پر سرور کائنات کی چشمان مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئیں تھیں اور درد کے ساتھ فرمایا تھا کہ **ان العین تدمع والقلب یحزن ولانقول الاما یرضی ربنا وانا بفراقک یاابراھیم لمحزونون** آنکھیں رو رہی ہیں، دل پریشان ہے اور ہم وہ باتیں کریں گے جن سے اللہ راضی ہوا ے ابراہیم! تیری فرقت سے ہم غمزدہ ہیں۔

غروب آفتاب:

ایسی ہی ایک عظیم ہستی آج ہمارے درمیان سے اٹھ گئی ہے جس کے گھنے سایہ میں بیٹھنا اور جن کی مجلسوں میں شرکت کرنا طلبہ وعلماء اپنے لئے باعث افتخار تصور کرتے تھے، جن کے اسباق کی مقبولیت، تقریر کی لذت، حضور اکرم ﷺ سے عشق ومحبت، اپنے اساتذہ واکابر سے تعلق وعقیدت، گفتگو کی حلاوت، تلقین وہدایت اور اصلاح کے ہمہ جہت پہلوؤں کو بھلا دینا ناممکن ہے۔ میری مراد ہے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے خلیفۂ اجل، مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کے شیخ الحدیث اور نامور شارح بخاری حضرت مولانا علامہ محمد عثمان غنی قاسمیؒ جو طویل علالت کے بعد سہارنپور کے ''سکشم'' ہوسپٹل میں ۱۳؍جنوری ۲۰۱۱ء کی رات تقریباً ساڑھے تین بجے انتقال فرما گئے۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون.

ابتدائی حالات:

حضرت مولانا علامہ محمد عثمان غنیؒ کے والد ماجد کا نام مولوی محمد عبداللہ (متوفی ۱۹۷۱ء) تھا، علامہ صاحبؒ اپنے وطن چلمل بیگوسرائے (جو اس وقت مونگیر (بہار) کا ایک حصہ تھا لیکن ۱۹۷۵ء میں باقاعدہ ضلع بن گیا) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم علاقے کے بعض مدارس میں حاصل کر کے بنگلہ دیش چلے گئے جہاں آپ کے والد بزرگوار کاروباری سلسلے میں مقیم تھے، بنگلہ دیش میں آپ نے تعلیم بھی حاصل کی اور والد صاحب کے کاروبار میں ہاتھ بھی بٹایا۔

تعلیم کا شوق:

حصول تعلیم کا شوق آپ کو بچپن ہی سے تھا لیکن گھریلو معاشی مجبوریاں آپ کی اس تمنا کو پورا کرنے میں حارج تھیں، والد صاحب کا کاروبار بھی اس معیار کا نہیں تھا کہ اپنے صاحب زادے کی قلبی تمنا پوری کر سکتے۔

تعلیم کیلئے بیوی کا زیور فروخت کر دیا:

اُسی دوران آپ کی شادی بھی کر دی گئی، آپ کی وفا شعار بیوی نے اپنے شوہر نامدار کی علمی لگن اور تڑپ کو محسوس کیا تو اپنا زیور فروخت کر دیا اور اس رقم سے آپ کو حصول تعلیم کے لئے دیوبند بھیجا۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ:

۱۹۴۶ء میں آپ اپنے نو ساتھیوں کے ساتھ دارالعلوم دیوبند پہنچے، حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ نے امتحان داخلہ لیا، اپنے تمام ساتھیوں میں صرف آپ کامیاب ہوئے۔

ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں پانچ سال تک تعلیم حاصل کر کے ۱۹۵۰ء میں فارغ ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند کے چند جلیل القدر علماء جن کے سامنے حضرتؒ نے زانوے تلمذ تہہ کیا اور درس نظامی کی اہم کتابیں پڑھیں۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	بخاری شریف۔ ترمذی اول
شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ	ترمذی ثانی، ابوداؤد، شمائل، ہدایہ ثالث
حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ	مسلم شریف، ہدایہ رابع
حضرت مولانا عبدالجلیلؒ	میبذی اور میر قطبی
حضرت مولانا عبدالخالقؒ	مشکوۃ، حسامی، توضیح وتلویح

سند حدیث:

میں نے پوچھا کہ آپ کی سند حدیث کیا ہے؟ فرمایا کہ نصر الباری کی پہلی جلد میں لکھی ہوئی ہے، اس موقع پر مناسب سمجھتا ہوں کہ نصر الباری سے آپؒ کی سند حدیث نقل کر دوں تا کہ حضرتؒ کے جملہ شاگردوں کیلئے اپنی سند کا حصول آسان ہو جائے۔

"قال العبدالضعیف محمدعثمان غنی بن مولوی عبدالله الصدیقی حدثناشیخ الاسلام السیدحسین احمدالمدنی،قال حدثناشیخ الھندمحمودحسن الدیوبندی عن شیخه الحجة العارف محمدقاسم النانوتوی وعن شیخه المحدث الفقیه الشیخ رشیداحمدالکنکوھی کلاھماعن المحدث الشیخ عبدالغنی المجددی الدھلوی وعن الشیخ احمدعلی السھارنفوری وعن الشیخ محمد مظھرالنانوتوی وعن الشیخ القاری عبدالرحمن الفافیفتی وھولاء الاربع عن الشیخ المحدث محمداسحق الدھلوی عن جده لامه المحدث الحجة الشاه عبدالعزیز الدھلوی عن والده الامام الشاه ولی الله الدھلوی واسانیده الی اصحاب السنن مذکورة فی رسالته"الارشادالی مھمات علم الاسناد"

تجارتی مشغلہ:

دیوبند سے فراغت کے بعد حضرتؒ جب اپنے وطن پہنچے تو خانگی مجبوریوں کے پیش نظر کپڑے کا کاروبار شروع کردیا، کاروبار کے علاوہ فرصت کے لمحات میں آپ دینی کتابوں کا مطالعہ کرتے چھوٹے چھوٹے مفید کتابچے لکھتے،عوام کی اصلاح اور بدعات وضلالت کے خاتمہ کے لئے بھی فکرمند رہتے تھے۔

علامہ اور علاقہ:

آپ کے علاقہ کی دینی کیفیت نہایت ابتر تھی، جو مسلمان تھے بھی ان کی ظاہری و باطنی حالت سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر ہیں۔

حضرت چونکہ دارالعلوم دیوبند کے نئے نئے فارغ تھے، مادر علمی سے معاشرہ کی اصلاح کا جو سبق انھیں ملا تھا اس کو روبہ عمل لانے کے لئے حضرت کی طبیعت بے چین و بے قرار رہنے لگی، پورے علاقہ میں آپ کے علاوہ کوئی دوسرا عالم نہیں تھا۔ ہر وقت یہ فکر اور غم ستا تا رہتا کہ اس علاقہ کے مسلمانوں کی اصلاح کی ذمہ داری میری ہے،کل اللہ کے حضور میں حاضری ہوگی اور اس بارے میں مجھ سے سوال کیا جائے گا تو کیا جواب دوں گا۔

بدعت کا خاتمہ:

اِس درد اور فکر کو لے کر حضرتؒ یکہ وتنہا میدان کارزار میں کود پڑے جہاں ایک طرف کفر اپنی تمام

ترنحوستوں کے ساتھ موجود تھا تو بدعات ورسومات کا سیلاب آیا ہوتا تھا، جہالت اور گمراہی کا عروج تھا، نہ تو دینی مدرسے ہے اور مکاتب تھے نہ ہی دینی تعلیم کا نام ونشان تھا۔

ایسی گھنگھور گھٹاؤں اور خوفناک ماحول میں حضرتؒ اسلامی تعلیم اور قرآنی ہدایات کے چراغ لے کر نکلے ،ان چراغوں کی مدھم روشنی اور لہراتی کرنوں نے کفر کا بھی مقابلہ کیا،فسق سے بھی دودو ہاتھ کئے ، بدعات وگمراہی سے ٹکرلی، جہالت سے آنکھ ملائی، اپنے بیگانے ہوگئے،عزیز واقارب نے ساتھ چھوڑ دیا، شیطانی قوتیں ایک ہوگئیں اور باطل مدمقابل آکھڑا ہوا۔

حضرت نے ہمت نہیں ہاری، شکست نہیں مانی، حوصلے پست نہیں ہوئے ، سیرت نبوی اور اسوۂ حسنہ کو اپنا آئیڈیل بنایا، ہرحال اور ہرصورت میں باطل کو مٹانے کی قسم کھائی، ایک طرف شیطان کی پوری ذریت تھی تو دوسری طرف بدعت اور بدعتی رعیت ،حضرت سینہ سپر رہے، لوگوں کے دامن تھام کر، غیروں کی خوشامد کرکے، اپنوں کے آگے عاجزی اختیار کرکے دعوت الی اللہ کا جو کارنامہ انجام دیا وہ تاریخ کا سنہرا باب ہے۔

تعزیہ داری کا خاتمہ:

ایک مؤمن کامل کے آگے شیطانی طاقتیں اور طاغوتی قوتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، عزم وعزیمت اور ثبات قدمی ہر مؤمن کی زندگی کا حصہ وخاصہ ہے، حضرتؒ حق کے بول بالا کے لئے ڈٹے اور جمے رہے، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے بھی رہے اور بھولی بھالی قوم کو راہ راست پر لانے کی کوشش بھی کرتے تھے، دن کو مجاہدانہ وداعیانہ لباس میں رہتے تو رات کو حضور خداوندی میں عجز ونیازمندی کا اقرار کرکے دعاء نبوی **اللھم اھدی قومی فانھم لایعقلون** کا ورد کرتے ، بالآخر وعدۂ الٰہی **الحق یعلوا ولایعلیٰ** ظاہر ہونا شروع ہوا، اپنے بھی قریب آنے لگے، غیروں کے دلوں میں اللہ تعالی نے نرمی ڈال دی، ان کے ذہن ودماغ کو صیقل کردیا اور پھر رفتہ رفتہ عوام الناس راہ راست پر آنے لگے۔

حضرتؒ کا گاؤں جہاں بدعت کی تمام قدیم وجدید رسوم قبیحہ جاری وساری تھیں، جہاں مسلمان محض ووٹر لسٹ کی حد تک مسلمان شمار ہوتے تھے، جہاں اللہ اور رسول اللہ کا نام ونشان نہیں تھا بحمداللہ وکرمہ ردائے بدعت سمٹنے اور قبائے ضلالت سکڑنے لگی۔

آپ کے گاؤں میں تعزیہ جو پہلے تزک واحتشام سے نکلتا تھا اور جس کے آگے پیچھے سادہ لوح

مسلمانوں کی بڑی تعداد ہوتی تھی ،نہ صرف تعزیہ نکلنا بند ہوگیا بلکہ لوگ بھی حقیقت جاننے اور سمجھنے کے بعد تائب ہوگئے اور ارشاد خداوندی **جاء الحق وذهق الباطل ان الباطل كان ذهوقا** سچ ثابت ہوا۔

رات ہی رات میں باڑہ گرادیا:

آپ کے گاؤں میں ایک امام باڑہ تھا بلکہ کہنا چاہئے کہ بدعات ورسوم کا اڈہ تھا لوگ اس کا احترام بالکل اسی طرح کرتے تھے جیسے مساجد اور شعائر اسلامی کا کیا جاتا ہے،حضرتؒ کو معلوم تھا کہ ایسی چیزوں کا احترام نہ صرف شرک ہے بلکہ دھیرے دھیرے شرک کی ایسی شکل اختیار کرسکتا ہے کہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی اڈہ بنا سکتے ہیں۔

حضرت نے لوگوں سے فرمایا کہ یہ باڑہ فوری طور پر توڑا جانا چاہئے ورنہ آگے چل کر بہت سے فتنے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے،لوگ آپ کی گفتگو ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے تو حضرتؒ تن تنہا کفن بردوش ہوکر اور ہاتھ میں تلوار لے کر اس طرح نکلے کہ گویا

زمیں کو روندتے ہوئے صفوں کو چیرتے ہوئے
بڑھے چلو بڑھے چلو یہ وقت کی پکار ہے

حضرت والاؒ یہ اعلان کرتے ہوئے باڑہ کی طرف گئے کہ میں باڑہ توڑنے جارہا ہوں جس میں ہمت ہو وہ آئے اور مجھے باڑہ توڑنے سے روکے۔قسم ہے اس اللہ پاک کی جس نے مجھے پیدا کیا ہے روکنے والے کا سر قلم کردوں گا۔

یہ اعلان کیا تھا وارننگ تھی،کفر وبدعت میں کبھی بھی حوصلہ نہیں رہا ہے،حوصلہ صرف اہل ایمان کے پاس ہوتا ہے،حضرتؒ کے ہاتھوں کو باڑے کی تخریب سے روکنے کی کسی میں ہمت نہ ہوئی،سبھی لوگوں نے اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کرلئے۔

حضرتؒ باڑہ کے پاس پہنچے تلوار ایک طرف کھڑی کردی اور کلہاڑی لیکر سنت ابراہیم پر عمل شروع کردیا۔

رات کے سناٹوں میں باڑہ ٹوٹنے اور بکھرنے کی لطف انگیز آوازیں ابھرتی اور چہار سو بکھرتی رہیں،علامہ صاحب اپنے کام میں لگے رہے اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ صبح ہوئی تو باڑہ اپنا منحوس وجود کھو چکا تھا۔

پوکھر ندی میں اشنان:

حضرتؒ کے گاؤں کے پاس ہی ایک ندی ہے جس کو پوکھر کہتے ہیں،لوگ اس ندی کو مقدس

تصور کرتے تھے، اس کے تقدس کا اظہار یوں کرتے تھے کہ سال میں کچھ مخصوص ایام میں مرد وعورتیں جمع ہوکر پوکھر ندی میں نہانے کے لئے جاتے اور نہاکر یوں محسوس کرتے گویا ان کے گناہ دھل گئے ہوں، حالانکہ گناہوں کی نحوست، شرک کی لعنت، کفر کی مشابہت سب کچھ اپنے گلے لگا کر وہاں سے لوٹتے تھے۔

حضرتؒ کو یہ شرمناک رسم بھی گراں گزرتی تھی، پہلے تو پیار ومحبت سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب آپ کی بات پر کسی نے دھیان نہیں دیا تو ایک دن لاٹھی اٹھائی اور دریا کی طرف اعلان کرتے ہوئے چلے کہ جس کو اپنی جان پیاری ہو وہ یہاں سے بھاگ جائے اور آئندہ کبھی نہ آئے، لوگوں نے آپ کے غصہ اور ارادہ کو بھانپ لیا اور گاؤں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس تاریخ کے بعد سے پوکھر ندی الحمدللہ شرک اور بدعت سے محفوظ ہوگئی۔

کسی نے سچ کہا ہے

طوفاں سے جنہیں آتا ہے لڑنے کا طریقہ
دریا پہ وہی لوگ حکومت بھی کریں گے

درس حدیث:

حضرت مولانا علامہ محمد عثمان غنیؒ ان اصحاب باتوفیق میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تدریس کے لئے قبول فرمالیا تھا، چنانچہ دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد سے حیات مستعار کی فراغت تک آپ کا محبوب مشغلہ خدمت حدیث ہی رہا، چاہے تدریسی میدان سے ہو یا تصنیفی لائن دونوں میدانوں میں علامہ صاحب اپنے معاصرین کے لئے قابل رشک تھے گویا آپ کی حیات مبارکہ حدیث نبوی **نضر اللّٰہ امرءً اسمع مناشیئاً فبلغہ کماسمعہ، فرب مبلغ اوعی من سامع.** سے عبارت تھی، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اور ہمہ وقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال طیبات ذہن ودماغ میں گردش کرتے رہتے تھے، حالانکہ آپ درس نظامی پڑھے ہوئے تھے جہاں بیسیوں علوم وفنون پڑھائے جاتے ہیں، جہاں احادیث کے علاوہ دیگر علوم وفنون کی بعض کتابیں رٹائی اور حفظ یاد کرائی جاتی ہیں لیکن علامہ صاحب کو بچپن ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق، آپ کی احادیث

سے خصوصی لگاؤ اور آپ کی سیرت مبارکہ سے فطری محبت تھی اس لئے علامہ صاحب نے دیگر علوم وفنون کو وہ اہمیت نہ دی جو حدیث شریف کو دی گویا

ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

کو عملی جامہ پہنا کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان گرامی کا مصداق بن گئے۔

نضر اللّٰہ امرء اً سمع مناحدیثاً فحفظہ حتیٰ یبلغہ غیرہ، فرب حامل فقہ الیٰ من ھو افقہ منہ ورب حامل فقہ لیس بفقیہ.

شاعر نے سچ کہا ہے

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

انداز تدریس:

علامہ صاحبؒ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ طلبہ کو جو بھی سبق پڑھایا جائے وہ انھیں پورے طور پر سمجھ میں آجائے، نہ تو اتنی لمبی تقریر فرماتے تھے کہ اکتاہٹ طاری ہوجائے نہ ہی اتنی مختصر کرتے تھے کہ تشنگی کا احساس دامن گیر ہوجائے۔

تدریسی زندگی:

۱۹۵۵ء میں مدرسہ رشید العلوم چترا (جھارکھنڈ) میں مسلم اور ترمذی کا درس دیا پھر مدرسہ حسینیہ گریڈیہہ اور مدرسہ حسینیہ ڈیگھی بھاگل پور میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

۱۹۶۳ء میں مدرسہ عالیہ فرفرہ ضلع ہگلی میں بارہ سال تک خدمت حدیث میں مشغول رہے پھر دارالعلوم تاراپور (گجرات) تشریف لے گئے اور یکسوئی کے ساتھ حدیث کی خدمت میں مشغول ہوگئے ۔دارالعلوم تاراپور میں کئی سال بخاری شریف وترمذی وغیرہ کا درس دیا۔

مظاہر علوم میں تشریف آوری:

آپ کو فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ سے ذہنی عقیدت، قلبی محبت اور فکری مناسبت تھی

اس لئے گجرات میں خدمت حدیث انجام دینے کیساتھ حضرت فقیہ الاسلام سے گاہے گاہے شرف ملاقات وزیارت کیلئے حاضر ہوتے رہتے، تمنا بھی آپ کی یہی ہوتی کہ مفتی صاحب کی خدمت میں زیادہ دیر رہ کر اکتساب فیض کیا جائے، حضرت مفتی صاحبؒ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے، گجرات سے علامہ صاحبؒ جب بھی اپنی سہارنپور آمد کا خط لکھتے تو حضرت مفتی صاحبؒ سہارنپور سے حضرت کے وطن بیگوسرائے کیلئے ٹکٹ بنوالیتے، اسی محبت وتعلق کا نتیجہ تھا کہ ایک بار حضرت فقیہ الاسلام نے آپ کو حکم دیا کہ گجرات سے مظاہر علوم آجاؤ، یہ سننا تھا کہ گویا مانگی مراد پوری ہوگئی، آپ نے حکم کی فوری تعمیل کی اور مظاہر علوم کی اُس مسند حدیث کو زینت بخشی جس کو محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ جیسی بے شمار شخصیات نے اپنے علوم وفیوض اور افکار وتجلیات سے بقعۂ نور بنایا تھا۔

تقرر:

مظاہر علوم کے ریکارڈ میں حضرت علامہؒ کے تقرر کے سلسلہ میں درج ذیل سطور ملتی ہیں۔

''حسب تجویز (۱) مجلس شوریٰ منعقدہ ۹؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ کو مولانا محمد عثمان غنی صاحب کا تقرر درجہ اعلیٰ عربی پر مؤرخہ ۵؍شوال المکرّم سے مبلغ ایک ہزار روپے تنخواہ پر بلا طعام کیا جاتا ہے''۔ (رجسٹر کارروائی مجلس شوریٰ)

اسی سال حضرت مولانا علامہ عشیق احمدؒ اور جناب مولانا عبدالرحمٰن گلاؤٹھی مدظلہ (خلیفہ حضرت فقیہ الاسلامؒ) کا تقرر بھی عمل میں آیا تھا۔

گویا بیس سال سے زائد عرصہ تک حضرت علامہؒ نے مظاہر علوم (وقف) سہانپور کی مسند حدیث سے قال اللہ وقال الرسول کے زمزمے گنگنائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ہزار ہا شاگردان رشید کے دل کی دنیا روشن اور فکر کی کھیتی شاداب فرمائی۔ گویا

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے، غزل خواں ہوگئیں

ششماہی امتحان:

حضرت کی شکل اور آواز دونوں رعب دار تھیں، اس لئے عام طور پر طلبہ آپ کی خدمت میں نہیں

جاتے تھے، سو میں بھی نہیں گیا، موقوف علیہ کے بعد دورۂ حدیث شریف پڑھا اور آپؒ سے بخاری شریف جلد اول وثانی، مسلم شریف، طحاوی شریف اور مؤطا امام محمد پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

(بخاری شریف جلد اول کا سبق فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ کے یہاں تھا لیکن اسی سال حضرت مفتی صاحبؒ مظفر نگر کے ایک گاؤں تشریف لے گئے ،تہجد کے وقت وضو کر کے اٹھتے وقت چکر آ گیا اور حضرت مفتی صاحبؒ زینوں پر گر گئے ،سر میں شدید چوٹیں آئیں ،علاج کا سلسلہ شروع ہوا، اس لئے بخاری شریف جلد اول کا باقیماندہ حصہ بھی حضرت علامہ صاحبؒ نے پڑھایا تھا)

ششماہی امتحان میں ترمذی شریف کا امتحان حضرت علامہؒ سے متعلق تھا، احقر کا پرچہ سامنے آیا اور خدا جانے کس وجہ سے حضرت نے مجھے پورے بیس نمبر عنایت فرمائے اور اپنے ایک خادم محمد یوسف ارریاوی سے پوچھا کہ ناصر کون ہے؟ خادم نے مجھے اطلاع دی کہ حضرت علامہ صاحب تمہاری بابت معلوم کر رہے تھے (میں نے فوراً سوچا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ترمذی کے پرچہ میں حضرت نے فیل کر دیا ہوگا) محمد یوسف نے یہ بھی بتایا کہ حضرت نے بلایا ہے؟ اس وقت دیوبند سے دو ساتھی طلبہ بھی آئے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ جب حضرت نے تمہیں بلایا ہے تو ہم دونوں بھی ساتھ چلیں گے کیونکہ بہت دنوں سے حضرت کی ملاقات اور زیارت کا اشتیاق ہے، یہ سہ نفری جماعت دار قدیم حضرت کے حجرہ کے لئے روانہ ہوئی (اس وقت حضرت کا حجرہ دار قدیم میں جانب جنوب دوسری منزل پر انجمن ہدایت الرشید کے سامنے تھا) حضرت کا دروازہ بند تھا، اندر حضرت لکھنے میں مصروف تھے، طالب علمی کے زمانہ میں شعور بھی کچھ اس قسم کا تھا کہ غلطی سے دروازہ کو تھوڑا سا کھسکا کر جھانکا، اندر سے رعب دار بلکہ گرجدار آواز میں سوال ہوا ''کون ہے'' آواز کا سننا تھا کہ مارے خوف کے تینوں ساتھی بھاگ کر نیچے پہنچ گئے۔

آپ کی نظر میں حضرت فقیہ الاسلام کا مقام:

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے انتقال پر ملال کے بعد جب ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم کا خصوصی شمارہ ''فقیہ الاسلام نمبر'' شائع کرنے کا فیصلہ ہوا تو دیگر جلیل القدر علماء واکابر کے حضرت علامہ صاحب سے بھی درخواست کی کہ چونکہ حضرت مفتی صاحبؒ سے آپ کا تعلق قدیم ہے اور معاصر بھی ہیں اس لئے اپنے تعلق کی مناسبت سے ایک مضمون تحریر فرمادیں؟ فرمایا کہ میں مضمون لکھنے پر قادر نہیں ہوں! میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی متعدد تصانیف میرے علم میں ہیں، خود نصر الباری (اس وقت

تک صرف تین جلدیں شائع ہوئی تھیں) میرے پاس ہے، جو شخص اتنی ضخیم شرح لکھنے پر قادر ہو اس کے لئے چند صفحات کا مضمون لکھنا دشوار نہیں ہوسکتا! فرمایا کہ مضمون کا انداز اور ہوتا ہے، شرح کا اور۔

احقر نے سمجھ لیا کہ حضرت اس طرح نہیں لکھیں گے، اس لئے از راہ گفتگو پوچھا کہ مظاہر علوم تشریف آوری کب ہوئی اور کیا وجوہات رہیں فرمایا کہ

''آج (ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ) سے تقریباً ۲۰ سال قبل حضرت فقیہ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ سے احقر کی پہلی ملاقات ہوئی پھر چند روز حضرت کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہوا، اس دوران حضرتؒ اس ناکارہ کو اپنے ساتھ مختلف تقریری پروگراموں میں شرکت کیلئے اپنے ساتھ لے گئے اور حضرتؒ کے حکم سے احقر کو مختلف مواقع پر تقریر کرنے کا موقع ملا، اس زمانے میں یہ ناکارہ دارالعلوم تاراپور گجرات میں خدمت حدیث میں مصروف تھا اور احقر کا یہ معمول بن چکا تھا کہ گجرات سے واپس مکان (بیگوسرائے) جاتے ہوئے حضرت فقیہ الاسلامؒ سے ملاقات اور زیارت کیلئے سہارنپور قیام کرتا اور حضرتؒ کی مبارک صحبت سے فیضیاب ہوتا، ایک بار احقر حسب معمول سہارنپور حاضر ہوا اور حضرت فقیہ الاسلامؒ نے اپنے ارادتمندوں میں اس سیہ کار کا نام بھی شامل فرمالیا۔ ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔

خلعت خلافت واجازت سے مالامال ہوکر احقر دارالعلوم تاراپور گجرات چلا گیا، تین سال کے بعد جب چوتھی مرتبہ حاضر خدمت ہوا تو حضرت والاؒ نے اپنے قلم سے خلافت نامہ بھی عنایت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ کم از کم دس لوگوں کو بیعت کرو، بارگاہ عالیہ سے اجازت کے بعد اسی سال امریلی شہر میں احقر کے دس روز تک تقریری پروگرام ہوتے رہے، تقریری سلسلہ کے بعد کچھ دیندار حضرات بیعت کے طالب ہوئے، احقر نے ان سے وعدہ کرلیا اور اسی روز بعد نماز مغرب میں نے دیکھا کہ دس حضرات اسی تمنا اور امید پر موجود ہیں کہ ان کو سلسلۂ مسترشدین میں داخل کروں؟ میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ مرشد گرامی نے جتنی تعداد بتلائی تھی ٹھیک وہی تعداد یہاں موجود تھی۔

تقریباً ۶ سال کے بعد حضرت مرشد گرامی کے حکم سے یہ ناکارہ مظاہر علوم (وقف) حاضر ہوگیا اور احقر کی تمنا جو حضرت مرشد گرامی کے ساتھ رہنے کی تھی وہ پوری ہوگئی، احقر کا معمول بن گیا کہ عصر اور مغرب کے بعد حضرتؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر رہتا اور اپنے دل کی دنیا روشن کرتا، احقر کو جب کبھی کسی مسئلہ کے سلسلہ میں خلجان

اور تردد ہوتا تو بلا تکلف حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور مسئلہ پوچھتا تو حضرتؒ فوراً کسی خادم کو حکم فرماتے کہ شامی کی فلاں جلد لاؤ اور شامی لائی جاتی حضرتؒ ایک اندازے کے مطابق شامی کھولتے اور دو ایک صفحات ادھر ادھر پلٹتے اور فوراً انگلی رکھ کر فرماتے کہ یہ ہے مسئلہ!

برسہا برس یہ معاملہ رہا حدیث سے متعلق ہو یا فقہی مسائل، حضرتؒ برجستہ حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرماتے تھے، موجودہ دور میں پورے ملک میں بلا کسی مبالغہ احقر نے اتنا بڑا فقیہ، محدث اور عالم نہیں دیکھا، آپ کی کون سی خوبی لکھوں میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرتؒ سراپا خوبی تھے اور ان کی پوری زندگی سنت نبوی ﷺ سے عبارت تھی۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو جنت الفردوس میں جگہ دے''۔ (فقیہ الاسلام نمبر)

یہ مختصر مضمون لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ حضرت یہ آپ کا مضمون ہے، فرمایا کہ میں نے تو لکھا نہیں؟ عرض کیا کہ حضرت پڑھ لیجئے اور پھر فرمائیے کہ آپ کی طرف انتساب صحیح ہے یا غلط، چنانچہ حضرتؒ نے پورا مضمون پڑھ کر نہ صرف دعا دی بلکہ اشاعت کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اور پوچھا کہ تم نے ندوۃ العلماء میں بھی تعلیم حاصل کی ہے؟ عرض کیا کہ نہیں! فرمایا تو لکھنے پر قدرت کیسے حاصل ہوئی؟ عرض کیا کہ یہ تو حضرت مولانا انعام الرحمٰن تھانویؒ کا فیض ہے، میں نے اُن ہی سے قلم پکڑنے اور چند سطور لکھنے کا فن سیکھا ہے۔

استاذ کا عکس جمیل

آپؒ چونکہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے شاگرد رشید تھے اور استاذ کا اثر شاگردوں میں آنا فطری ہے، حضرت علامہ صاحبؒ حضرت شیخ الاسلامؒ کی طرح بیباک، نڈر، حق گو، حق جو، حق پسند اور حق شناس تو تھے ہی اخلاق و تواضع کا بے مثال پیکر دلنواز بھی تھے۔

تقویٰ و تدین:

تقویٰ و تدین بھی مثالی تھا، پاک و پاکباز زندگی بسر کرتے، دنیا اور دنیاوی جھمیلوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہے، فتنہ کو نہ پسند کرتے اور نہ ہی کسی ذات یا ادارہ میں پسند فرماتے، ایک بار تقریباً ایک ماہ سخت علیل رہے، اس درمیان اسباق نہیں پڑھا سکے چنانچہ ایک رقعہ دفتر مالیات کو لکھا کہ چونکہ اس ماہ علالت

کی وجہ سے اسباق نہ پڑھا سکا اس لئے ان ایام کی تنخواہ وضع کر لی جائے۔

حضرت مدنیؒ سے عشق:

یوں تو حضرت والا فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے دست حق پرست پر بیعت وخلافت کے باعث تھانوی مسلک ومشرب میں شامل ہو گئے لیکن حضرت مدنیؒ چونکہ آپ کے نہایت ہی مشفق استاذ تھے اس لئے اپنی خصوصی مجلسوں میں اخیر تک حضرت مدنیؒ کا تذکرہ نہایت ہی البیلے انداز میں فرماتے رہے۔ بات بات پر حضرت مدنیؒ کے قصص وواقعات بیان فرماتے، کبھی کبھی واقعہ بیان کرتے کرتے جذباتی ہو جاتے اور کبھی کبھی آبدیدہ بھی۔

خورد نوازی:

اپنے بڑوں کا احترام تو دنیا کرتی ہے لیکن اپنے چھوٹوں حتیٰ کہ اپنے شاگردوں کا اکرام حضرت علامہ صاحب علیہ الرحمہ کی اہم ترین خوبی تھی، مدرسہ کے اسباق اور فرض نمازوں کے علاوہ آپ کا پورا وقت حدیث شریف کی معروف کتاب بخاری شریف کی شرح ''نصر الباری'' کے لکھنے میں صرف ہوتا تھا، اسی لئے اگر کوئی طالب علم بلاضرورت آپ کے پاس پہنچ جاتا تو خفگی اور ناپسندیدگی کا اظہار بھی فرماتے اور وقت کی قدر وقیمت کا احساس دلاتے۔

ایک بار راقم حاضر خدمت ہوا، دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کی اچھی خاصی تعداد کچھ کمرے کے اندر تھی اور کچھ کمرے سے باہر، احقر حضرت کی خدمت میں پہنچا اور طلبہ کی بھیڑ کی وجہ معلوم کی تو فرمایا کہ

> ''آج حضرت مولانا محمد یونس صاحب مسلسلات پڑھا رہے ہیں اس لئے یہ دیوبند کے طلبہ آئے ہوئے ہیں، میں ان لوگوں سے بار بار کہہ رہا ہوں کہ یہاں سے جاؤ تاکہ میرا تصنیفی نقصان نہ ہو لیکن دس جاتے ہیں تو بیس نئے آجاتے ہیں''۔

تواضع:

ایک بار رات میں آپ کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی، رات ہی کو سہارنپور کے سرکاری ہوسپٹل میں ایمرجنسی وارڈ میں داخل کئے گئے، عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا، دور ونزدیک سے اہل علم واہل تعلق آنے لگے، طبیعت نے سنبھالا لیا تو پھر مدرسہ آگئے، میں اپنے دوست حضرت مولانا ابوالکلام قاسمی صاحب کے ہمراہ آپ کے حجرہ میں پہنچا تو حضرت نے دیکھتے ہی خدام سے فرمایا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دو! میں نے عرض

کیا کہ حضرت لیٹے رہئے اسی میں آپ کو سکون ہے،فرمایا کہ آپ لوگوں کی موجودگی میں لیٹنا اچھا نہیں لگتا۔ یہ حضرتؒ کے تواضع اور خوردنوازی کی عجیب وغریب مثال ہے۔

اسی طرح حضرت والا القاب وآداب بھی نہیں پسند فرماتے تھے،نصرالباری کے ٹائٹل پر جو القاب چھپے ہوئے ہیں وہ ناشر نے اپنی عقیدت ومحبت میں کتابت کرادیئے تھے۔

اپنی کتابوں میں جہاں کہیں دستخط فرماتے تھے وہاں عبارت تقریباً یہ ہوتی تھی''**وانا افقر عباد اللّٰہ الرحمن المدعو بمحمدعثمان غفر له اللّٰه الغفران**''

چائے اور ''وائے''

طالب علمی کے زمانے میں تو نہیں البتہ فراغت کے بعد جب حضرت کی خدمت میں حاضری کا سلسلہ شروع ہوا تو بہت شفقت کا معاملہ فرماتے تھے،عموماً باصرار چائے پلاتے تھے اور چائے کے ساتھ کچھ نہ کچھ کھانے کی چیز بھی عنایت فرماتے جس کو آپ مخصوص لہجے اور اصطلاح میں''وائے'' فرماتے تھے۔

سادگی:

آپ شکلاً وصوتاً بہت بارعب تھے،چندسال پہلے تک دارالحدیث میں بغیر مائک کے بلاتکلف پڑھاتے تھے،آنکھیں بھی بہت بارعب تھیں،نوے سال سے زائد عمر پائی مگر چشمہ کی کبھی ضرورت محسوس نہ ہوئی ،اصول کے بڑے پابند، ترک مالایعنی پرکاربنداورسادگی پسند تھے،میں نے ایک بارجرأت وجسارت کو مجتمع کر کے اور سابقہ شفقتوں کے مدنظرعرض کیا کہ حضرت آپ تو قاسمی ہیں اور قاسمی حضرات مظاہری حضرات کی طرح اتنے سادگی پسند نہیں ہوتے ،ٹیپ ٹاپ، بول چال،نشست وبرخاست ہر چیز میں قاسمی حضرات منفردشان کے مالک ہوتے ہیں مگر آپ کے اندر وہی مظاہریوں والی سادگی ہے کیا وجہ ہے؟فرمایا کہ ایک تو قاسمی حضرات کے بارے میں تمہارا جو نظریہ ہے وہ غلط ہے،سادگی جزء ایمان ہے،البتہ آج کل سادگی کے بارے میں جو تصور قائم کرلیا گیا ہے وہ غلط ہے،سادگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کپڑے گندے پہنے جائیں، سادگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہفتوں بدن کو پانی سے محروم رکھا جائے ،سادگی اس کو نہیں کہتے کہ اچھی چیز موجود ہوتے ہوئے خراب چیز کھائی جائے ،اسی وجہ سے اسلام نے رہبانیت سے منع کیا ہے،آپ ﷺ نے فرمایا **لا رهبانية فى الاسلام** اسلام میں رہبانیت کی

کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں دولت دی ہے، بقدر ضرورت رزق عطا فرمایا ہے، وسعت اور کشادگی ہے تو اس کا اثر تمہارے جسم پر محسوس ہونا چاہئے۔ احقر نے عرض کیا کہ حضرت یہ حدیث کہاں ملے گی تو ابوداؤد شریف کھول کر میرے سامنے رکھی وہ حدیث یہ ہے

عن ابی الاحوص عن ابیہ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ثوب دون فقال ألک مال؟ قال نعم! قال من ای المال؟قال قداتانی اللّٰہ من الابل والغنم والخیل والرقیق،قال فاذاأتاک اللّٰہ مالافلیر اثر نعمۃ اللّٰہ علیک وکرامتہ .

(ابوداؤد ۲/۵۶۲)

حضرت ابوالاحوص اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گھٹیا کپڑے پہن کر حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس مال نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مال تو ہے،آپ نے پوچھا کہ کس قسم کا مال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے اللہ نے اونٹ، گائے، بکریاں، گھوڑے اور غلام ہر طرح کا مال عطا کیا ہے! یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ نے تم کو مال سے نوازا ہے تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر تمہارے بدن پر ظاہر ہو۔

صبر وشکر:

آپ کے علمی کارناموں اور تصنیفی وتالیفی خدمات کو دیکھ کر عام طور پر لوگ یہ محسوس کریں گے اور دستور دنیا بھی یہی ہے کہ کوئی بھی اہم علمی کام کرنے والوں کے لئے ہر طرح کی آسائشیں مہیا کی جاتی ہیں، ذہنی سکون کیلئے ہر ممکن خیال رکھا جاتا ہے، غذاؤں کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے لیکن حضرت علامہ صاحب کا معاملہ بالکل برعکس تھا، آپ کی غذائیں بالکل سادہ تھیں، مدرسہ سے قیمتاً کھانا جاری تھا وہی برضا ورغبت نوش فرمالیتے تھے، بیوی بچے آپ کے وطن مالوف میں رہے، اس لئے بیماری کے ایام میں بھی خاطر خواہ پرہیز نہ کرسکے، اگر ڈاکٹروں نے مدرسہ کی نان اور دال کے بجائے چپاتیاں اور معقول سبزیاں کھانے کا مشورہ دیا تو یہاں بھی علامہ صاحب مجبوراً پرہیز نہ کرسکے بایں ہمہ صبر وشکر اور حمد وثنا سے آپ کی زبان مبارک ہمیشہ رطب اللسان رہی، کسی چیز کی فرمائش تو دور کی بات ہے کسی بھی اچھی غذا کی خواہش بھی زبان پر نہ لاتے، عموماً اتنے بڑے محدثین کے حجرے اور آرام گاہیں نہایت کشادہ اور آرام دہ

ہوا کرتی ہیں، حجرے کے اندر ایک اور حجرہ ہوتا ہے جہاں شور وشرابہ سے بچا جاسکے، جہاں یکسوئی کے ساتھ علمی و تصنیفی امور میں مشغول رہا جاسکے لیکن حضرت علامہ صاحبؒ انتقال سے دو ماہ پہلے تک مظاہر علوم کی تیسری منزل کے ایک چھوٹے سے کمرے میں قیام پذیر رہے، درس وتدریس کیلئے دوسری منزل پر واقع تاریخی دارالحدیث میں تشریف لاتے پھر جب ایک سڑک حادثہ میں پیروں سے معذور ہوگئے تو طلبۂ عزیز کرسی یا وہیل چیئر پر بٹھا کر دارالحدیث پہنچاتے تھے، اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر جانے آنے میں غیر معمولی تکلیف برداشت کرتے رہے لیکن اللہ کے اس صابر وشاکر بندے کی زبان مبارک پر کبھی کوئی حرف شکایت نہیں آیا۔

اخیر عمر میں تقریباً دو ماہ پہلے دارالحدیث سے متصل جناب مولانا محمد سعیدی صاحب مدظلہٗ ناظم ومتولی مظاہر علوم (وقف) نے ایک اچھا سا حجرہ آپ کے لئے تیار کرایا اور آپ اس میں منتقل ہوگئے تھے۔

اِن سطور کے لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ آئندہ سطور میں حضرت علامہ صاحبؒ کے جن علمی کارناموں کا ذکر خیر ہونے جارہا ہے اس کے تناظر میں قارئین کرام یہ نہ سوچنے لگیں کہ حضرت کے پاس خدام کی ایک فوج ہوگی جو زیر تحقیق موضوع پر کتابیں ہاتھ میں تھامے خاموشی کے ساتھ دست بستہ کھڑے ہوں گے۔ یا کوئی ایسی کمپیوٹرائز سہولت ہوگی کہ کوئی بھی حدیث بٹن دباتے سامنے ہوگی۔

علمی رہنمائی:

میری کتاب ''بلند وبالا عمارتیں قیامت کی علامتیں'' زیر ترتیب تھی، اس سلسلہ میں علامہ صاحبؒ سے بھی رجوع کیا اور عرض کیا کہ حضرت! عمارتوں کے سلسلہ میں افراط اور تفریط انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، اس سلسلہ میں پڑھے لکھے بھی اور غیر پڑھے لکھے دونوں اپنے کردار اور عمل سے ایک پلیٹ فارم پر نظر آرہے ہیں، چاہے دینی ادارے ہوں یا تجارتی مراکز سبھی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں ہیں، نئے نئے ڈیزائن اور نئی نئی شکلیں اس سلسلہ میں وجود میں آرہی ہیں، فرمایا کہ غلو کسی بھی چیز میں ہو غلط ہے، ہمارے بزرگوں نے تو عبادات تک میں غلو سے احتیاط کا حکم دیا ہے۔ چہ جائے کہ دنیاوی معاملات میں غلو کیا جائے جس سے دنیا میں بھی نقصان اور آخرت میں خسران۔ پھر فرمایا کہ مسند احمد میں اس بارے میں کئی احادیث موجود ہیں اسی طرح علامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں متعدد احادیث صرف اسی موضوع پر شامل فرمائی ہیں۔ اسی طرح حدیث جبرئیل کے اخیر میں علامات

قیامت کے سلسلہ میں تذکرہ موجود ہے لکھواور مجھے بھی دکھاؤ۔

چنانچہ جب یہ کتاب تقریباً تیار ہوگئی تو علامہ صاحب کو دکھائی فرمایا کہ کام تو اچھا کیا ہے لیکن بعض احادیث بہت طویل ہیں، جن میں متعلقہ بحث کے علاوہ بھی مختلف ابحاث ہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ حدیث کے صرف اس حصہ کو لو جس سے تمہارے موضوع کی مناسبت ہو، چنانچہ جب ایسا کیا گیا تو کتاب کی ضخامت کافی کم ہوگئی تو علامہ صاحب نے فرمایا کہ اب اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ کتاب مکمل ہوگئی ہے۔

کرم نوازی کی ایک اور مثال:

اِسی کتاب کی ترتیب کے دوران ایک حدیث مسند احمد میں ایسی ملی جس کے الفاظ ناموس اور لغات مشکل ترین تھیں احقر کو ان الفاظ کا ترجمہ مشکل محسوس ہوا، غالباً رات کے بارہ بجے تھے، احقر حضرت کی خدمت میں پہنچا، حضرت حسب عادت نصر الباری کی تالیف میں مصروف تھے، احقر سے آنے کی وجہ پوچھی، عرض کیا کہ اس حدیث کا ترجمہ میرے بس سے باہر ہے، حضرت نے حدیث شریف دیکھی اور فوراً اس کا ترجمہ تحریر فرمادیا، وہ حدیث اور ترجمہ برکت کے لئے آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

یجیئُ یوم القیامة المصحف والمسجد والعترة فیقول المصحف یارب خرقونی ومزقونی ویقول المسجد یارب خربونی وعطلونی وضیعونی،وتقول العترة یارب طردونا وقتلونا وشردوناوأ جثوبر کبتی للخصومة.فیقول اللّٰہ تبارک وتعالیٰ ذلک الیَّ وانا اولیٰ بذلک (رواہ احمد)

ترجمہ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں قرآن کریم مسجد اور اولاد حاضر ہوگی ۔قرآن کریم فریاد کرے گا یا اللہ مجھے پھاڑا اور پراگندہ کیا گیا۔ مسجد عرض کرے گی یا اللہ مجھے ویران کیا گیا، ضائع اور برباد کیا گیا۔ اولاد عرض کرے گی یا اللہ مجھے دھکا دیا گیا مجھے قتل کیا گیا مجھے دھتکارا گیا اور جھگڑے کیلئے میرے گھٹنوں پر بیٹھا گیا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے یہ میرے نزدیک زیادہ اہم ہے اور میں اس سے زیادہ اہم ہوں۔

علمی و عملی تفوق:

اللہ تعالیٰ نے علمی و عملی اور روحانی ملکات و کمالات سے بدرجہ اتم حصہ عطا فرمایا تھا، حالانکہ آپ اپنے

علمی وعملی تفوق اور برتری کے باعث معاصر بالخصوص طبقۂ علماء میں عظمت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور آپ کے علمی وقار کا یہ عالم تھا کہ طلبہ وعلما آپ کی خدمت میں جاتے ہوئے ہچکچاتے تھے تاہم علم دوست افراد کیلئے علامہ صاحب کا دل بڑا وسیع اور نہایت کشادہ تھا، علمی سوالات کے جوابات اطمینان بخش دیتے تھے، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے بعد احقر نے بارہا علامہ صاحبؒ کو احادیث کی تلاش وتتبع کے سلسلہ میں تکلیف دی اور یہ احساس بھی دامن گیر رہا کہ علامہ صاحب کا قیمتی وقت میری وجہ سے صرف ہو رہا ہے لیکن علامہ صاحب خندہ پیشانی اور غایت شفقت وکرم نوازی سے نہ صرف کتابوں کی رہنمائی فرماتے بلکہ اگر وہ کتاب آپ کے پاس ہوتی تو کتاب کھول کر متعلقہ بحث دکھلاتے تھے۔

مؤرخین:

امام بخاری نے اپنی کتاب میں ایک مستقل باب ''کتاب المغازی'' کے نام سے قائم کر کے متعلقہ موضوع پر احادیث شریفہ کا وقیع ذخیرہ جمع فرما دیا ہے، اسی کا تذکرہ فرما رہے تھے پھر اچانک فرمایا کہ تاریخ کو محفوظ کرنے کیلئے ہمارے اکابر نے ایسی ایسی عظیم قربانیاں اور خدمات انجام دی ہیں جن کو کوہ کنی ہی کہا جا سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک مؤرخ ہیں نضر بن شمیلؒ جو تیسری صدی ہجری کے ہیں انہوں نے عرب کی پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''کتاب الصفات'' ہے۔ شیخ ابوسعید اصمعیؒ جو ادیب بھی تھے انہوں نے عرب کے تالابوں کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''کتاب المیاہ'' رکھا ہے۔

ابن حوقلؒ، یاقوت حمویؒ، اصطخریؒ، مسعودیؒ، ابن حائک ہمدانیؒ، ابن خلدونؒ اور طبریؒ ان تمام حضرات نے اسلامی تاریخ کو محفوظ کرنے میں قابل قدر کارنامے انجام دئے ہیں۔

غلطی:

ایک بار فرمایا کہ لکل جواد کبوۃ (ہر تیز رو گھوڑے کے لئے ٹھوکر ہے) معصوم تو صرف انبیاء کرام ہیں ان کے علاوہ روئے زمین پر کوئی معصوم نہیں ہے، پھر فرمایا کہ حضرت امام بخاریؒ نے بخاری جیسی مہتم بالشان کتاب لکھی، بہت سے علماء حضرات بھی اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ بخاری شریف تسامحات سے پاک ہے یہ خیال صحیح نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ صحیح بخاری شریف میں بھی امام بخاریؒ سے تسامح ہوا ہے جس کی تفصیل علامہ عسقلانیؒ نے ''ہدی الساری مقدمہ فتح الباری'' میں بیان فرمائی ہے، میں نے

بھی مختصراً انصر الباری کی جلد اول کچھ تفصیل پیش کی ہے۔

امام بخاری اور مسئلہ رضاعت:

فرمایا: کہ حضرت مفتی مظفر حسینؒ کا ارشاد ہے کہ ہر فقیہ کا محدث ہونا ضروری ہے لیکن ہر محدث کو فقیہ ہونا ضروری نہیں یہ ملفوظ نہایت جامع ہے، اب امام بخاریؒ کو لے لو آپ جلیل القدر محدث تھے لیکن فقہ سے کوئی خاص مناسبت نہیں تھی چنانچہ امام ابو حفص کبیرؒ نے امام بخاریؒ کو استنباط واجتہاد سے منع فرمادیا تھا لیکن امام صاحب نے ان کی یہ نصیحت قبول نہیں کی اور ایک عجیب وغریب مسئلہ بتادیا کہ اگر ایک لڑکا اور ایک لڑکی ایام رضاعت میں کسی بکری کا دودھ پی لیں تو رشتۂ رضاعت ثابت ہوجائے گی۔

اس مسئلہ کی تردید میں علماء بخارا کا ناراض ہونا یقینی تھا، سبھی علماء ناراض ہوگئے اور اس ناراضگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام صاحب کو بخارا چھوڑنا پڑا، علامہ ابن ہمام نے تفصیل سے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ **و کان سبب خروجه منها** بخارا سے نکلنے کا بنیادی سبب بنا تھا۔

شفقت ومروت:

طلبہ کے لئے آپ نہایت ہی شفیق ومہربان تھے، بیس سال سے زائد عرصہ تک مظاہر علوم میں ''شیخ الحدیث'' رہے لیکن کبھی کسی طالب عالم پر ہاتھ نہیں اٹھایا، غصہ بھی بہت کم آتا تھا، اگر کبھی غصہ آگیا تو زبانی طور پر ڈانٹ پھٹکار کر درگزر فرمادیتے تھے، دفتر میں شکایات بھیجنے اور روز روز طلبہ کی حاضری لینے کا بھی معمول نہیں تھا پھر بھی طلبہ آپ کے درس میں برضا ورغبت حاضری کو اپنی سعادت تصور کرتے تھے، دورۂ حدیث کے علاوہ بھی افتاء یا تخصص فی التفسیر غیرہ کی کتب آپ سے متعلق ہوتیں تو انھیں بھی دلچسپی سے پڑھاتے، عشاء کی نماز کے بعد بھی سبق پڑھانے کا سلسلہ نہ صرف قدیم تھا بلکہ شروع سال سے پابندی کے ساتھ اسباق پڑھاتے تھے، ناغہ وغیرہ کا تو تصور بھی نہ تھا اگر کسی اور استاذ کا ارادہ سبق نہ پڑھانے کا ہوتا تو حضرتؒ اس گھنٹہ میں بھی سبق پڑھادیتے تھے۔

دوران سبق طلبہ کی سستی دور کرنے اور نئی تازگی پیدا کرنے کے سلسلہ میں آپ کا انداز بھی عجیب تھا، لطائف وظرائف، بذلہ سنجی، مزاح اور شرعی حدود کی رعایت اور دارالحدیث کا تقدس ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے طلبہ کو ہنساتے بھی تھے، بعض مرتبہ اپنے مخصوص لہجے میں بنگالی زبان میں جملے اور فقرے زبان مبارک سے ادا فرماتے تو پوری درسگاہ قہقہہ بار اور زعفران زار ہوجاتی تھی۔

اسباق میں آپ کی تقریر سادہ اور علمی ہوتی تھی، بتکلف الفاظ اور نامانوس جملوں وتعبیرات کا کبھی سہارا نہیں لیتے تھے، پھر بھی ہر سبق معلوماتی ہوتا تھا، حضرت والا کے سبق پڑھانے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی۔

صداقت جس کا شیوہ ہے محبت کا جو پیکر ہے
مروت خو میں ہے جس کی وہی بس ایک انساں ہے

درجہ بندی:۔ فائدہ یا نقصان:

میں نے پوچھا کہ حضرت یہ جو آج کل جماعتوں اور درجات کی صف بندی ہے اس کی کیا تاریخ ہے؟ فرمایا مجھے تو معلوم نہیں ہے، البتہ یہ سلسلہ پہلے نہیں تھا طلبہ اپنے مزاج اور ذہن کے حساب سے انفرادی طور پر اساتذہ سے اسباق پڑھتے تھے، جس کا اچھا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جو طلبہ ذہن کے تیز ہوتے تھے وہ کم عرصہ میں زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھ لیتے تھے اس لئے ذہین طلبہ کو غبی طلبہ کے ساتھ خواہ مخواہ گھسٹنا نہیں پڑتا تھا، اسی طرح غبی طلبہ کو ذہین طلبہ کے ساتھ زبردستی بھاگنا نہیں پڑتا تھا، ہر طالب علم اپنے اپنے ذہن کے مطابق اسباق پڑھ لیتا تھا، مگر اب جماعت بندی ہوگئی ہے کیونکہ اب طلبہ ہر جماعت میں زیادہ ہونے لگے اور اساتذہ کے دلوں میں طلبہ کو زیادہ سے زیادہ پڑھانے اور آگے بڑھانے کا مزاج نہیں رہ گیا، اخلاص ہر چیز میں شرط اولین ہے، اس کے بغیر کوئی کام نہیں چل سکتا۔

طلبہ کو نصیحت:

پہلے مدرسہ میں طلبہ کی علاقائی وضلعی انجمنیں نہیں تھیں تو طلبہ کو حضرتؒ کے نصائح سننے کا اتفاق کم ہوتا تھا لیکن جب سے تمام ضلعوں کی علاقائی انجمنیں قائم ہوگئیں تو طلبہ کو اپنی اپنی انجمن میں دعوت دینے کا موقع مل گیا چنانچہ حضرت محض طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لئے کبھی کبھی انجمن میں تشریف لے جاتے اور قیمتی نصائح سے نوازتے۔

علمی گہرائی:

فرمایا: کہ مظاہر علوم میں ماضی قریب کے علماء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اور فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ سے زیادہ علمی گہرائی اور پختگی رکھنے والا عالم نہیں دیکھا۔

مفتی صاحب سے جب بھی کسی سلسلہ میں مراجعت کی نوبت آئی تو فوراً کتب خانہ سے کتاب منگاتے اور اندازہ سے کتاب کھول کر ایک آدھ صفحہ ادھرادھر کھولتے اور کسی عبارت پر انگلی رکھ کر کتاب سامنے رکھ دیتے اور فرماتے کہ یہ عبارت ہے جس کی آپ کو ضرورت ہے۔

خصوصی موضوع:

اخیر عمر میں آپ کافی نحیف ونزار ہو گئے تھے، مختلف بیماریوں کا شکار ہونے کی وجہ سے قویٰ مضمحل اور صحت کمزور ہو گئی تھی لیکن آواز اور لہجہ میں بڑھاپے کا احساس نہ ہوتا تھا، اخیر عمر تک پڑھاتے رہے، تفسیر اور حدیث آپ کا خصوصی موضوع تھا، ان دونوں فنون میں آپ ماہر و یکتا تھے۔

علمی وقار وعظمت کا پاس ولحاظ:

حضرت علامہ صاحبؒ اپنی مجلسوں میں عموماً امام بخاریؒ کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک بار امام صاحب کا ایک واقعہ سنایا کہ حضرت امام بخاریؒ ایک دفعہ دریائی سفر پر تھے، اثناء سفر کشتی ہی میں ایک آدمی سے جان پہچان پیدا ہوگئی، آپؒ نے اس آدمی سے یہ بھی بتادیا کہ میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں بھی ہیں، یہ سنتے ہی اس شخص کی نیت خراب ہوگئی، رات ہوئی تو شور مچانا شروع کردیا کہ میری ایک ہزار اشرفیاں چوری ہوگئی ہیں، کشتی کا عملہ بھی متأثر ہوا اور تلاش شروع کردی، سبھی لوگوں کی تلاشی لی گئی ،حضرت امام بخاریؒ نے اپنی اشرفیاں لوگوں کی نظر بچا کر دریا میں ڈال دیں، چنانچہ جب آپ کی تلاشی لی گئی تو کچھ بھی نہ نکلا۔ کشتی کے عملہ نے اس شخص کو لعنت ملامت کی کہ تم جھوٹے ہو۔

صبح ہوئی اور کشتی ساحل کو لگی تو سبھی مسافر اپنی اپنی منزل کی طرف چلے گئے، امام صاحب بھی چل پڑے وہ شخص آپ کے پیچھے پیچھے آیا اور راستہ میں پوچھا کہ آپ تو کہہ رہے تھے کہ میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں ہیں؟ حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ہاں بھائی! اشرفیاں تو تھیں لیکن جب میں نے دیکھا کہ اب میری ہی اشرفیوں کی وجہ سے میری شرافت پر حرف آنے والا ہے جس کے حصول کی خاطر میں نے پوری زندگی قربان کردی ہے تو میں نے ان اشرفیوں کو دریا میں ڈال دیا کیونکہ معاشرہ میں عزت اور وقار بہت مشکل سے ملتا ہے جس کے آگے ان اشرفیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

دنیا کی تین نعمتیں:

۲؍ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ م ۹؍نومبر ۲۰۱۰ء سہ شنبہ کو حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ کی اہلیہ محترمہ اچانک

انتقال کر گئیں، اس وقت حضرت علامہ محمد عثمان غنیؒ بھی صاحب فراش تھے، احقر حاضر خدمت ہوا تو نماز جنازہ کی بابت دریافت کیا اور پھر فرمایا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر سواری، نیک بیوی اور کشادہ مکان کو دنیاوی نعمتوں میں شمار فرمایا ہے۔ ثلٰث من نعم الدنیا: وان کان لانعیم لھا، مرکب وطیء، والمرأۃ الصالحۃ والمنزل الواسع.

ایک اور جگہ نیک بیوی کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا ہے ارشاد ہے خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ.

وطن کی محبت:

وطن کی محبت سے متعلق ایک حدیث ہے جس کو محدثین نے موضوع کہا ہے، میں نے علامہ صاحب سے دریافت کیا کہ حضرت اس حدیث کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ ہاں یہ حدیث موضوع ہے، البتہ وطن سے محبت بشرطیکہ وہ دارالاسلام ہو تو ممدوح اور ایمانی تقاضا ہے۔

ختم بخاری شریف:

مظاہر علوم میں ختم بخاری شریف کے موقع پر ہمدردان و متعلقین کافی تعداد میں حاضر ہوتے ہیں، جب تک حضرت مفتی مظفر حسینؒ حیات رہے تو عموماً بخاری شریف کا ختم آپؒ کراتے تھے، البتہ ۱۴۱۵ھ میں بخاری شریف کا ختم خطیب اسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ نے کرایا تھا، احقر کا سن فراغت بھی یہی سال ہے۔

حضرت فقیہ الاسلامؒ کے بعد حضرت مولانا علامہ محمد عثمان غنیؒ ہی بخاری شریف کا ختم کراتے تھے۔

بخاری شریف کی آخری روایت کَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ، خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ پر عالمانہ، فاضلانہ اور محدثانہ تقریر فرماتے تھے۔

آپ کی تقریر میں عموماً مخاطب طلبہ ہی ہوتے تھے الفاظ بھی سہل اور عام فہم استعمال فرماتے تھے، کبھی بھی نہ تو تقریر میں بناوٹ پسند کی نہ ہی تحریر میں، دارالحدیث میں طلبہ کے سامنے درس بخاری، روزمرہ کی گفتگو، پند و نصائح ہر جگہ علامہ صاحبؒ نے اس پہلو پر خصوصی توجہ رکھی کہ مخاطب کون ہے؟ اور اس کا مبلغ علم کیا ہے؟۔

آخری درس بخاری کی تقریر عالمانہ و فاضلانہ ہونے کے باوصف اس قدر عام فہم ہوتی تھی کہ دسیوں

ہزار کا مجمع مکمل یکسوئی کے ساتھ نہ صرف سنتا تھا بلکہ سمجھتا بھی تھا۔ البتہ حسب عادت یہاں بھی اصل مخاطب طلبہ ہی ہوتے تھے۔

علامہ صاحبؒ نے نصر الباری کی تیرہویں جلد میں بھی بخاری شریف کی آخری حدیث پر جو تفصیلی کلام فرمایا ہے وہاں بھی خصوصی طور پر طلبہ کو مخاطب کرنے کیلئے مستقل عنوان لگایا ہے ''فارغین طلبہ سے خطاب'' اس عنوان کے تحت علامہ صاحب نے طلبہ کو جس انداز و منہاج میں اپنے مستقبل کو سنوارنے کی تلقین و نصیحت فرمائی ہے اس سے طلبہ کے تئیں علامہ صاحب کی قلبی وابستگی، خصوصی تعلق، ربط باہمی، شفقت و مروت اور ان کے مستقبل کے سلسلہ میں جگر سوزی و دلسوزی ظاہر ہوتی ہے۔

مناسب سمجھتا ہوں کہ اس عنوان کے تحت شامل چند سطری مضمون آپ بھی پڑھتے چلیں۔

فارغین طلبہ سے خطاب:

''عزیز طلبہ! آپ حضرات نے آٹھ دس سال پہلے جس کام کے لئے سفر شروع کیا تھا الحمد للہ بفضلہ وبکرمہ آج اس کام تکمیل ہوگئی، آپ کی گاڑی منزل تک پہنچ گئی اب ایک اصول مسلمہ یعنی قاعدہ کلیہ ذہن نشیں کر لیجئے کہ کسی کام اور چیز کی عزت، عظمت اور قدر و قیمت کا دار و مدار مقصد کی مطابقت پر ہے اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک بڑا کاشتکار ہے، اس نے کھیتی کے لئے ایک جوڑا عمدہ بیل نہایت عمدہ، جوان راجستھان سے خرید کر لایا، پورے گاؤں والے دیکھ کر کہنے لگے کہ واقعی ''بیل'' لایا ہے، کل ہو کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ بیل کا مالک کھیت جوتنے کے لئے جب لے گیا تو دونوں بیل بیٹھ گئے، مالک نے مار پیٹ کر پوری کوشش کی تو بیل اٹھے، پھر جب جوتنے کے لئے ہل میں لگانا چاہا تو بیٹھ گئے، بار بار کوشش کے باوجود جب کامیابی نہیں ملی تو کاشتکار نہایت کبیدہ خاطر اور غمگین گھر واپس آیا اور افسوس ظاہر کرنے لگا تو ایک پرانے بوڑھے نے کہا۔ کہ فکر نہ کیجئے ہوسکتا ہے کہ یہ جوڑا ہل کا نہ ہو بلکہ گاڑی کا ہو، اسے گاڑی میں لگا کر دیکھو، کاشتکار نے جب ان دونوں کو گاڑی میں لگایا تو دونوں بیل بیٹھ گئے۔

آپ یقین مانئے اب ان کی عزت و عظمت ختم ہوگئی اور قیمت گر جائے گی چونکہ مقصد میں ناکام رہا، چیزوں کی عزت و عظمت صرف شکلوں اور صورتوں پر نہیں ہوتی بلکہ مقصد کی مطابقت پر ہوتی ہے۔

ایک دوسری مثال سے سمجھئے کہ ایک مولانا صاحب ایک اچھی گھڑی مثلاً ''سی کو فائیو'' خریدی مقصد یہ تھا کہ صحیح وقت پر مدرسہ پہنچ کر متعلقہ اسباق پڑھا سکیں لیکن گھڑی

خرید کر جب گھر لایا تو دیکھا کہ گھڑی ہر روز آدھا گھنٹہ فاسٹ بھاگتی ہے، صحیح ٹائم نہیں دیتی ہے، دو چار روز کے تجربہ پر پھر دہلی پہنچا اور گھڑی کی شکایت کی، دوکاندار نے گھڑی کھول کر ٹھیک کیا تو اب گھر لاکر دیکھتا ہے کہ گھڑی ہر روز ایک گھنٹہ سست (سلو) چل رہی ہے، دو چار مرتبہ ٹھیک کرایا لیکن گھڑی صحیح نہیں ہوئی۔

یقین مانئے کہ اب اس کی نہ وہ عزت رہی نہ وہ قیمت رہی کیونکہ عزت و قیمت کا مدار مقصد کی مطابقت پر ہے، اسی پر تمام کاموں اور چیزوں کو قیاس کرلیا جائے، اب سمجھنا یہ ہے کہ پوری دنیا کی تمام چیزوں سے افضل واعلیٰ واشرف وبالا ہم انسان ہیں جو سب سے اشرف واکرم ہے خود خالق ومالک کائنات نے فرمایا ’’لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ ‘‘ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۰) ہم نے اولاد آدم (انسان) کو عزت دی۔

اب دیکھنا ہے کہ ہمارے خالق وپرودگار اللہ رب العزت نے ہم انسانوں کو کس مقصد کیلئے پیدا کیا، ہم انسانوں کی پیدائش وبناوٹ کا مقصد کیا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ‘‘ (سورہ ذاریات ۵۶) اور نہیں پیدا کیا میں نے انسان اور جن کو مگر صرف اسلئے کہ وہ عبادت کریں۔

تو خوب ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے مگر مادی حیات دنیاوی زندگی گزارنے کیلئے دوسری ضروریات، کسب معاش، مثلاً کھانا پینا، سونا جاگنا اور لباس ومسکن کی فراہمی وتکمیل میں اشتغال مقصد عبادت خداوندی برقرار رکھتے ہوئے منع نہیں لیکن ان امور میں اشتغال مقصود نہیں بلکہ مبادی مقصود ہیں۔

قیامت کے دن خالق کائنات رب العزت کے نزدیک انسانوں کی عزت وعظمت اور قیمت صرف عبادت پر ہوگی بشرطیکہ اللہ کی عبادت محبوب رب العالمین خاتم الانبیاء والمرسلین حضور اقدس ﷺ کے بتائے ہوئے طریق پر ہو اپنی عقل سے گھڑی ہوئی نہ ہو۔

بات کچھ طویل ہوگئی مختصراً یہ عرض کرنا ہے کہ آپ حضرات نے جو آٹھ دس سال محنت کی ہے اس کا مقصد رضاء مولیٰ اللہ کی خوشنودی ہے جو اتباع رسول پر موقوف ہے بس عہد کرلیجئے اور پختہ عہد کرکے مدرسہ سے جایئے کہ زندگی کے ہر موڑ پر، ہر معاملہ میں حضور اقدس ﷺ کی ہدایت اور حکم پر امکانی طاقت پر چلوں گا یاد رکھئے کہ ایمان کی

تعریف ہی یہی ہے۔تصدیق الرسول بما جاء به عن ربه .ولله در القائل ۔

بے عشق محمد جو محدث ہیں جہاں میں
آتا ہے بخار ان کو بخاری نہیں آتی

نصر الباری کا اختتام:

علامہ صاحب کو بخاری شریف سے بھی عشق تھا جس کی جھلک آپ کے کردار وگفتار میں محسوس ہوتی تھی ،آپ نے بخاری شریف کی معرکتہ الاآراء شرح ''نصر الباری'' میں بھی امام بخاریؒ کی پوری پوری تقلید کی، چنانچہ خاتمۃ الکتاب کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

''امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کو تسبیح وتحمید پر ختم کیا ہے احقر بھی اپنی شرح تسبیح وتحمید پر ختم کرتا ہے۔

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ .

دعا :اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَأَلَکَ مِنْهُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّمَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ عَلَیْکَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ''۔

وقت کی قدر وقیمت:

انسانی زندگی مختلف حاثات اور تغیرات کا نام ہے ،آسمان کی رنگارنگی اور زمین کی گردشیں انسان کو ہمہ وقت یہ بتانے کی کوشش میں مصروف ہیں کہ ثبات صرف ایک ذات کو حاصل ہے جسے احکم الحاکمین کہا جاتا ہے اس ذات کے علاوہ ہر چیز تغیر پذیر ہے۔

حکماء یونان ہوں یا عقلائے عرب،دانشوران برصغیر ہوں یا دانائے فرنگ سبھی نے ایک چیز کو بطور خاص اپنی زندگیوں کیلئے ضروری اور لابدی قرار دیا اور وہ ہے وقت۔وقت کی قدر دانی انسان کو بڑا بناتی ہے تو اس کی ناقدری انسان کی ذلت وگمرہی کی دلدلوں اور پستی اور تنزل کی گہرائیوں تک پہنچا کر دم لیتی ہے۔

جو لوگ وقت کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں تو وقت ان کو اپنے سے آگے بڑھا دیتا ہے اور جو لوگ وقت

کے شانہ بشانہ نہیں چلتے تو وقت ایسے لوگوں کو تاریخ کا سب سے نکما اور سب سے بیکار عضو بنا کر گمنامی کے گڑھوں میں ڈال دیتا ہے۔

جن علماء اور حکماء کی زندگیاں وقت کی قدر و قیمت سے بھری ہوئی ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان ہی کے کارنامے اور خدمات سے تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہیں۔

آج حکماء یونان، عقلائے عرب، دانشوران برصغیر اور دانائے فرنگ کے اقوال وملفوظات اور ان کی زندگیوں کے قیمتی تجربات صرف اسی لئے کتابوں کے اوراق میں محفوظ اور موجود ہیں کیونکہ انہوں نے وقت کی صحیح قدر و قیمت کی تھی اسی لئے وقت ان کی قدر کر رہا ہے۔

وقت کی قدر و قیمت کے سلسلہ میں اسلام نے اپنے ماننے والوں کو بطور خاص نصیحت کی ہے، قرآن واحادیث میں اس سلسلہ میں وافر ذخیرہ موجود ہے۔مختلف علماء اور صاحبان علم وقلم نے صرف اسی موضوع پر گرانقدر کتابیں تصنیف کی ہیں، انشاء پردازوں نے مضامین اور مقالات کے ذریعہ غفلت شعاروں کی توجہات کو اس جانب مبذول کرانے کی سعی میمون کی ہیں۔

اسلاف امت نے اپنے کردار وعمل سے وقت کی قدر و قیمت کر کے عملی طور پر ہمارے لئے جو اسوہ اور نمونہ چھوڑا ہے وہ تاریخ کا ناقابل فراموش واقعہ ہے۔

وقت کی قدر و قیمت جانے اور پہچاننے والے کبھی نہیں مرتے اور اس سلسلہ میں کسی مذہب یا کسی طبقہ کی کوئی قید نہیں ہے، چنانچہ اگر آپ تحقیق کی کسوٹی پر اس سلسلہ میں کوئی کام کرنا چاہیں تو ہر طبقہ اور ہر فرقہ سے ایسے لوگوں کی طویل فہرست مل جائے گی جنہوں نے کم وقت میں زیادہ کام کر کے اپنے پیش رووٗں کیلئے کام کرنے کی جہتیں اور سمتیں متعین کر دی ہیں۔

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں:

ہم لوگوں کو وقت پر خصوصی توجہ مبذول کرنے کی ہمیشہ نصیحت فرماتے تھے اور کہتے رہتے تھے کہ اگر دولت کھو جائے تو محنت سے حاصل ہو جائے گی، پڑھ لکھ کر بھول گئے ہو تو مطالعہ اور اساتذہ کے پاس بیٹھنے سے دوبارہ مل سکتا ہے، صحت اور قویٰ اگر کمزور ہو گئے ہوں تو اچھے ڈاکٹروں اور معالجوں سے رابطہ کرو، صحت دوبارہ واپس آجائے گی لیکن وقت کی واپسی کبھی بھی ممکن نہیں ہے۔

من نمی گویم زیاں کن یا بفکر سود باش
اے زفرصت بےخبر در ہر چہ باشی زود باش

وقت میں بے برکتی:

کبھی کبھی بڑی حسرت کے ساتھ فرماتے کہ وقت بڑی تیزی کے ساتھ گزرتا جارہا ہے، ہر آنے والا وقت جانے والے وقت کے حساب سے بے برکت ثابت ہورہا ہے جو قرب قیامت کی علامت ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت سے پہلے وقت میں بے برکتی پیدا ہوجائے گی۔ **لاتقوم الساعة حتی یتقارب الزمان فتکون السنة کاالشھرویکون الشھر کالجمعة وتکون الجمعة کالیوم ویکون الیوم کالساعة وتکون الساعة کاحتراق السعفة الخوصة**۔ قیامت قائم ہونے سے پہلے زمانہ قریب آجائے گا اور سال مہینے کی برابر، مہینہ ہفتہ کی طرح، ہفتہ ایک دن کی طرح، دن ایک گھنٹہ کی طرح اور گھنٹہ ایک آگ کے شعلہ کی طرح تیزی گزرنے والا ہوگا۔

بخاری شریف میں ایک حدیث اسی موضوع پر ہے **لاتقوم الساعة حتی یقبض العلم وتکثر الزلازل ویتقارب الزمان**۔ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب علم نہ اٹھالیا جائے، زلزلے بکثرت نہ آنے لگیں اور زمانہ قریب نہ آجائے۔

آج دیکھ لو لوگ فضول اور لغو باتوں میں قیمتی وقت ضائع کردیتے ہیں، مسلمان قوم سب سے زیادہ وقت ضائع کررہی ہے، دنیا میں یہودی اور عیسائی دونوں قومیں اپنے وقت کو ہمہ وقت ملحوظ رکھتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں خوب خوب ترقی کرتی نظر آتی ہیں۔

مصروف زندگیاں:

کتابوں میں پڑھتا تھا کہ ہمارے بزرگ علماء کی زندگیاں اتنی مصروف ہوا کرتی تھیں کہ انہیں کھانے پینے کا ہوش نہیں رہتا تھا، حضرت امام بخاریؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی تھی، حضرت مدنیؒ چوبیس گھنٹوں میں صرف تین گھنٹے ہی سوتے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی مصروف ترین حیات مبارکہ سے سبھی واقف ہیں، ہمارے بزرگوں نے وقت کی قدر و قیمت کس انداز میں فرمائی ہے علماء نے محض اسی موضوع پر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں ان واقعات کو یکجا کرکے نئی نسل کو تضییع اوقات سے بچانے کی کوشش کی گئی ہے۔

آپ کی زندگی کا مشن ہی دین اور خدمت دین تھا، نہ بناوٹ، نہ ریاکاری، نہ تکلف نہ تصنع، نہ

کھانے پینے میں اضاعت وقت، نہ سونے اور آرام کرنے کا فکر، نہ ٹہلنے کی فرصت نہ دوستوں سے علیک سلیک کا موقع، نہ مجلسی زندگی نہ ذہنی تعب وتکان کو دور کرنے کی کوشش۔ بس پڑھنے پڑھانے اور لکھنے کی ہر وقت دُھن اور فکر، سچائی یہ ہے کہ راقم السطور نے علامہ صاحب جیسا مصروف ترین عالم نہیں دیکھا۔

یہی علامہ صاحب کی کامیابی کا راز ہے کہ انہوں نے وقت کی قدر کی تو وقت نے آپ کی قدر کی، کسی حکیم ودانا کا قول ہے کہ کامیابی کسی تھوڑے وقت یا پے درپے کام کرنے پر موقوف نہیں بلکہ وقت کی مناسب تقسیم پر ہی منحصر ہے، حضرت علامہ صاحبؒ کا چونکہ ایک نظام تھا، کھانا کس وقت کھانا ہے، نماز کس وقت پڑھنی ہے، تصنیف کے لئے کون سا وقت ہے، آپ کے اسی نظام الاوقات کی برکت تھی کہ آپ کے علمی کاموں قابل رشک رفتار بڑھی اور معاشرہ میں حضرت علامہ صاحب کی عظمت وعزت اور مقبولیت ومعقولیت میں اضافہ ہوا۔

کتابوں کی خریداری کا شوق:

آپ کے پاس ذاتی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا، اس سلسلہ میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ سے کوئی کتاب اگر لی جائے تو ہر سال اس کو جمع کرنا اور نکالنا، یا اس کا ازسرنو اندراج کرانا مستقل سردری ہے اس لئے میں نے اپنی ذاتی کتابیں خرید لی ہیں، میں نے پوچھا کہ حضرت آپ کا مشاہرہ اتنا نہیں ہے کہ آپ آئے دن اتنی مہنگی کتابیں خریدتے رہیں؟ مسکرا کر فرمایا کہ اللہ بڑا کارساز ہے۔

ہمہ جہت شخصیت:

آپ کے پاس مہمانوں کی آمد ورفت بھی ہوتی تھی، ان سے گفتگو بھی فرماتے تھے، طلبہ کا رجوع بھی بہت تھا، مدرسہ کے عملہ میں سے کچھ نہ کچھ افراد برابر آپ کی خدمت میں پہنچتے تھے، اصلاحی اور روحانی سلسلہ بھی جاری تھا، کئی کئی گھنٹے کتابوں کی تدریس بھی متعلق تھی، نمازوں اور اذکار مسنونہ کے بعد جو وقت تھا اس میں کوئی نہ کوئی تحقیقی کتاب یا شرح تحریر فرماتے تھے، کبھی بخاری کی شرح نصرالباری زیر ترتیب ہے تو کبھی مشکوٰۃ شریف کی شرح نصرالحیات پر قلم رواں دواں ہے، کبھی جلالین شریف کی شرح فیض الامامین زیر ترتیب ہے تو کبھی مسلم شریف کا خلاصہ نصرالمنعم مرتب فرما رہے ہیں۔

ان تاریخی کارناموں کے علاوہ علماء اور طلبہ اپنی تصنیفات پر تقریظات بھی لکھوا رہے ہیں، کوئی دعائیہ کلمات کیلئے عرض رسا ہے، کوئی اپنے ادارہ کیلئے تصدیق اور توثیق کا خواہاں ہے اور آپ سب کی

حاجتیں پوری کر کے خوشی بھی محسوس فرما رہے ہیں اور یہ احساس بھی جاگزیں ہے کہ جلد از جلد ان کاموں سے فرصت مل جائے تا کہ اپنا محبوب اور پسندیدہ علمی و تصنیفی مشغلہ جاری رکھا جا سکے۔

یہاں بطور تحدیث نعمت عرض کر رہا ہوں کہ حضرتؒ اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے تصدیقات وتقریظات لکھنے کے لئے احقر کو حکم صادر فرماتے تھے، احقر حضرت کے مزاج و مذاق کے مطابق تصدیق یا تقریظ لکھ کر خدمت اقدس میں پیش کرتا اور حضرت اپنے دستخطوں سے تصدیق جاری فرماتے۔ یہ حضرتؒ کی احقر پر غایت شفقت وعنایت تھی کہ آپ میری تحریر پر اعتماد فرماتے تھے۔

کفایت شعاری

آپ کا لباس، بود و باش، رہن سہن، کھانا پینا سب کچھ سادگی سے عبارت تھا، بناوٹ اور تکلف نہ تو خود کے لئے پسند تھا نہ ہی اپنے شاگردوں کے لئے پسند فرماتے تھے، آپ کا حجرہ بھی نہایت سادہ تھا، نہ تو ٹھاٹ باٹ کی جھلکیاں تھیں نہ بستر وفرش دلکش ومعیاری، وہ تپائی جو آپ کے زیر استعمال تھی اور جس پر نصر الباری، الامین، نصر المنعم، نصر الحیاۃ جیسی درجنوں کتابیں تالیف فرمائیں وہ بھی نہایت سادہ تھی، داہنی طرف کتابوں کی گول الماری تھی جو چاروں طرف گھوم جاتی تھی، سامنے ڈیسک تھا جس پر بجلی کا لیمپ اور نصر الباری کے زیر ترتیب اوراق رکھے رہتے تھے، ڈیسک کے نیچے آپ کا پان دان رکھا رہتا تھا، پیچھے کی طرف ایک سادہ سی تپائی پر دواؤں اور بسکٹ کے ڈبے، روزمرہ کی ضروریات کا سامان، اس سے متصل آہنی الماری میں ترتیب سے رکھی ہوئی کتابیں، سامنے دیوار سے متصل ایک اور آہنی الماری میں کتابیں، وسط میں باقیماندہ مختصر جگہ آمد و رفت کے لئے خدام و متعلقین کے لئے بیٹھنے کا کام بھی کرتی تھی، طلبہ پڑھنے آجاتے تو درسگاہ بھی بن جاتی، نماز کے وقت ایک صف بچھا دی جاتی اور اس طرح گویا وہ جگہ مسجد اور سجدہ گاہ بن جایا کرتی تھی، الغرض آپ کا حجرہ بیک وقت ذاتی کتب خانہ بھی تھا، مطالعہ گاہ بھی، دار الترجمہ والتالیف بھی تھا، ذاتی مہمان خانہ بھی، بعض جماعتوں کے لئے درسگاہ بھی تھا اور مسترشدین کے لئے خانقاہ و تربیت گاہ بھی۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت علمی کاموں کے لئے ایک کشادہ حجرہ ناظم صاحب سے کہہ کر لے لیں، فرمایا کہ یہی حجرہ کافی ہے، ہمارے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا حجرہ بھی نہایت مختصر اور اتنا تنگ تھا کہ ذاتی امور نمٹانے میں بھی پریشانی محسوس ہوتی تھی۔ حضرت حاجی صاحبؒ

اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حجرے تو اس سے بھی تنگ اور مختصر تھے۔

مدرسہ کی لائٹ جانے یا رات کو وقت مقررہ پر جنریٹر بند ہو جانے کے بعد بھی موم بتی کی روشنی میں عموماً رات کے اکثر حصہ میں تصنیفی و تالیفی کام میں مصروف رہتے تھے، احقر نے بارہا عرض کیا کہ حضرت انورٹر لگوا لیجئے ! فرمایا کہ انورٹر تو بہت مہنگا آتا ہوگا؟ عرض کیا کہ حضرت اس سے فائدے بھی بہت ہیں، روشنی اور پنکھے کی سہولت بھی حاصل رہے گی اور یہ احساس ہی نہ ہوگا کہ بجلی چلی گئی ہے، فرمایا کہ اس سے سستا کوئی اور سسٹم نہیں ہے؟ عرض کیا کہ اس سے سستا سسٹم یہ ہے کہ ایک متوسط بیٹری، چارجر اور ٹیوب لائٹ لے لیں، پوچھا کہ لائٹ جانے کے بعد یہ سسٹم کتنی دیر کام کرے گا، عرض کیا کہ اگر صرف لائٹ جلائی جائے تو چار پانچ گھنٹے اور پنکھا بھی چلایا جائے تو دو ڈھائی گھنٹے کام کرے گا، فرمایا کہ یہی صحیح ہے، پنکھا نہیں چلاؤں گا، عرض کیا کہ گرمی سے پریشانی محسوس ہوگی، فرمایا کہ پریشانی کے بعد ان شاء اللہ آسانی ہوگی۔ چنانچہ احقر نے یہ سستا سسٹم لگوا دیا، علامہ صاحب بہت دعائیں دیتے رہے، جب بھی ملاقات ہوتی تو فرماتے کہ اب نصر الباری کے کام میں زیادہ تیزی آگئی ہے اور امید ہے کہ اب یہ کام بعجلت تمام تکمیل کو پہنچے گا، بعد میں احقر کے توسط سے نصر الباری کے ناشر نے علامہ صاحبؒ کے حجرہ میں معیاری انورٹر لگوا دیا تو حضرت بہت خوش ہوئے بجلی جانے کے بعد جب بھی انورٹر کے استعمال کی نوبت آتی تو بار بار دعائیں دیتے تھے۔

آپ کو نصر الباری کے بعد جلالین کی شرح ''فیض الامامین'' کی تکمیل کی دھن سوار تھی، امامین کے علاوہ مشکوٰۃ شریف کی بھی آسان اور سہل انداز میں نصر الباری کے طرز پر شرح لکھنے کا ارادہ تھا چنانچہ دونوں کتابوں کی چند جلدیں الحمد للہ مکمل ہو کر شائع بھی ہو گئی تھیں لیکن تکمیل نصر الباری کے حصہ میں آئی۔

زہد و قناعت:

حضرت علامہ صاحبؒ بیس سال سے زائد عرصہ تک مظاہر علوم وقف میں شیخ الحدیث کے منصب عالی پر فائز رہے لیکن آپ اپنا ذاتی آشیانہ نہ بنا سکے، نہ ہی مدرسہ کی طرف سے آپ کو مکان کی سہولت ملی، حالانکہ اگر حضرتؒ چاہتے تو اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شہر سہارنپور میں شاندار و پرشکوہ مکان بنوا سکتے تھے، لیکن خاکساری و مسکنت، توکل و قناعت، زہد و خودداری کے باعث ایسا ممکن نہ ہوسکا، قناعت کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنایا تو توکل اور صبر و رضا کو گلے لگایا۔

اکم یدیک عن السوال فانما

قدر الحیاۃ اقل من ان تساء لا

میں اپنی قناعت کی فضیلت کو اپنے ساتھ لپیٹے اور اس کو نامکمل بنا کر اوڑھے رہتا ہوں۔

وبینی وبین المال شتان حرما

علی الغنی الابیۃ والدھر

مجھ میں اور مال میں بہت بڑا فاصلہ ہے، میرے خوددار نفس اور زمانے نے مجھ کو دولت مندی سے محروم کردیا۔

شہرت ومقبولیت:

ایک عربی شاعر کا قول ہے

''بلند رتبہ شخص کیلئے گمنامی کوئی عار نہیں ہے''۔

آپ عموماً تقریری پروگراموں میں تشریف نہ لے جاتے تھے کیونکہ اس سے آپ کے تحریری کاموں میں حرج ہوتا تھا، شہرت وناموری سے بھی دور بھاگتے تھے کیونکہ مریدین ومتعلقین کے بار بار آنے سے بھی آپ کے تحریری کام میں خلل ہوتا تھا پھر بھی دوآبہ کے علاوہ آپ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر نیک نامی کے ساتھ شہرت ومقبولیت رکھتے تھے، جس طرح جاہ سے آپ کو نفرت تھی اسی طرح مال سے بھی رغبت ودلچسپی نہ تھی۔

جنہیں احساس خودداری تھا جن کے دل میں غیرت تھی

یہ دنیا ایسے انسانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

تصحیح و پروف ریڈنگ:

کتابت کی اغلاط اور ان کی تصحیح کا فن بھی حضرت کو بخوبی معلوم تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کی کتابوں میں اغلاط بہت کم ہیں، نصر الباری کے ناشر نے حضرت علامہ صاحب کی سہولت اور آسانی کے لئے فل اسکیپ سائز کے صفحات ایسے انداز میں پرنٹ کرائے کہ اوپر بخاری شریف کی حدیث لکھی گئی اور نیچے اس کے ترجمہ وتشریح کے لئے جگہ چھوڑ دی گئی، علامہ صاحبؒ نے مجھے وہ کاغذات دکھائے اور فرمایا کہ

کمپیوٹر آنے سے کام کی رفتار میں بھی خاصی تیزی آ گئی ہے، میں نے نصر الباری کی کتاب المغازی جب کاتب سے لکھوائی تھی تو اس اللہ کے بندے نے کافی عرصہ کتابت میں لگا دیا تھا اور جب کتابت مکمل ہوگئی تو میرے پاس اس کو دینے کے لئے جو رقم تھی وہ خرچ ہوگئی ، بڑی شرمندگی محسوس ہوئی کہ اب کیا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے میرے محسن و مشفق حضرت مولانا عبدالاحد تاراپوریؒ، میرے مربی فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ، حضرت مولانا محمد الیاس سورتی مدظلہ اور محترم مولانا عبدالرحمٰن گلاؤٹھی کو جنہوں نے نہ صرف اُس مشکل وقت میں میری مالی معاونت فرمائی بلکہ نصر الباری کی اشاعت کا بنیادی ذریعہ بھی بنے۔

نصر الباری کے ناشر نے راقم سے بتایا کہ نصر الباری کے جو صفحات کمپیوٹرائز کرا کر حضرت علامہ صاحب کے پاس بھیجتا تھا، حضرتؒ ان صفحات کو نہ صرف بغور پڑھتے تھے بلکہ اس میں بھی کتابت اور اعراب کی غلطیوں کی نشاندہی بھی فرماتے تھے۔

شرائط مناظرہ: مخالفین کی شکست کی خشت اول

علامہ صاحب اپنی حاضر جوابی اور مظان پر گہری نظر رکھنے میں بھی اپنی مثال آپ تھے، آپ کو کئی بار مناظرہ کی نوبت بھی آئی لیکن آپ کی دانائی اور ہوشمندی سے کئی معرکے بغیر مناظرے کے سر ہو گئے۔

فرمایا کرتے تھے کہ مخالفین سے کبھی بھی مناظرہ ہو تو اصول مناظرہ تحریری طور پر پہلے طے کر لیا کرو کیونکہ پھر مخالف ادھر ادھر کی ہانکنے میں ناکام ہو جائے گا اور مخالفین کی شکست کی خشت اول یہی ہے۔

فقه البخاری فی تراجمه:

ایک مرتبہ کسی غیر مقلد سے آپ کا مناظرہ طے ہوا، مجلس مناظرہ سے قبل ناشتہ پر فریقین موجود تھے، علامہ صاحبؒ نے فریق مخالف سے کہا کہ شرائط مناظرہ طے کر لئے جائیں۔ فریق مخالف نے کاغذ اور قلم سنبھالا اور شرائط مناظرہ لکھنے شروع کئے ، سب سے پہلے لکھا کہ دلائل میں کتاب اللہ دوسرے نمبر پر بخاری شریف۔

علامہ صاحب نے فرمایا کہ بخاری تو حدیث کی کتاب نہیں ہے؟ اس نے تعجب سے کہا حضور! آپ تو خود بخاری شریف پڑھاتے ہیں؟ فرمایا کہ جی ہاں بے شک میں پڑھاتا ہوں۔ کئی منٹ تک فریق

مخالف شش و پنج میں مبتلا رہا، پھر علامہ صاحب نے خود ہی فرمایا کہ امام بخاری نے اپنی کتاب میں جو ابواب قائم فرمائے ہیں وہ حدیث نہیں ہیں، پھر علماء نے لکھا ہے کہ **فقه البخاری فی تراجمه** گویا یہ تو امام بخاری کا فقہ ہے، فریق مخالف نے یہ بات سنی تو راہِ فرار اختیار کی، گویا بغیر مناظرہ ہوئے ہی اللہ تعالیٰ نے علامہ صاحب کو فتح نصیب فرمائی۔

اور مخالف فرار ہو گیا:

علامہ صاحبؒ نے کئی سال تک مغربی بنگال کی راجدھانی کلکتہ میں علمی وتدریسی خدمات انجام دی ہیں وہیں قیام کے دوران ایک مرتبہ فرق ضالہ میں سے کوئی شخص اسٹیج پر بیٹھا علماء دیوبند کو چیلنج کررہا تھا ، چندنوجوان علامہ صاحب کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور! ایک شخص اسٹیج پر بیٹھا دیوبندیت کو چیلنج کررہا ہے، آپ تشریف لے چلیں اوراس کے چیلنج کا جواب دیں۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے ان نوجوانوں سے فرمایا کہ ایک ٹیپ ریکارڈ بھی لے لو چنانچہ علامہ صاحبؒ بغل میں بخاری شریف دبائے اسٹیج پر تشریف لے گئے، اسٹیج پر بیٹھا مقرر دھواں دھار تقریر کررہا تھا، علامہ صاحب نے اس مقرر سے فرمایا کہ ''یہ ہے بخاری شریف! اگراس کا صرف ایک صفحہ تم صحیح پڑھ دو تو میں تمہارے ساتھ ہو جاؤں گا''۔

علامہ صاحب نے بخاری شریف اس کے سامنے رکھی اور ٹیپ ریکارڈ کھول دیا، دھواں دھار مقرر نے جب یہ معاملہ دیکھا تو فوراً راہِ فرار اختیار کی اور گویا یہاں بھی حضرت علامہ صاحبؒ کو فتح حاصل ہوئی۔

علامہ صاحب ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ مخالف کتنا ہی بڑا علامہ فہامہ ہو اس سے مرعوب نہیں ہونا چاہئے، مرعوبیت کا احساس انسان کی صلاحیتوں پر تالا لگا دیتا ہے پھر قابل وفاضل انسان بھی کچھ بولنے پر قدرت نہیں رکھتا اور بالآخر شکست ہو جاتی ہے، مولانا محمد مرتضیٰؒ چاند پوری کو اس سلسلہ میں بڑی مہارت حاصل تھی۔

بیعت واصلاح:

سلسلۂ تھانوی، رشیدی، خلیلی اور مدنی کی خوبی یہ ہے کہ مسترشدین اپنے تعلق کو پردہ بلکہ صیغۂ راز میں رکھتے ہیں سو حضرت علامہ صاحبؒ بھی عموماً یہ راز ظاہر نہ فرماتے تھے۔

حضرت مدنیؒ:

شروع شروع میں حضرت علامہ صاحبؒ نے بیعت واصلاح کا تعلق شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے

قائم کیا تھا۔

حضرت فقیہ الاسلامؒ:

۱۱؍شعبان ۱۴۰۶ھ دوشنبہ بعد نماز عشاء فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ نے آپ کو خلعت خلافت عطا فرمائی۔

فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ نے آپ کو جو خلافت نامہ عطا فرمایا تھا اس کا متن درج ذیل ہے۔

''محترمی جناب مولانا مولوی محمد عثمان صاحب زید کرمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے تمام احوال وکوائف ماشاء اللہ امید افزاء اور قابل مسرت ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو مزید توفیق وترقیات عطا فرمائے (آمین)

آپ کی صحبت لوگوں کے لئے ان شاء اللہ مفید ومؤثر ہوگی، جو لوگ آپ کے پاس آئیں ان کے مناسب حال مفید باتیں نہایت خوش خلقی محبت اور نرمی سے بتاتے رہیں، لہٰذا حق تعالیٰ پر اعتماد کر کے آج مؤرخہ ۱۱؍شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ یوم دوشنبہ بعد نماز عشاء آپ کو اجازت بیعت وخلافت دیتا ہوں جو لوگ آپ کے پاس اصلاح وتربیت کے لئے آئیں ان کو سلسلہ میں شامل فرمائیں اور صحیح طریق سے ان کی تربیت واصلاح فرماتے رہیں، چند امور کا انجام دینا لازم وضروری ہے۔۔

(۱) معاملات کی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔ عام طور سے اس کے اندر بہت کوتاہی ہوتی ہے۔

(۲) گناہوں سے اجتناب: یہ سب سے زیادہ مضر چیز ہے۔

(۳) معمولات کی پوری پابندی بالخصوص فرائض کا اہتمام، نماز تکبیر اولیٰ سے پڑھنے کی کوشش کی جائے۔

(۴) تمام امور میں اتباع سنت نبوی کی کوشش رکھی جائے ورنہ کم از کم شریعت کے خلاف تو کوئی کام نہ ہو۔

(۵) پاکیزہ اخلاق پیدا کرنے اور رذائل کے ازالہ کی فکر دائمی طور پر کی جائے۔

اپنے متعلق استحسان وتکمیل اور دوسروں کی تحقیر ذہن سے نکالدیں کہ یہی عجب ہے جو

اس راہ میں سب سے زیادہ مہلک ہے اسی کے ساتھ اگر استحقار نفس بھی ہو تو تکبر ہے جس کی مذمت سے قرآن وحدیث لبریز ہے۔

اس اجازت پر بھروسہ کر کے ہرگز ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ میں کچھ ہو گیا ہوں بلکہ اپنے کو بے حقیقت تصور کر کے مزید ترقی کی فکر میں لگے رہیں۔

اندریں رہ می تراش می خراش
تادم آخر دمے فارغ مباش

رُوحانی امراض کے علاج کا فکر ہر وقت رکھنا بہتر ہے، حضرت اقدس تھانویؒ کی کتابوں کا عموماً اور تربیت السالک انفاس عیسیٰ، الرفیق فی سواء الطریق، ضیاء القلوب، قصد السبیل کا خصوصاً بغور مطالعہ کرتے رہیں، مجھے دعا میں فراموش نہ کریں اور میری حیات تک آنا جانا برقرار رکھیں، یہ نہ ہو تو خط وکتابت ہی کرتے رہیں، میرے حسن خاتمہ کی دعا اور کم از کم تین مرتبہ قل ھو اللّٰہ شریف نماز کے بعد پڑھ کر ثواب پہنچا دیا کریں‘‘۔

مظفر حسین المظاہری
۱۱؍شوال ۱۴۰۶ھ

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن بجنوریؒ:

اسی طرح حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوریؒ نے بھی ۶؍ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ بروز جمعہ درج ذیل خلافت نامہ حضرت علامہ صاحبؒ کو تحریری طور پر عنایت فرمایا تھا۔

’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً اما بعد!

چونکہ طریقۂ بیعت، طریقت متواتر اور عند الصوفیاء متوارث ہے۔ اور اس طریقہ کا ثبوت قرآن پاک اور سنت شریفہ سے ہے، اس وجہ سے اربابِ طریقت اپنے اپنے سلاسل سے اجازت بیعت، طریقت دیتے آئے ہیں، ولہٰذا حضرت علامہ محمد عثمان غنی المعروف بالعلامہ شیخ الحدیث مظاہر علوم وقف سہارنپور جو کہ سلسلہ رشیدیہ خلیلیہ سے منسلک ہیں اور سلسلہ رشیدیہ نہایت اقوم واصوب، طریقہ ہے میں موصوف وممدوح کو

اپنے مشائخ کی شرائط کے مطابق سلسلہ چشتیہ قادریہ نقشبندیہ سہروردیہ میں بیعت لینے اور طالبین کی اصلاح کی اجازت دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے، ممدوح سے امید وار ہوں کہ اپنے دعوات الصالحات میں اس حقیر فقیر کو فراموش نہ فرمائیں گے۔ فقط والسلام

عزیز الرحمٰن غفرلہ

مدنی دار المطالعہ مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم بجنور

۶/ ذی قعدہ یوم الجمعہ ۱۴۲۳ھ"

گویا حضرت والا سلسلۂ مدنی و تھانوی کے حسین روحانی سنگم بن گئے۔

انداز تربیت:

اصلاح کا انداز بھی بڑا پیارا تھا، اپنے مسترشدین کو دینی کتب بالخصوص کتب حدیث کے مطالعہ کا حکم دیتے تھے، عجب و تکبر، ریاوسمعہ اور بداخلاقی سے بچنے کی تلقین وہدایت فرماتے تھے، نماز باجماعت اور اوراد واذکار کی نصیحت بھی فرماتے تھے۔ احقر کو فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کی وفات کے بعد حدیث کے سلسلہ میں جب بھی مراجعت کی ضرورت پڑی تو دو حضرات سے کافی فائدہ پہنچا ہے جن میں سے ایک تو خود حضرت اقدس علامہ محمد عثمان غنی صاحبؒ تھے دوسرے شعبۂ تخصص فی الحدیث دار جدید کے نگراں اعلیٰ حضرت مولانا زین العابدین مدظلہ العالی ہیں، اللہ تعالیٰ صحت و قوت کے ساتھ آپ کا سایہ دراز فرمائے۔

معمولات:

صبح فجر سے کافی پہلے اٹھنا اور تہجد کی نماز کے بعد نصر الباری کی تصنیف میں مصروف ہو جانا، نماز فجر تک اس مبارک مشغلہ کے بعد فجر کی ادائیگی، پھر اوراد وظائف اور مختصر ناشتہ کے بعد بخاری شریف کے درس کی تیاری و مطالعہ، خالی گھنٹوں میں اگلے اسباق کی تیاری، دوپہر کو کھانا اور پھر نصر الباری کا کام شروع، مختصر وقت کیلئے قیلولہ، پھر نماز ظہر اور نماز کے بعد پھر وہی نماز عصر تک تدریسی شغل، عصر کے بعد سے مغرب تک نصر الباری کی ترتیب، مغرب کے بعد پھر نصر الباری اور عشاء کے بعد بخاری یا مسلم کا درس جو عموماً رات گیارہ بجے تک جاری رہتا، پھر مختصر کھانا اور کھانا کھانے کے فوراً بعد نصر الباری

کا مشغلہ جو تہجد کے کچھ پہلے تک جاری رہتا، پھر آرام کے لئے اسی مسند پر لیٹ جاتے جس پر بیٹھ کر نصر الباری وغیرہ تصنیف فرماتے تھے۔کل ملا کر آپ اپنے استاذ ومرشد اول حضرت شیخ الاسلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دو یا تین گھنٹوں سے زیادہ آرام نہ فرماتے تھے۔آپ اپنی شبانہ روز مصروفیات اور تصنیفی وتالیفی مشاغل ،تدریسی وتحقیقی امور ہر میدان میں وقت کو بطور خاص ملحوظ رکھتے تھے۔اکل وشرب،نماز وعبادت،آرام واستراحت ہر چیز کیلئے آپ کا نظام الاوقات مرتب اور متعین تھا۔

خوبیوں کا مجموعہ:

صبر وعزیمت کے پیکر،عزم وحوصلہ کے کوہِ گراں، استقامت وپامردی کے شاہین صفت انسان،حق گوئی اور بے باکی کی تصویر مجسم،علم وروحانیت کے بے آب وگیاہ سمندر،تواضع وخاکساری اور عجز ونیاز مندی کا بے مثال نمونہ تھے۔

بہرحال علامہ صاحب مختلف النوع خوبیوں کے مالک تھے،آپ اپنی بیماری،ضعف ونقاہت، پیروں سے معذوری کے باوجود گرجدار آواز اور رعب دار لہجے میں اسباق پڑھاتے تھے،آپ کی تقریر اور درس سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ آپ طویل مدت سے مختلف بیماریوں کا شکار ہیں،کبھی کبھی بے تکلفی کے ساتھ فرماتے تھے کہ لگتا ہے اب بڑھاپا آ گیا ہے، کمزوری محسوس کرنے لگا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی علمی امنگوں، دینی آرزؤں، تصنیفی مشاغل اور روحانی سلسلہ کو تاب وتواں کرنے اور نیا عزم وحوصلہ اور نئی اسپرٹ واسپیڈ پیدا کرنے والی ذات گرامی آپ کے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تلمذ اور خوشہ چینی کا فیض تھا،آپ اپنے والدین کی دعاؤں سے پورے طور پر مالا مال رہے کیونکہ آپ نے طبعی عمر سے زیادہ عمر پائی جو والدین کی دعاؤں کا طفیل ہوتا ہے،اسی طرح آپ اپنے اساتذہ کی مستجاب دعاؤں سے بھی مالا مال رہے کیونکہ علم میں برکت،قلم میں پختگی،تصنیفات وتالیفات کی مقبولیت اور عوام وخواص میں آپ کی محبوبیت اساتذہ کی دعاؤں ہی کے طفیل میں ممکن ہے۔

ایک بار عرض کیا کہ حضرت اتنے بڑھاپے اور عمر میں بھی آپ کی آواز بہت بلند ہے اس کا کیا راز ہے؟ فرمایا کہ راز تو کوئی نہیں ہے،زندگی قال اللہ وقال الرسول میں گزر گئی ہے،دونوں عالم میں ان دونوں سے بڑھ کر کوئی کلام نہیں ہے،کلام کی اپنی تأثیر ہوتی ہے،اسی کلام کی برکت ہے کہ الحمدللہ نہ تو ذہن متأثر ہوا ہے نہ ہی بینائی، یہ دونوں علوم پڑھانے والا دماغی بیماریوں سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

حضرت والا نے تا حیات علمی و تصنیفی کارنامے انجام دیئے، قلمی خدمات کے جلی نقوش ان کی کتابوں کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہیں۔

تربیت کا ایک اور انداز:

حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ:

میں نے ایک دفعہ عرض کیا کہ کیا حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ ایک دوسرے کے مخالف تھے؟ فرمایا متعصب اور متشدد لوگوں نے خواہ مخواہ پروپیگنڈہ کیا ہے ورنہ نہ تو حضرت مدنیؒ حضرت تھانویؒ کے مخالف تھے اور نہ ہی حضرت تھانویؒ حضرت مدنیؒ کے۔ پھر فرمایا کہ حضرت مدنیؒ ایک دفعہ حضرت تھانویؒ کے پاس پہنچے تو رات ہو چکی تھی، وہاں کا گیٹ حسب معمول وقت مقررہ پر بند ہو چکا تھا تو حضرت مدنیؒ نے نہ تو دروازہ کھٹکھٹایا نہ ہی کسی اور ذریعہ سے اطلاع کرائی بلکہ باہر ایک چبوترہ تھا حضرت مدنیؒ اپنے خدام کے ساتھ اسی چبوترہ پر لیٹ گئے صبح حضرت تھانویؒ جب بیدار ہوئے اور حسب معمول باہر نکلے تو حضرت مدنیؒ کو چبوترہ پر آرام کرتے ہوئے پایا، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت! اطلاع کرادی ہوتی، حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ نہیں نظام الاوقات میں دخل انداز ہونا اچھا نہ تھا اس لئے اطلاع نہ کرائی، چنانچہ حضرت تھانویؒ نے اس کے بعد باقاعدہ تحریر لکھوا کر حضرت مدنیؒ کو اس سلسلہ میں تمام اصول وقواعد سے مستثنیٰ فرمادیا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے مخالف قطعاً نہ تھے البتہ سیاسی معاملہ میں حضرت تھانویؒ ذہنی طور پر مسلم لیگ سے قریب تھے جب کہ حضرت مدنیؒ کانگریس سے۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور حضرت مدنیؒ:

فرمایا کہ میاں! ان بزرگوں نے اپنے کردار وعمل سے ایسے نقوش چھوڑے ہیں جن پر عمل کر کے انسان اللہ کا ولی بن سکتا ہے، چنانچہ مظفر نگر کے ایک گاؤں کھتولی میں تبلیغ کا جلسہ تھا جس میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ مدعو تھے، اسی گاؤں میں ایک اور جگہ پروگرام تھا جس میں حضرت مدنیؒ مدعو تھے، حقیقت یہ تھی کہ منتظمین نے ایک دوسرے کی مخالفت میں ان بزرگوں کو مدعو کیا ہوا تھا اور یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کی تشریف آوری سے لاعلم رکھے گئے، چنانچہ جب حضرت مولانا محمد الیاسؒ کھتولی پہنچے اور وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اسی گاؤں میں ایک دوسری جگہ پروگرام ہے جس میں حضرت مدنیؒ تشریف لائے

ہوئے ہیں تو حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے فرمایا کہ حضرت مدنیؒ کا اسی گاؤں میں تقریری پروگرام ہے اس لئے یہ پروگرام کینسل کیا جاتا ہے سبھی لوگ حضرت مدنیؒ کے بیان سے استفادہ کے لئے وہاں تشریف لے جائیں۔ ادھر حضرت مدنیؒ کو پتہ چلا کہ اسی گاؤں میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا تقریری پروگرام ہے تو حضرت مدنیؒ نے حاضرین سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا اسی گاؤں میں تقریری پروگرام ہے اس لئے سبھی لوگ اس میں شرکت کے لئے پہنچیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جلسہ نہ تو ادھر ہوا اور نہ ہی ادھر ہوا لیکن ان دونوں بزرگوں نے اپنے عدیم النظیر کردار و عمل سے بعد والوں کے لئے ایسے رہنما اصول چھوڑ دئے جن کو اختیار کر کے ہم لوگ دین اور دنیا دونوں جہاں میں فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

دلچسپ لطیفہ:

مسلم شریف کے سبق میں خلیفہ ہارون رشید کا ایک دلچسپ واقعہ سناتے تھے جس سے کچھ دیر کے لئے طلبہ لوٹ پوٹ ہوجاتے، ہنسی پر قابو رکھنا مشکل ہوجاتا اور طلبہ کے ساتھ حضرتؒ بھی ہنسنے لگتے، وہ پرلطف واقعہ حدیث نبوی **آیة المنافق ثلٰث وان صام وصلی وزعم انه مسلم اذاحدث کذب و اذااؤتمن خان** ’’کے تحت سناتے تھے، لطیفہ یہ ہے۔

خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں ایک قتل ہوگیا تھا، قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا، ایک دن ہارون رشید نے قصد کیا کہ وہ خود ہی چل پھر کر پتہ لگانے کی کوشش کرے گا، چنانچہ اس نے عام لباس پہنا اور رات کو شہر میں گشت لگانے لگا، خلیفہ ایک مکان کے پاس سے گزر رہا تھا کہ اس کی سماعتوں سے چند عورتوں کی عجیب وغریب سرگوشیاں سنائی دیں، ان عورتوں میں سے ایک بولی ’’وہ چلا‘‘ دوسری بولی ’’وہ نہیں ہے‘‘ تیسری بولی ’’وہ چلا گیا‘‘ خلیفہ نے دیوار کے پیچھے سے ان عورتوں کی گفتگو سنی اور خوش ہوگیا کہ آج پہلی ہی رات میں قاتل کا سراغ لگالیا، ان عورتوں کی گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ قاتل یہیں کہیں چھپا ہوا تھا جو مجھے دیکھ کر نکل بھاگا۔

خلیفہ نے اس مکان پر نشان لگایا اور اپنے محل واپس آگیا کہ صبح پولیس کو بھیج کر ان عورتوں کو گرفتار کر کے قاتل کا صحیح پتہ معلوم کیا جائے گا۔

چنانچہ صبح پولیس پہنچی اور ان عورتوں کو گرفتار کرلائی۔ خلیفہ نے ان عورتوں سے کہا کہ کل رات تم سب آپس میں فلاں مکان میں کیا گفتگو کر رہی تھیں؟

ایک عورت نے اپنی ساتھوں کومخاطب کر کے کہا کہ ''یہ بھی وہی ہے'' دوسری نے کہا کہ ''اگر وہ ہوتا تو وہ ہوتے'' تیسری نے کہا کہ ''وہ نہیں تو وہ ضرور ہے''۔

اب خلیفہ اور بھی حیران ہوا کہ ابھی تک پہلا معمہ حل نہیں ہو پایا ہے کہ اب یہ ایک نئ مصیبت سننے کو ملی ہے۔

خلیفہ نے کہا کہ ان دونوں باتوں کی وضاحت صاف صاف کرو! عورتوں نے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت! آپ نے رات کی بات کے لئے طلب کیا تھا اسے بتا دیا جائے گا لیکن اس وقت کی گفتگو کے لئے معاف فرمائیں۔ بادشاہ نے اصرار کیا اور کہا تمہیں ہر حال میں بتانا پڑے گا، تو انہوں نے عرض کیا کہ اگر ہماری جان بخشی کا وعدہ کیا جائے تو بتلا دیا جائے گا، بادشاہ ہارون رشید نے منظور کرلیا کہ جان بخشی گئی اب بتاؤ۔

انہوں نے کہا کہ رات جب ہم آپس میں باتیں کر رہی تھیں تو چراغ گل ہونے لگا تو ہم میں سے ایک نے کہا کہ ''وہ چلا'' یعنی چراغ گل ہونے لگا۔ دوسری نے پہلی کی گفتگو سن کر کہا کہ ''وہ نہیں ہے'' یعنی تیل نہیں ہے، اتنے میں چراغ گل ہوگیا تو تیسری نے کہا کہ ''وہ چلا گیا'' یعنی چراغ بجھ گیا۔

خلیفہ اپنے دل میں بہت شرمندہ ہوا کہ اس کو تو خیال پیدا ہوا تھا کہ جو کام کسی سے نہ ہوا وہ میں نے کرلیا یعنی قاتل کا پتہ چلالیا۔ پھر اس کے بعد خلیفہ نے کہا کہ اب اس وقت تمہارے درمیان جو باتیں ہوئی ہیں اُن کا مطلب بھی بتاؤ!

انہوں نے جواب دیا کہ جب آپ نے صرف اتنی بات کیلئے دربار عالی میں بلایا تو ہم میں سے ایک بولی کہ ''یہ بھی وہی ہے'' یعنی بیل ہے کہ اتنی بات بھی نہ سمجھ سکا اور دربار میں بلالیا، اس پر دوسری نے کہا کہ ''وہ ہوتا تو وہ ہوتے'' یعنی اگر بادشاہ بیل ہوتا تو سینگ بھی ہوتے، تو تیسری نے کہا کہ ''وہ نہیں تو وہ ضرور ہے'' یعنی اگر بیل نہیں ہے تو گدھا ضرور ہے۔ خلیفہ اس گفتگو سے بہت شرمندہ ہوا کہ میری تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اور گدھا الگ ہوا، پھر ان عورتوں کو معاف کر دیا۔ (نصر المنعم: ص ۱۶۲)

ایکسیڈنٹ:

۲۰ ر اپریل ۲۰۰۰ء کو حضرت علامہ صاحبؒ بہار کے ایک جلسہ میں شرکت کیلئے تشریف لے گئے وہاں گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اور حضرت والا دونوں پیروں سے معذور ہوگئے، چلنے پھرنے پر قدرت نہ رہی، ہر ممکن علاج کرایا مگر بے سود، حضرت فقیہ الاسلامؒ اس وقت حیات تھے، آپ کے پاس تشریف لے

گئے اور مزاحاً مسکراتے ہوئے فرمایا کہ علامہ صاحب! یہ جو آپ کے ساتھ حادثہ ہوا ہے، اور آپ جو دونوں پیروں سے معذور ہو گئے ہیں اس کی وجہ اور مصلحت پر بھی غور کیا کہ نہیں؟ علامہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت آپ ہی بتلا دیں؟ فرمایا تا کہ پھر آپ کہیں اِدھر اُدھر نہ جائیں اور آرام سے بیٹھ کر ''نصر الباری''، مکمل فرمائیں۔

بہر حال یہ تو دو صاحب علم و رُوحانیت بزرگوں کی آپسی گفتگو تھی، لیکن اگر غور کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اس حادثہ کے بعد نصر الباری کی اگلی جلدیں جلد جلد شائع ہوئی ہیں۔

بیماریوں پر صبر:

بیماریاں گناہوں کو دھلتی ہیں تو بیماریوں پر صبر حسنات میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے سوالحمدللہ علامہ صاحبؒ اتنے دن بیمار رہے جتنے دن اللہ کو منظور تھا اور پھر ہمارے درمیان سے چلے گئے کیونکہ دنیا میں ان کا کام اور سانسیں پوری ہو چکی تھیں۔ اس لئے میں آپ کی رحلت پر اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ کے علمی و تصنیفی کارناموں اور شاگردان رشید کی اتنی بڑی تعداد ہے جو ان شاء اللہ صدقہ جاریہ کے طور پر آپ کی ترقی درجات کا باعث بنی رہے گی۔

۱۳؍جنوری ۲۰۱۱ء مطابق ۸؍صفر المظفر ۱۴۳۲ھ کی رات چار بجے موبائل کی چیخ سن کر بیدار ہوا اور جب کان لگایا تو حضرت علامہ صاحبؒ کے خلیفہ و مجاز جناب مفتی محمود عالم مظاہری کو کلمات ترجیع پڑھتے سن کر دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں، مفتی صاحب نے رقت آمیز آواز میں یہ خبر کلفت اثر سنائی کہ ابھی ابھی حضرت علامہ صاحب سکشم ہوسپٹل میں انتقال فرما گئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

موت تو بہر حال سبھی کو آنی ہے لیکن علامہ صاحب کی موت اس معنی کر ہمارے لئے نہایت ہی المناک تھی کہ اِس وقت مظاہر علوم میں آپ میرے اساتذہ میں سب سے بڑے اور سب سے قابل احترام تھے۔ موت سے کسی کو رستگاری نہیں نہ ہی راہ فرار ممکن ہے۔

قوی شدیم چہ شد ناتواں شدیم چہ شد
چنیں شدیم چہ شد یا چناں شدیم چوں شد
بہیچ گونہ دریں گلستاں قرارے نیست
تو بہار شدی چہ شد ما خزاں شدیم چہ شد

علامہ محمد عثمان غنیؒ علوم واعمال میں بھی قابل رشک تھے اورروحانی وعرفانی کمالات میں بھی بلند تر لیکن میری نظروں میں آپ کا ایک وصف سب سے نمایاں اورفزوں تر ہے کہ اتنے بڑے عالم ومحدث کے عموماً کچھ نہ کچھ برا چاہنے والے مخالفین اورترقی دیکھ کر سیخ کباب ہونے والے حاسدین ضرور ہوتے ہیں لیکن حضرت علامہ صاحبؒ کا کوئی مخالف الحمدللہ میری نظروں میں نہیں ہے، امید ہے کہ جس طرح آپ عندالناس مقبول تھے اسی طرح عنداللہ بھی محبوب ہوں گے۔

خواب میں ملک الموت کی زیارت:

بیمار تو کافی دنوں سے تھے لیکن انتقال سے پہلے ایک باررات میں اٹیک کا حملہ ہوا فوری طور پر طلبہ وخدام نے سہارنپور کے ضلع اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں داخل کرایا افاقہ نہ ہوا تو میرٹھ کے ایک معیاری ہوسپٹل ''دھنونتری'' میں داخل کئے گئے افاقہ ہوا تو مدرسہ تشریف لے آئے، چند دنوں کے بعد ایک رات کو تینے اپنے صاحب زادے مولانا محمد عمران قاسمی کو بلایا اورفرمایا کہ مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں مر چکا ہوں، چنانچہ اسی وقت وصیت لکھنی شروع کردی اورفرمایا کہ ویسے تو نماز جنازہ پڑھانے کا حق تمہارا ہے لیکن تم اپنا یہ حق ناظم صاحب کو دے دینا۔ پھر کتابوں کے متعلق فرمایا کہ میری ذاتی کتابیں اورالماریاں جامعہ عثمانیہ بیگوسرائے کے لئے وقف ہیں۔

صبح ہوئی تو نہایت ہشاش بشاس تھے، غسل وغیرہ کے بعد اچھے سے کپڑے زیب تن فرمائے ،خوشی آپ کے چہرے بشرے سے ہویدا تھی، ہم لوگ حضرت ناظم صاحب مدظلہ کے ہمراہ حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا کہ رات میں نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا جو مجھ سے فرمارہے ہیں کہ تمہاری جگہ اب یہ نہیں وہ ہے،اس لئے اب میں مرنے کے لئے پوری طرح تیار ہوں، میرے دل میں جو درد تھا وہ اب نہیں رہا،خود کو پوری طرح صحت مند محسوس کررہا ہوں۔

حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری شیخ الحدیث دارالعلوم جامع الہدی مرادآباد بھی ان ہی ایام میں سہارنپور مجلس شوری کے سلسلہ میں تشریف لائے ہوئے تھے، علامہ صاحب سے ملاقات کیلئے حسب معمول تشریف لے گئے احقر ساتھ تھا ان سے بھی ملک الموت کی زیارت وملاقات کا تذکرہ کیا۔

واپسی میں حضرت مولانا نسیم احمد غازی مدظلہ نے احقر سے فرمایا کہ اب اندازہ یہ ہے کہ حضرت علامہ صاحب زیادہ دنوں تک حیات نہیں رہیں گے اس طرح اچانک صحت مند ہوجانے

کو ''سنبھالا'' کہتے ہیں۔

نے حسرت تسلی ،نہ ذوق بے قراری
یک درد وصد دوا ہے یک دست وصد دعا ہے

آخری غذا آخری مشروب:

وفات سے پہلے کھانے کی کوئی بھی چیز پیش کی جاتی تو سختی کے ساتھ منع کر دیتے اور فرماتے کہ خواہش نہیں ہے لیکن اسی اثنا میں جناب مولانا مفتی ابوالکلام قاسمی استاذ حدیث مظاہر علوم (وقف) سہارنپور خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت! میں آپ کے لئے مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجوریں لایا ہوں تناول فرمائیں گے؟ فرمایا کہ ہاں مدینہ طیبہ کی کھجوریں کھاؤں گا، مفتی ابوالکلام نے کھجوریں پیش کیں جو تعداد میں پانچ تھیں، حضرت نے پانچوں کھجوریں کھائیں۔ پانی پینا پہلے سے چھوڑ رکھا تھا لیکن جب مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے لئے زمزم بھی لے کر آیا ہوں، خوش ہو گئے اور فرمایا کہ ہاں زمزم بھی پیوں گا۔ چنانچہ آپ نے برضا ورغبت زمزم نوش فرمایا۔

بہار آخر شد:

حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری مدظلہ کی بات حرف حرف صحیح ثابت ہوئی، کچھ ہی دنوں کے بعد پھر اچانک طبیعت خراب ہو گئی تو فوری طور پر دہلی روڈ سہارنپور کے سکشم ہوسپٹل میں داخل کئے گئے۔

ڈاکٹروں نے ہر ممکن کوششیں کیں کہ آپ کا مرض کنٹرول میں آجائے لیکن ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' حضرت کو افاقہ نہ ہوا، ایک مرض پر کنٹرول ہوتا تو دوسرا مرض رونما ہو جاتا، بلڈ پریشر کبھی اتنا کم ہو جاتا کہ زندگی سے مایوسی ہونے لگتی اور کبھی اتنا زیادہ ہوتا کہ زندہ رہنے کا امکان ختم ہو جاتا۔

بخار اس قدر تھا کہ ڈاکٹروں کو بھی حیرت تھی، بخار کی شدت کی وجہ سے حضرت پر غشی طاری ہو جاتی ، جب ہوش میں آتے تو کلمۂ طیبہ **لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ** پڑھنے لگتے اور وہاں موجود اپنے خدام و متعلقین سے فرماتے کہ گواہ رہنا میں بہ ہوش وحواس کلمہ پڑھ رہا ہوں۔ پھر پڑھتے **من قال لاالہ الااللّٰہ دخل الجنۃ**۔

کبھی کبھی ہوش میں آتے تو وہ دعا جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت وفات مانگی تھی آپ بھی وہی دعا شروع کر دیتے **اللھم الرفیق الاعلیٰ ،اللھم الرفیق الاعلیٰ** ۔

دنیا میں ہوا سب کو تری موت کا صدمہ
پہروں ملک الموت نے بھی ہاتھ ملے ہیں

آخری کلمات:

زمزم نوش فرمانے کے بعد پھر کلمہ طیبہ پڑھنے لگے اس کے بعد اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ پڑھا اور جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

قید حیات و بند غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

چند موٴقر واردین:

انتقال کی خبر کلفت اثر بہت جلد ملک اور ملک سے باہر کانوں کان پہنچ گئی، دور دراز سے فون آنے لگے، نماز جنازہ میں حضرتؒ کی منشاء کے مطابق تعجیل پیش نظر رہی۔

نماز جنازہ میں شرکت کیلئے دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی نائب مہتمم، مولانا محمد عبداللہ معروفی، مفتی محمد راشد اعظمی، وقف دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا مفتی فریدالدین قاسمی وغیرہ، گنگوہ سے مفتی خالد سیف اللہ، میرٹھ سے مولانا شاہین جمالی وغیرہ تشریف لے آئے۔

تجہیز و تکفین:

اتفاق کی بات تھی کہ حضرت ناظم صاحب مدظلہ علامہ صاحبؒ کے انتقال سے چند گھنٹے پیشتر گجرات کے سفر پر روانہ ہو چکے تھے، حضرت علامہ صاحب کے لائق فائق فرزند جناب مولانا محمد عمران قاسمی صاحب ان دنوں والد ماجد کی خدمت اور ہر ممکن علاج و معالجہ کے لئے یہیں موجود تھے، حضرت ناظم صاحب کے سفر پر ہونے کی وجہ سے مدرسہ کے احاطہ دارالطلبہ قدیم میں بعد نماز ظہر جناب مولانا محمد عمران قاسمی نے نماز جنازہ پڑھائی، کثیر تعداد میں طلبہ وعلماء، قرب وجوار کے دینی مدارس کے ذمہ داران اور ہمدردان مظاہر علوم اور دار جدید کے طلبہ اور بعض اساتذہ نے شرکت کی۔

قبرستان حاجی شاہ کمال میں اپنے پیر و مرشد فقیہ الاسلامؒ حضرت مفتی مظفر حسینؒ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحبؒ کی قبر مبارک کو نور سے منور فرمائے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا رئیس الدین مظاہریؒ

مفتی ناصرالدین مظاہری

ہندوستان جنت نشان کا ایک لعل بدخشاں، علم وروحانیت اور سلوک ومعرفت کا کوہ ہمالہ، تفسیر وحدیث اوراحسان وعزیمت کا حسین وجمیل سنگم، اپنی زرخیزی وشادابی، اپنی رعنائی وزیبائی، اپنی دلفریبی وجاذبیت میں ممتاز مقام کا حامل تعلیمی وتربیتی ادارہ مظاہرعلوم (وقف) سہارنپور نے نہ جانے کتنے لعل وگہر پیدا کئے، کتنے ہی اکابراہل اللہ دئے، کتنے ہی مفسرین قرآن اور محدثین عظام پیدا کئے، رجال سازی اور مردان کار کی اس فیکٹری نے دنیا کو وہ سب کچھ دیا جس کی اس نے توقع اور امید باندھی، واعظین ومناظرین، محدثین ومفسرین، مقررین ومصنفین، مدرسین ومبلغین ہرفن اور ہر میدان کے ماہرین سے امت کو مالا مال کیا۔

رجال سازی کی اس فیکٹری سے کبھی بھی خراب اور خام مال پیدا نہیں ہوا، دنیا کو جب کسی متخصص کی ضرورت پڑی اس نے اپنے فرزند حاضر کردئے، جب کبھی کوئی نیا فتنہ پیدا ہوا اس کے فضلاء اور فارغین نے اس کا فوراً تعاقب کیا، اسلام دشمن تحریکات اٹھیں تو علماء مظاہرعلوم کو اپنے مقابلہ کے لئے پہلے سے تیار پایا، کبھی کسی دشمن اسلام نے اپنی ناپاک زبان سے اسلام اور شارع اسلام کو غلط طریقہ سے یاد کیا تو اس آسمان علم وفضل کے بادل پوری قوت وطاقت سے اس پر برسے چنانچہ آج برصغیر ہندوپاک میں اسلام کی جو شبیہ محفوظ ہے اور مسلمانوں کو جو امتیاز وتشخص حاصل ہے بلاشبہ اس میں اس ادارہ کا بڑا اہم رول اور نمایاں کردار ہے۔

اس ادارہ کا یہ ایک وطیرہ اور امتیاز رہا ہے کہ یہاں سے اپنی خدمات کی پبلسٹی اور اس کا تعارف بہت کم کرایا گیا ہے اور تعارف ان کے پیش نظر رہا بھی نہیں، سادگی اور خلوص کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہنا اور کام کو مکمل کرنا ہی ان کی دھن اور ان کا مرکز ومحور رہا ہے، انہوں سے گرجنے سے زیادہ برسنے پر اپنی توجہات مرکوز کیں اور عنداللہ یہی چیز مطلوب بھی ہے۔

مظاہرعلوم (وقف) سہارنپور کے اساتذہ ومحرکین اور اس کی جڑوں کو اپنے خون اور فکر سے پروان چڑھانے والوں میں ایک بڑی تعداد ہے جن کو دنیا جانتی تک نہیں کہ یہ کون تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہی

حضرات اس ادارہ کے عروج و استحکام میں ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوئے، انھیں کے اخلاص کی برکت سے آج یہ ادارہ پوری شان اور مکمل آن بان سے قائم ہے، ایسے لوگوں کی طویل فہرست ہے جن میں خود بانی مظاہرعلوم حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوریؒ، اولین استاذ حضرت مولانا سخاوت علی انبھٹویؒ، اولین طالب علم حضرت مولانا حافظ قمرالدین اور حضرت مولانا عنایت الٰہی سہارنپوریؒ، روحانی بزرگ حضرت مولانا امیر باز خان سہارنپوریؒ، حضرت قاضی فضل الرحمٰن سہارنپوریؒ حضرت حافظ فضل حق سہارنپوریؒ، حضرت مولانا جمعیت علی پورقاضویؒ، ماضی قریب میں حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ، حضرت مولانا سید صدیق احمد کشمیریؒ، حضرت مولانا قاری محمد سلیمان دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید ظریف احمد پورقاضویؒ، حضرت مولانا سید ظہورالحق دیوبندیؒ حضرت مولانا منظور احمد خان سہارنپوریؒ، حضرت مولانا سید ظہورالحسن کسولویؒ، حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ، حضرت مولانا علامہ محمد یامین سہارنپوریؒ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے وجود باجود اور ان کے فکر وعمل کی خوشبو سے آج اس ادارہ کو چاردانگ عالم میں قبولیت وشہرت حاصل ہوئی ہے لیکن ان حضرات کی نہ تو سوانح حیات لکھی گئیں نہ ان کے علمی وعملی کارناموں کو قلمبند کیا گیا، نہ ان ستودہ شخصیات پر خصوصی کانفرنسیں منعقد کی گئیں اور نہ ہی ان حضرات نے کبھی اس سلسلہ میں توجہ کی، یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات آج عظیم الشان علمی جلالتوں اور روحانی بلندیوں کے باوجود گمنامی میں چلے گئے۔

یہ دنیا بڑی بے رحم ہے یہاں دوام اور استمرار تو خیر کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا، موت اور فنائیت تو سبھی پر طاری ہونی ہے لیکن بعض اموات دل ودماغ پر اپنے گہرے اثرات اور نقوش چھوڑ جاتی ہیں، زمانہ اتنی سرعت اور برق رفتاری سے رواں دواں ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کب سال گیا، کب مہینہ گزرا، کب ہفتہ آیا اور کب دن ڈوبا؟ وقت کی اسی بے برکتی اور تیزی کے بارے میں شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمانے آپس میں قریب نہ ہوجائیں۔ پس سال مہینہ کے برابر ہوجائے گا، اور مہینہ جمعہ (یعنی ہفتہ) کے برابر اور ہفتہ ایک دن کے برابر اور دن اس وقت ایک گھنٹہ کے برابر ہوگا۔ اور گھنٹہ شعلہ اٹھنے کے برابر (یعنی آگ کی چمک جو فوراً بجھ جائے)۔ (مشکوٰۃ)

لگتا ہے ابھی کل کی بات ہے راقم الحروف مظاہرعلوم (وقف) میں زیر تعلیم ہے، اکابر اہل اللہ کا

ایک کارواں موجود ہے، چاروں طرف روح اور وحانیت کا بول بالا ہے ،حضرت مولانا علامہ رفیق احمد بھینسانویؒ کے علوم ومعارف ،ان کی تقریر وصلاحیت اور ان کے کردار وگفتار کے چرچے زبان زد ہیں،حضرت مولانا علامہ عشیق احمدؒ اپنی عربی دانی،عربی تحریر کی عمدگی،منطق وفلسفہ، بلاغت وبدیع، ہیئت واقلیدس اورتفسیر وحدیث جیسے خشک موضوعات پر مکمل درک اور بصیرت کے ساتھ مسند حدیث پر جلوہ افروز ہیں۔

شرح جامی اور سلم العلوم کو اس کے مزاج اور معیار کے مطابق اگر مظاہر علوم میں مقبولیت حاصل ہے، دارالعلوم سے بھی بہت سے طلبہ ان کتابوں میں حاضری اور استفادہ کو اپنی خوش بختی اور سعادت مندی سمجھتے ہیں تو بلاکسی مبالغہ کے یہ حضرت مولانا علامہ محمد یامینؒ کے فکر وسوز اور کتابی لیاقت وصلاحیت پر دال ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے گھرانہ کے تقریباً تمام بچوں کے استاذ واتالیق رہے ہیں۔

ایک اور شخصیت بھی اپنی طرف متوجہ کررہی ہے انھیں بھی اپنے فن میں ماہر اور یکتا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا،تعبیرات کا علم بھی رکھتے ہیں، تاریخی نام نکالنے میں بھی مہارت ہے، نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی، نہ کوئی گھر ہے نہ در، بلکہ سرے سے شادی ہی نہیں کی، کوئی عزیز واقارب بھی نظر نہیں آتا، مدرسہ ہی ان کا گھر ہے اور مدرسہ ہی ان کا در، فراغت کے بعد سے اسی چہار دیوار میں پڑھانا شروع کیا اور یہ بابرکت سلسلہ اس وقت تک رہا کہ زندگی ہی سے فارغ ہوگئے، فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ کے رفیق درس بھی ہیں، خاموش اور سادگی پسند بھی، طلبہ کے لئے نہایت نرم اور اصول کے معاملہ میں اچھے خاصے گرم، حضرت مفتی مظفر حسینؒ جیسا علم وفن کا شناور جس کے آگے اچھے اچھوں کی بولتی بند ہوجاتی تھی، جن کے رعب سے مرعوب ہوکر ہم طلبہ اپنی درخواست اور اس کا مفہوم ہی بھول جاتے تھے، جن کے ابر کرم اور نظر گرم کو دیکھنے کی تاب بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے لیکن عجیب بات ہے وہی مفتی صاحبؒ جو کسی کا ہدیہ لینے میں حد درجہ محتاط نظر آتے ہیں، بڑے بڑے لوگ لفافوں اور مٹھائیوں کے ڈبے واپس لے جاتے دیکھے گئے لیکن یہاں تو پانسہ ہی پلٹ چکا تھا مفتی صاحب جب اس ہستی کے حجرے میں تشریف لے جاتے تو خود ہی چائے کی فرمائش کرتے اور زبردستی کی یہ چائے پی کر مفتی صاحب قلبی خوشی محسوس کرتے تھے اس عظیم شخصیت کو حافظ فضل الرحمٰن کہا جاتا ہے جو باقاعدہ عالم وفاضل تھے لیکن ام الکتاب سے غایت تعلق اور تلاوت نے ان کو حافظ کا تمغہ دیدیا تھا۔

بہت سی ہستیاں ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے اور انشاء اللہ ان شخصیتوں کا تفصیلی تذکرہ اپنی کتاب ''نقش ونقوش''میں تحریر کرنے کی کوشش کررہاہوں،ان سطور میں اور آج کی اس نشست میں اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا رئیس الدین مظاہری بجنوریؒ کا ذکر خیر کرنے کی سعادت حاصل کررہاہوں۔

یہی ہے وقت روش نذر کرمتاع سکوں
خوشا!وہ زلف پریشاں کچھ اور برہم ہے

حضرت مولانا رئیس الدین مظاہریؒ احقر کے استاذ ہیں،۱۹۹۳ء میں راقم الحروف مظاہرعلوم میں موقوف علیہ میں داخل ہواتو کوئی کتاب حضرت مولانا رئیس الدین صاحبؒ کے پاس نہیں پہنچی کیونکہ حضرت مولانا رئیس الدینؒ اس سال یاتو دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھارہے تھے یا پھر موقوف علیہ سے نیچے جماعتوں کے بعض اسباق زیردرس تھے اس لئے اس سال حضرت مولانا سے کچھ پڑھنے کی توفیق اورسعادت اگرچہ نہیں ملی لیکن ہاں ایک چیز بطورخاص دیکھتا تھا کہ پورے مدرسہ میں عظیم الشان اساتذہ اورکبارا کابرموجود تھے لیکن دوشخصیات ایسی تھیں جودارالطلبہ قدیم پہنچتے توتمام طلبہ مؤدب اورسراپامعصوم بن جاتے پہلی شخصیت فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفرحسینؒ تھے اوردوسری ہستی خودحضرت مولانا رئیس الدینؒ تھے۔

اللہ اللہ کیارعب اورکیا جلال تھاان دونوں حضرات کا حالانکہ حضرت مولانا رئیس الدینؒ کے بعض اساتذہ مثلاً حضرت مولانا سیدوقارعلی بجنوریؒ اورحضرت مولانا محمد یعقوب سہارنپوریؒ بھی استاذ تھے لیکن قبل الذکر دونوں شخصیات کے ادب واحترام کی حالت ہی عجیب تھی۔

ایسانہیں تھا کہ یہ دونوں حضرات طلبہ کے لئے بہت سخت مزاج تھے سچائی یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات مدرسہ کے ماحول میں کچھ اس انداز میں اپنی مثالی ومعیاری زندگی گزارتے تھے کہ طلبہ خودبخو دمرعوب ہوجایا کرتے تھے۔

ورنہ مارنے اورلاٹھی چارج کرنے میں اس وقت امام الفرائض حضرت مولانا سیدوقارعلیؒ کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کرسکتا تھاان کے ہاتھوں میں ہمیشہ ''عصاء موسوی'' خاطی اورقصوروار پرگرنے اور برق بے اماں بننے کے لئے تیاررہتی تھی جب کہ ان دونوں حضرات کے ہاتھوں میں تادم اخرعصانہیں آیا،کبھی کسی کونہیں مارا،کبھی کسی کوکڑوی کسیلی باتیں نہیں کہیں،کبھی کسی پرانی غلطی کونہیں دہرایا،غلطیوں پرچشم پوشی ان

دونوں استاذ وشاگرد کی گھٹی میں سمائی ہوئی تھی لیکن ''اللہ رے سناٹا کہ آواز نہیں آتی '' کا ماحول اور منظر اگر دارِ قدیم میں کسی کی تشریف آوری پر قائم ہوتا تو یہی دونوں حضرات تھے یا پھر امتحان کے دنوں میں حضرت مولانا علامہ محمد یامین سہارنپوریؒ کا غلغلہ اور دبدبہ دید کے لائق ہوتا تھا۔

حضرت مولانا رئیس الدینؒ بجنوری کے اسباق کی خصوصیت، طلبہ وعلماء میں آپ کی علمی صلاحیتوں کا اعتراف، آپ کے معاصرین میں آپ کی عزت وعظمت اور ہم طلبہ کی نظروں میں آپ کا حلم وبردباری، سکون ووقار کے ساتھ احادیث کے ایک ایک جزء اور ایک ایک نکتہ پر تفصیلی کلام، مباحث، موضوعات کی گہرائی، محدثین کی حیثیت، حدیث کا درجہ، مصنف علام کی منشاء، اختلاف الائمہ، دلائل وبراہین سے فقہ حنفی کا اثبات، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ، محدث کبیر حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ العالی وغیرہ کے اقوال وملفوظات اور ذکر خیر سے آپ کا سبق کبھی خالی نہ رہا۔

یکم ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ مطابق ۸؍دسمبر ۱۹۵۳ء کو موضع تھے پور ضلع بجنور میں پیدا ہوئے ۔ والد کا نام الحاج جمیل الدینؒ تھا۔

ابتدائی دینی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی اور ۱۷؍سال کی عمر میں ۱۴؍شوال المکرّم ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۴؍دسمبر ۱۹۷۰ء کو مظاہر علوم میں پہنچ کر حضرت مولانا محمد اللہ مرحوم کو بحث فعل، قدوری، شرح تہذیب اور اصول الشاشی کا امتحان دیکر کامیاب ہوئے، مظاہر علوم میں پہلے سال بحث اسم، قطبی تصدیقات، کنز الدقائق، نورالانوار، ترجمہ قرآن کریم، تعلیم المتعلم وغیرہ سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور درجہ بہ درجہ تعلیم پا کر ۱۳۹۳ھ میں مشکوۃ، جلالین، ہدایہ وغیرہ پڑھ کر ۱۳۹۴ھ میں دورۂ حدیث شریف پڑھا اور امتحان سالانہ میں کامیابی پر دُررفرائد، تقریر بخاری، تاریخ مظاہر جلد دوم اور دعوت اسلام نامی کتب بطور انعام حاصل کیں۔

آپ بچپن ہی سے نیک وصالح تھے، چنانچہ صرف ۲۵؍سال کی عمر میں مناظر اسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہؒ نے آپ کو خلعت خلافت واجازت سے نواز کر آپ کی سعادت مندی اور نیک بختی پر مہر لگادی تھی۔

بزرگوں کی نظر اور خدمت سے ہی علم کا حصول ہوتا ہے، اُن ہی کی جوتیوں کو سیدھا کرنے سے مراتب بلند ہوتے ہیں، حضرت مولانا رئیس الدین مظاہری اس قول کا صحیح مصداق تھے، آپ نے

مناظر اسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہؒ کی خوب خدمت کی اور دعائیں لیتے رہے، ان ہی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ آپ ۱۴۰۴ھ سے ۱۴۳۲ھ تک مسلسل حدیث شریف کی تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔ چنانچہ آپ کی خدمت حدیث کا دائرہ دو دہائیوں سے بھی متجاوز ہے، اس عرصہ میں علماء وفضلاء کی بڑی تعداد نے آپ سے اکتساب علم کر کے دینی خدمات میں مصروف ہیں۔

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ سے خصوصی تعلق زمانۂ طالب علمی ہی سے تھا اور حضرت مفتی صاحبؒ مولانا موصوف کی علمیت ولیاقت سے بخوبی واقف تھے اسی لئے ۱۴۱۱ھ میں مظاہر علوم میں استاذ حدیث کے عہدۂ جلیلہ پر آپ کا تقرر ہوگیا۔ اور ترمذی شریف جلد ثانی، ابوداؤد شریف وغیرہ کے اسباق آپ سے متعلق ہوئے۔

آپ نے مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ میں تقریباً سات سال تک ترمذی شریف کا درس دیا تھا اور مظاہر علوم میں بھی ترمذی شریف جلد ثانی کی تدریس آپ سے متعلق ہوئی (پہلی جلد حضرت فقیہ الاسلامؒ خود پڑھاتے تھے) لیکن ۱۴۱۵ھ میں حضرت فقیہ الاسلامؒ موضع نردھنہ ضلع مظفر نگر میں تہجد کی نماز کیلئے وضو بنا کر جیسے ہی اٹھے تو چکرا آ گیا اور زینوں پر گر پڑے، سر میں شدید چوٹیں آئیں، آپریشن وغیرہ کے مرحلہ سے گزرنا پڑا (اس علاج ومعالجہ کے درمیانی عرصہ میں آپ نے ترمذی جلد اول کا درس بھی دیا) اور کچھ عرصہ کے بعد دونوں جلدیں آپ یہاں زیر درس رہیں۔ کئی سال تک بخاری شریف جلد ثانی، اور ترمذی شریف جلد اول آپ کے زیر درس رہیں اور ارباب مدرسہ کی جانب سے نیابت شیخ الحدیث کا عہدہ پیش کئے جانے کے باوجود آپ نے یہ عہدہ قبول نہیں کیا۔

آپ کو فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ سے خصوصی تعلق تھا، استاذ اور شاگرد کے بابرکت رشتہ کی عظمت کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے مولانا موصوف مادر علمی کے سلسلہ میں اپنی مثبت رائے دینے میں کوئی ہچکچاہٹ یا مصلحت کا شکار نہیں ہوتے تھے، حضرت فقیہ الاسلامؒ بھی آپ کے مشوروں کو نہ صرف بطور خاص سماعت فرماتے تھے بلکہ اعتماد بھی فرماتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت فقیہ الاسلامؒ نے برما تشریف لیجاتے وقت مولانا موصوف سے فرمایا کہ ’’مدرسہ کا خیال رکھنا‘‘۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا علامہ محمد عثمان غنیؒ کی رحلت کے بعد ناظم مدرسہ حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ نے بخاری شریف جلد اول کا سبق آپ سے متعلق کیا۔

آپ نے ایک سے زائد بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور ایک سفر میں آپ کے

والد ماجدؒ بھی ساتھ تھے، مولانا کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ الحمدللہ حج کے دوران والد ماجد کی خدمت کی خوب توفیق ملی۔

بہرحال حدیث شریف سے خصوصی مناسبت اور قلبی لگاؤ کے باعث طلبہ میں آپ کا درس خاصا مقبول ہے چنانچہ آپ کی درسی تقریر کے مجموعہ کی دوجلدیں ''انتہاب المنن'' کے نام سے شائع ہوچکی ہیں۔اسی طرح کئی چھوٹے چھوٹے کتابچے ''اسلامی تاریخ''، ''نکات وجواہر'' وغیرہ شائع ہوکر قبول ہوچکے ہیں۔آپ نے تعلیم کی تکمیل مظاہر علوم (وقف) سہارنپور میں فرمائی اور ۱۳۹۴ھ میں فارغ ہوئے تھے۔

دورۂ حدیث شریف کے خصوصی رفقاء میں مولانا عبد الرزاق آسامی، مولانا احمد مرتضٰی استاذ مظاہر علوم دار جدید، حضرت مولانا سید نجم الحسن تھانوی مہتمم مدرسہ امدادالعلوم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون، حضرت مولانا محمد انور گنگوہی خلیفہ حضرت مفتی مظفر حسینؒ و مہتمم جامعہ دارالعلوم رشیدیہ گنگوہ، مولانا محمد یونس (صاحبزادہ مولانا محمد عمر پالن پوری)، حضرت مولانا محمد قاسم مظاہری سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا عبدالودود حیدرآبادی استاذ حدیث سبیل السلام حیدرآباد خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

مؤخرالذکر حضرت مولانا عبدالودود حیدرآبادی مدظلہ سے مولانا کو طالب علمی کے زمانے سے ہی خصوصی تعلق تھا اسی دور طالب علمی کے تعلق کا نتیجہ تھا کہ مولانا اخیر تک گاہے گاہے ان کا ذکر وتذکرہ اپنی مجلس و محفل میں کیا کرتے تھے۔

مولانا کی مجلس خاص اور نری مجلس نہ ہوتی تھی اس میں علوم ومعارف بھی ہوتے، درسی باتیں بھی، فنی نکات بھی ہوتے، تاریخی باتیں بھی، قدیم رجال حدیث بھی موضوع سخن بنتے تو اکابر علماء دیوبند بھی نوک زبان پر آجاتے، کبھی بذلہ سنجی سے محفل قہقہہ زار ہوجاتی تو کبھی یاد الٰہی اور خوف خداوندی میں حاضرین کی آنکھیں اشک بار ہوجاتیں، کبھی لطافت کی نزہت ہوتی تو کبھی خطابت کا بانکپن جھلکتا، کبھی آہ ہوتی تو کبھی واہ کا ماحول ہوتا، کبھی مثل شبنم نرم ونازک ہوتے تو کبھی مثل شعلہ، کبھی ہاتھوں میں کتاب ہوتی تو کبھی قلم، کتابوں سے انھیں پیار، ترمذی سے انھیں عشق، حدیث سے انھیں مناسبت، رجال حدیث سے انھیں نسبت اور اسلاف واکابر سے انھیں محبت تھی۔

ان کی گفتگو میں معلومات کا خزینہ، احادیث کا دفینہ، قرآن کا نگینہ، فقہ حنفی کا گنجینہ ہوتا تھا، وہ نہ تو خواہ مخواہ کی باتیں کرتے تھے نہ ہی باتوں کو طویل کرتے تھے، مختصر اہم اور پرتاثیر گفتگو ان کا مزاج اور ان کا خاصہ تھا، بات سے بات نکالنے میں مہارت تامہ حاصل تھی، ان کا مذاق بھی حدود میں ہوتا تھا اور ان

کا غصہ بھی حدود میں رہتا تھاوہ ایک ایسے ذکی وفہیم شخص تھے کہ انھیں جوش میں خوف خدا بھی یادرہتا تھااور عیش میں یادخدا پیش نظر ہوتی تھی۔
وہ شکوہ وشکایت سے زیادہ مسائل کے حل اور سلجھانے پر یقین رکھتے تھے،اس کے لئے انھیں بار بار دفتر میں حضرت فقیہ الاسلام مفتی مظفرحسینؒ سے رجوع،کبھی امام النحو حضرت مولانا علامہ محمد یامینؒ سے گفتگو،کبھی امام الفرائض حضرت مولانا سیدوقارعلی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری ،دراصل مولانا کا اسوہ اور وطیرہ ''خیر الناس انفعہم الناس'' تھااور اسی کوشش اور تگ ودو میں لگے رہتے تھے۔
دوران درس بھی مولانا کی بسا اوقات بذلہ سنجیاں اور علمی موشگافیاں طلبہ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی تھیں،وہ ٹھہر ٹھہر کر کچھ اس انداز میں پڑھاتے تھے کہ بہت سے طلبہ مولانا کی درسی تقاریر حرف حرف نوٹ بک میں لکھ لیا کرتے تھے۔نہ تو لفاظی ہوتی تھی نہ ہی عجیب وغریب تعبیرات کا استعمال،عموماً موضوع پر ہی طویل گفتگو کرتے تھے،صرف عبارت خوانی ان کا مسلک اور شیوہ کبھی نہیں رہا۔جس روایت پر کلام ہو چکا ہے اس پر گفتگو نہ کر کے صرف حوالہ دینے پر اکتفا کرتے تھے لیکن جس حدیث پر کلام کی ضرورت ہے اور ابھی گزری بھی نہیں ہے تو اس پر خوب خوب کلام کرتے تھے۔
آپؒ خوش پوش،خوش وضع،خوش خوراک،خوش گفتار،خوش خو،خوش فکر،خوش آواز،خوش نما،خوش بو،خوش لباس اور خوش شکل تھے،سادگی بھی تھی، بے باکی بھی، بارعب بھی تھے، باکردار بھی، بلند طبیعت کے حامل بھی تھے،اعلیٰ ظرف بھی،شریف الطبع بھی تھے،نیک طینت بھی، پابند عہد ومعہود بھی تھے،اسیر غم ملت بھی۔دنیا میں نیکی اور شرافت کا غلبہ ہوجائے یہ ان کا فکر تھا،دنیا سے جہالت اور شیطنت کا خاتمہ ہوجائے یہ انکا نصب العین تھا،ہر طالب علم اپنے فن میں ماہر ویکتا ہوجائے یہ ان کی دُھن تھی،طلبہ کی ہر جماعت کامیاب وبامراد ہوجائے یہی ان کی دعا تھی، یہاں کا ہر فاضل عوام الناس کا بے لوث خدمت گار بنے اور جہاں کہیں رہے دین کی سر بلندی اور اسلام کے احیاء کے لئے فکر مند رہے یہی ان کی آہ سحر گاہی تھی،آنے والے ہر وارد وصادر سے تپاک سے ملنا اور چند منٹوں میں اس کو خوش کر دینا ہی ان کا مشن اور تحریک تھا وہ اخلاق بانٹتے بانٹتے اتنی دور نکل گئے تھے کہ دوسروں کے لئے قابل رشک بن گئے۔اپنے اخلاق کریمہ سے طلبہ پر بھی حکومت کی،مریدین کے دلوں کو بھی مسخر کیا، ہمدردوں کی ہمدردیاں حاصل کیں،سہارنپور کی عوام کا رجوع اس معنی کر نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے کیونکہ یہاں کی عوام اپنی پیدائش سے ہی اکابر واسلاف اور علماء دین کے درمیان رہتی ہے ان کی صحبتوں سے فیض اٹھاتی

ہے،ان کی نصیحتوں سے اپنے راستوں کے خاروخس کو دور کرتی ہے،ان کی ہدایات سے اپنے ایمان کوجلاء اور تقویت پہنچاتی ہے اور پھر اس مریض کی طرح جو لمبے عرصے تک زیر علاج رہا ہوا سے دواؤں سے کافی حدتک شدبد ہوجاتی ہے اسی طرح یہاں کی عوام بھی مسئلے مسائل سے، بزرگوں کے واقعات وحکایات سے،ان کے مسلک ومشرب سے،ان کی فیض رساں صحبتوں سے وہ دولت حاصل کرلیتی ہے جس کے حصول کے لئے مریدین ومسترشدین ایک لمبے عرصے تک بزرگوں سے حاصل کرپاتے ہیں۔ یہاں گھر بیٹھے وہ دولت بے بہا حاصل ہوجاتی ہے۔

دوران درس قیمتی اورنادر باتیں بھی بتاتے تھے جن کوآنے والی زندگی میں اختیار کرنے پراز دواجی زندگی خوش گوار گزر سکے، چنانچہ کبھی کبھی مزاح میں فرمایا کرتے تھے کہ بیوی کو اپنی آمدنی کبھی مت بتانا ورنہ اس کے ذاتی مصارف کی چادر اسی تنخواہ کے تناسب سے دراز ہوجائے گی۔

ایسے ہی بار ہا آپ نے فرمایا کہ بیوی کی حیثیت سائیکل کے پہیئے کی طرح ہوتی ہے اگر ایک پہیہ نہیں ہوگا تو سائیکل نہیں چلے گی،اسی طرح انسانی زندگی میں اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک نہ رہے تو گویا زندگی تھم سی جاتی ہے،خوشیاں ہمیشہ کے لئے غائب ہوجاتی ہیں،غم کو بانٹنے والا کوئی نہیں رہتا،انسان قبل از وقت بوڑھا ہوجاتا ہے،اسی لئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے لئے بیوی کو سب سے بہترین متاع قرار دیا ہے۔

گزشتہ سطور میں میں لکھ چکا ہوں کہ طلبہ کے لئے مولانا بڑے خلیق وشفیق اور کریم ومہربان تھے ،آپ مدرسہ میں میرے طالب علمی کے دور میں پہلے فرد تھے جنہوں نے طلبہ سے بارہا فرمایا کہ مدرسہ کے نان میں خمیر ہوتا ہے،سوڈے وغیرہ سے روٹیاں تیار ہوتی ہیں جو پیٹ کے مریض کے لئے نقصان کا باعث ہوتی ہیں اور دوران مرض اطباء ان روٹیوں کے کھانے سے منع کرتے ہیں،اگر ایسی کیفیت تم میں سے کسی کو بھی پیش آئے تو میرے گھر جاکر اپنی روٹیاں دیکر چپاتیاں لے لیا کرو، یہ بڑی شفقت کی بات تھی اور طلبہ ایسا کرتے بھی تھے اور مولانا اس سے خوش ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ مدرسہ میں طلبہ کے والدین تو ہوتے نہیں ہیں اس لئے اگر ہم لوگ ان سے شفقت نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔

اپنی جیب خاص سے بھی ضرورت مند غریب اور نادار طلبہ کو کچھ نہ کچھ پیسے عنایت فرمادیا کرتے تھے،آپ امین بھی تھے اور بہت سے طلبہ اپنی امانتیں آپ کے پاس جمع کیا کرتے تھے۔

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ نے جب آپ کو گنگوہ سے مظاہر علوم بلالیا تو آپ

کو مسجد کلثومیہ سے ملحق مکان مثلث رہنے کے لئے دے دیا اور مولانا مظاہر علوم وقف کے تدریسی زندگی کا بیشتر حصہ اسی چھوٹے سے تنگ مکان میں باوجود بال بچوں کی زیادتی کے رہتے رہے پھر انتقال سے چند سال قبل اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے فتوحات کے دروازے کھول دئے اور محلّہ اسلام آباد میں مدرسہ سے ذرا فاصلے پر ایک وسیع مکان حاصل ہوگیا تو مولانا کی خوشی دیدنی تھی، مجھے بھی بار بار اس مکان پر لے گئے، مکان کی وسعت اور خوبصورتی بھی الحمدللہ شایان شان تھی میں نے عرض کیا کہ حضرت کسی ادارے کے محدث کے لئے ایسا ہی مکان موزوں ہے اور پھر عرض کیا کہ حضرت جنید بغدادیؒ کا مکان بھی بڑا وسیع تھا۔تو فرمایا کہ اور اوپر بڑھو اور دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے لئے الگ الگ رہائش نظم فرمایا تھا اس لئے اگر دو بیویاں ہوں تو انسان کو دو مکانوں کا نظم کرنا بھی سنت ہے۔
پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

اربع من السعادة المرأة الصالحة والمسكن الواسع،والجار الصالح،والمركب الهنئ واربع من الشقئ الجار السوء،والمرأة السوء،والمركب السوء والمسكن السوء (ابن حبان) نیک بختی کی چار علامتیں ہیں (۱) نیک بیوی (۲) کشادہ مکان (۳) نیک پڑوسی (۴) اچھی اور فرماں بردار سواری جو اپنے سوار کو تکلیف نہ پہنچائے۔اور چار ہی چیزیں شقاوت اور بدبختی کی علامت ہیں (۱) برا پڑوسی (۲) بری بیوی (۳) بری سواری (۴) برا مکان۔

یہ روایت بتانے کے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ الحمدللہ مجھے نیک وصالح بیوی ملی ہے، کشادہ مکان حاصل ہے، پڑوسیوں سے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے، اور اچھی سواری کی دعا کرو۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو دو ہی چیزیں حاصل ہیں نیک بیوی، کشادہ مکان، اس کے علاوہ میرے پڑوسی میرے گھرانے کے ازلی دشمن ہیں، منافقت ان کے دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، حسد کی آگ میں ہر وقت جلتے تپتے اور ماہی بے آب کی مانند تڑپتے اور مرغ بسمل کی طرح ہاتھ پیر مارتے رہتے ہیں، تکلیف دینے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، جب موقع ملتا ہے زہریلے سانپ کی طرح ڈس لیتے ہیں؟ جھوٹ بولنا ان کی عادت، جھوٹی گواہی دینا ان کی طبیعت، جھوٹے مقدمات کرنا ان کی فطرت اور دنیا ان کی منزل ہے، پوچھا کہ تم لوگوں کا کیا ردعمل ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ والد صاحب صرف صبر کی گردان رٹاتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صبر کرو کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے

،فرمایا کہ تجربہ کار بھی ہیں اور دیندار بھی اس لئے صبر ہی بہتر ہے اور دعا بھی کرتے رہو۔

میں نے کہا کہ حضرت حدیث میں ہے کہ جب گوشت پکاؤ تو شوربہ زیادہ کرلیا کروتا کہ پڑوسی کو بھی پہنچ سکے لیکن میرے پڑوسی اتنے برے ہیں کہ کبھی کبھی قربانی کا گوشت بھی واپس کردیا اور شادی بیاہ میں تو شریک نہ ہونا ان کی پشتینی عادت ہے۔فرمایا کہ ایمان کمزور ہونے کی علامت ہے کیونکہ قربانی کا گوشت تو صاحب ایمان ہی کے لئے ہوتا ہے اور وہ لوگ جب قربانی کا گوشت واپس کردیتے ہیں تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ہے کہ وہ اس پاک گوشت کو کھائیں، کیا تم نے پڑھا نہیں کہ حرمین شریفین کے قرب وجوار کا بہت بڑا حصہ ہے جہاں کافر کا داخلہ بھی نہیں ہوسکتا۔

پھر فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے کسی نے عرض کیا کہ مسجد سے چپل جوتے چوری ہوجاتے ہیں کیا کروں؟ فرمایا کہ نیت کرلیا کرو کہ چپل چور کے لئے چپل ہدیہ ہیں پھر وہ چپل چوری نہیں ہوسکتے کیونکہ چور کی قسمت میں مال حرام لکھا ہوا ہے اور ہدیہ مال حلال ہے جو اس کی قسمت میں نہیں ہے۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت بات اگر جاہلوں کی ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی لیکن میرے پڑوسیوں کے پڑھے لکھے مولوی بھی ایسی ایسی تکلیف دہ باتیں اور ناجائز امور کے مرتکب ہوتے ہیں کہ اس سے پورا طبقۂ مولویت بدنام ہوتا ہے، یہی نہیں وہ نام نہاد مولوی اپنے ساتھ دوسرے بہت سے لوگوں کو ہمنوا بنا کر انھیں بھی گنہگار کرتا ہے ،فرمایا کہ تو پھر ایسے لوگ مولوی نہیں ہوسکتے ،مولویت کا لباس پہن لیا اور کسی مدرسہ میں وقت ضائع کرکے سند حاصل کرلی ،کسی بزرگ سے کوئی تعلق نہیں رکھا ہوگا ،حرام اور مشکوک مال سے تعلیم حاصل کی ہوگی ، پڑھنے کی نیت میں بھی فتور ہوگا ،نیت میں صلاح اور اصلاح نہیں ہوگی ، جب ایسی نیتیں ہوں گی تو برکتیں بھی اسی جیسی ہوں گی ۔مولوی صاحب مولوی جب دنیا میں گمراہ ہوتا ہے تو بہت سوں کو گمراہ کردیتا ہے ،اس لئے گمراہ مولوی اپنے ساتھ بہت سے لوگوں کو نعوذ باللہ جہنم لے جائے گا۔جنہوں نے اس کی غلط معاملہ میں تقلید کی ہوگی۔

پھر فرمایا کہ پڑوسی کی ایذاء اور تکلیف پر صبر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنا دوست رکھتا ہے، فکر نہ کرو ہر موقع پر تکلیف دینے والے پڑوسی انشاء اللہ خسارے اور گھاٹے میں رہیں گے، سرخروئی حاصل نہیں ہوگی، پریشانیاں ان کا مقدر بنی رہیں گی، حیرانیاں ان کے گھروں میں اپنا ڈیرہ ڈال لیں گی، مصیبتیں مختلف رنگوں میں ان کے سامنے آئیں گی۔

پھر شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا ایک ملفوظ سنایا کہ تم اپنے سے کمتر لوگوں کو تکلیف نہ پہنچایا کرو ورنہ

اپنے سے بڑے ظالم کے ظلم کا شکار ہو جاؤ گے۔ مولوی صاحب! وقت کا انتظار کرو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے ان کے ظلم کا بدلہ کس طرح لیتا ہے۔

ایک بار میں اپنے وطن سے واپس مدرسہ میں آیا، صدر دروازے سے داخل ہوتے ہی دائیں جانب حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ والا جو حجرہ ہے وہی حجرہ حضرت مولانا رئیس الدینؒ کی قیام گاہ تھا، مجھے دیکھ لیا تو بلایا علیک سلیک کے بعد فرمایا کہ کھانا کھانے جارہا ہوں تم پر نظر پڑ گئی تو سوچا کہ سفر سے آرہے ہو بھوک لگی ہوگی اس لئے سامان رکھ دو، ہاتھ دھولو اور کھانے میں شریک ہو جاؤ! میں نے تعمیل حکم کی، دوران طعام پوچھا کہ سالن کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت پائے کا سالن ہے اور بہت لذیذ ہے فرمایا کہ خوب کھاؤ پھر ایک طالب علم کو حکم دیا کہ گھر سے مزید سالن لے آؤ، اس وقت تک حضرت کی رہائش مسجد کلثومیہ والے مکان میں تھی۔

جب کبھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا بغیر چائے کے واپس نہ آنے دیا اور کبھی انکار کیا تو مسکرا کر فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفه** (جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کی ضیافت اور اکرام کرے) کھانے کے دوران باتیں کرنے کا بھی معمول تھا اور

ایک بار دوران طعام ہاتھ روک لئے تو فرمایا کہ اور کھاؤ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ کہیں تشریف لے گئے میزبان نے پلیٹ میں کھانا ضرورت سے زیادہ اتار دیا، حضرت نے بچا دیا تو میزبان نے کہا کہ حضرت! پلیٹ صاف کرنا سنت ہے تو حضرت نے فوراً فرمایا کہ جی ہاں لیکن جان بچانا فرض ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت کو ہنسی آگئی۔

ایک دفعہ اچانک بیمار ہو گئے، سہارنپور کے ضلع اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں داخل کئے گئے، معلوم ہوا کہ اٹیک ہوا ہے، اٹیک کا حملہ اتنا زبردست تھا کہ متعلقین گومگو کی کیفیت میں تھے، آس اور یاس کے درمیان ہر شخص مصروف دعا تھا، اطباء اپنی سی کوششیں کر رہے تھے، حضرت مولانا بے ہوشی اور نیم بے ہوشی کی ملی جلی کیفیت میں مبتلا تھے، آپ کی زبان سے عجیب وغریب الفاظ ادا ہو رہے تھے، بہر حال کچھ دیر کے بعد طبیعت میں سدھار آنے لگا اور پھر مولانا پہلے کی طرح چست وتندرست ہو گئے، اس سے پہلے بھی ایسا ہی اٹیک ہوا تھا اور دہلی میں علاج ہوا تھا، دوسرے حملہ کے بعد مولانا نے آہستہ بولنا اور کم بولنا شروع کر دیا تھا، لیکن جب کوئی بے تکلف یار غار اور رفیق درس مل جاتا تو مولانا کی کیفیت ہی الگ ہوتی، خوشی

ان کے چہرے بشرے سے ہویدا ہوتی، مہمان نوازی اور ضیافت میں کوئی کسر نہ اٹھار کھتے، اپنے مہمانوں کو اپنے پاس سے کھلاتے کبھی مدرسہ کو زیر بار نہ کرتے، یہی حال آپ کے استاذ فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ کا بھی تھا، مفتی صاحب عموماً اپنی جیب خاص سے مہمانوں کی مہمان نوازی اور ضیافت کرتے تھے، حالانکہ مفتی صاحب سے ملنے کے لئے جو بھی آتا تھا وہ مدرسہ کے تعلق ہی سے آتا تھا لیکن مفتی صاحب کی متقیانہ زندگی کچھ ایسی تھی کہ وہ حزم واحتیاط کے دامن کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔ مولانا رئیس الدینؒ بھی متقیانہ زندگی گزرتے تھے، مشکوک ومشتبہ مال سے پرہیز کرتے تھے، مدرسہ سے انھیں جو تنخواہ ملتی تھی اس میں بھی وہ ہر ماہ ''کوتاہی ملازمت'' کے نام سے ایک رقم مدرسہ کے خزانہ میں جمع کردیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے اکابر کا یہی دستور رہا ہے۔

حضرت مولانا علامہ محمد یامینؒ، فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اطہر حسینؒ اور حضرت مولانا رئیس الدین بجنوریؒ کم از کم ان چار حضرات کا یہ عمل میں نے الحمدللہ خود دیکھا ہے۔

مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اخیر عمر میں جب فتوحات کے دروازے کھلے تو مولانا نے گیرندہ مشاہرہ کا حساب لگایا اور کل تنخواہ قسط وار واپس مدرسہ میں جمع فرمادی۔ جیسے محدث کبیر حضرت مولانا شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ نے بھی اپنی تنخواہ کا حساب لگا کر تمام تنخواہ واپس فرمادی تھی۔

حضرتؒ مولانا رئیس الدینؒ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ جنت میں مجھ سے میری خواہش پوچھیں گے تو میں عرض کروں گا کہ یااللہ! میں ترمذی شریف کا درس دینا چاہتا ہوں۔

ترمذی شریف حدیث کی اہم کتاب ہے، اس کی ترتیب فقہ پر ہے، اس کی بہت سی خصوصیات ہیں جن کا یہاں پر شمار کرانا مقصود نہیں البتہ یہ بتانا ضروری ہے کہ اپنی ترتیب کے لحاظ سے ترمذی شریف صحاح ستہ میں بالکل منفرد مقام کی حامل ہے۔ فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ نے تقریباً چالیس سال، ان کے والد حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ نے تقریباً دس سال اور مولانا رئیس الدینؒ نے بھی بیس سے زائد مرتبہ ترمذی شریف کا درس دیا ہے۔

ویسے تو حضرت مولانا ابوداؤد شریف بھی پڑھاتے تھے لیکن آپ کو جو بصیرت، علمی گہرائی، مآخذ ومظان پر نظر، رجال حدیث پر پختگی اور مہارت ترمذی شریف میں حاصل تھی وہ ابوداؤد شریف سے کہیں زیادہ تھی۔

کیا بتاؤں اور کیسے بتاؤں حقیقت یہ ہے کہ اب حضرت مولانا کے جوہر کھلنے شروع ہوئے تھے، ان کی زندگی کا باغ اب صحیح معنوں میں جوان ہوا تھا، ان کے شجر علم نے اب بال وپر نکالنے شروع کئے تھے،

علوم نبوت میں جب آپ تمام وکمال کو پہنچے تو ان کی زندگی کا ورق پلٹ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ مولانا اتنی جلد ہمارے درمیان سے رخصت ہوجائیں گے، جسم وجان، روح وریحان ہر طرح سے مولانا خود کوفٹ محسوس کررہے تھے، انتقال کے دن بھی ہشاس بشاش رہے، اپنے رفیق درس اور دوست حضرت مولانا عبدالودود مظاہری (حیدرآباد) جو اس دن یہیں تشریف لائے ہوئے تھے اور مولانا ہی کے گویا آخری مہمان تھے، ضیافت اور گفتگو میں مصروف رہے، طالب علمانہ زندگی کے واقعات دہراتے رہے اور ایک دوسرے کو مزے لے لے کر سناتے رہے، ان کے بے تکلفانہ انداز کو دیکھ کر طلبہ کو بھی خوشی محسوس ہورہی تھی، انتقال والے دن دفتر بھی تشریف لائے، محلّہ میں اپنے بے تکلف دوست حاجی محمد احمد فدا اور کتب خانہ اختری کے مالک حافظ سعید احمد صاحب سے بھی ملاقات کی، کچھ دیر تک کتب خانے میں تشریف رکھنے کے بعد دارالطلبہ قدیم تشریف لے گئے اور شام کو اپنے دولت کدہ تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر کچھ پریشانی محسوس ہوئی تو لیٹ گئے اور وقت موعود یہ کہتے ہوئے آن پہنچا **یا ایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔**

۴؍مارچ ۲۰۱۱ء مطابق ۲۸؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ کی رات تقریباً سوا آٹھ بجے جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

میں ان دنوں اپنے وطن مرزاپور ضلع لکھیم پورکھیری میں تھا، میرے عزیز از جان دوست جناب مولانا احمد یوشع سعیدی مظاہری (ناظم جامعہ سعیدیہ سہارنپور) نے مجھے فون پر بتایا کہ ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ حضرت مولانا رئیس الدین صاحب کا اچانک انتقال ہوگیا۔

اس اچانک خبر کو سن کر یقین نہیں آرہا تھا، میں نے پھر مولانا کو فون کیا اور پوچھا کہ خبر کی تصدیق کی ہے یا نہیں؟ کہنے لگے طلبہ کی بھیڑ مولانا کے گھر کی طرف جارہی ہے، بعد میں فون کروں گا۔

کاش کہ مولانا احمد یوشع سعیدی کی دی ہوئی خبر افواہ ہوتی، جھوٹ ہوتی، لیکن آہ کہ خبر بالکل صحیح اور سچ تھی، سچائی کے قرطاس پر صدق کی ایک اور مہر لگ چکی تھی، یعنی دنیا میں بڑھتے ہوئے اندھیرے میں اور اضافہ ہوگیا، علم نبوت کا ایک ماہر ومشاق عالم دین قیامت تک کے لئے زیرزمین محوخواب ہوگیا۔

نماز جنازہ احاطہ دارالطلبہ قدیم میں ہوئی جہاں کبھی آپ نے ہزاروں نماز جنازہ پڑھائی تھیں، اور تدفین وہاں ہوئی جہاں مظاہر علوم کے تقریباً تمام اکابر امت اور اساطین ملت آسودۂ خواب ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم مظاہریؒ

مفتی ناصرالدین مظاہری

ہندوستان جنت نشان کا ایک لعل بدخشاں،علم وروحانیت اور سلوک ومعرفت کا کوہ ہمالہ، تفسیر وحدیث اوراحسان وعزیمت کا حسین وجمیل سنگم،اپنی زرخیزی وشادابی،اپنی رعنائی وزیبائی،اپنی دلفریبی وجاذبیت میں ممتاز مقام کا حامل تعلیمی وتربیتی ادارہ مظاہرعلوم سہارنپور نے نہ جانے کتنے لعل وگہر پیدا کئے، کتنے ہی اکابراہل اللہ دئے، کتنے ہی مفسرین قرآن اور محدثین عظام پیدا کئے،رجال سازی اور مردان کار کی اس فیکٹری نے دنیا کو وہ سب کچھ دیا جس کی اس نے توقع اور امید باندھی، واعظین ومناظرین،محدثین ومفسرین،مقررین ومصنفین،مدرسین ومبلغین ہرفن اور ہر میدان کے ماہرین سے امت کو مالا مال کیا۔

رجال سازی کی اس فیکٹری سے کبھی بھی خراب اور خام مال پیدانہیں کیا، دنیا کو جب کسی متخصص کی ضرورت پڑی اس نے اپنے فرزند حاضر کردئے، جب کبھی کوئی نیا فتنہ پیدا ہوااس کے فضلاء اور فارغین نے اس کا فوراً تعاقب کیا،اسلام دشمن تحریکات اٹھیں تو علماء مظاہرعلوم کو اپنے مقابلہ کے لئے پہلے سے تیار پایا،کبھی کسی دشمن اسلام نے اپنی ناپاک زبان سے اسلام اور شارع اسلام کو غلط طریقہ سے یاد کیا تو اس آسمان علم وفضل کے بادل پوری قوت وطاقت سے اس پر برسے چنانچہ آج برصغیر ہندوپاک میں اسلام کی جو شبیہ محفوظ ہے اور مسلمانوں کو جو امتیاز وتشخص حاصل ہے بلا شبہ اس میں اس ادارہ کا بڑا اہم رول اور نمایاں کردار ہے۔

اس ادارہ کا یہ ایک وطیرہ اور امتیاز رہا ہے کہ یہاں سے اپنی خدمات کی پبلسٹی اوراس کا تعارف بہت کم کرایا گیا ہے اور تعارف ان کے پیش نظر رہا بھی نہیں، سادگی اور خلوص کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہنا اور کام کو مکمل کرنا ہی ان کی دھن اوران کا مرکز ومحور رہا ہے،انہوں سے گرجنے سے زیادہ برسنے پر اپنی توجہات مرکوز کیں اور عنداللہ یہی چیز مطلوب بھی ہے۔

مظاہرعلوم سہاررنپور کے اساتذہ ومحرکین اوراس کی جڑوں کو اپنے خون اورفکر سے پروان چڑھانے

والوں میں ایک بڑی تعداد ہے جن کو دنیا جانتی تک نہیں کہ یہ کون تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہی حضرات اس ادارہ کے عروج واستحکام میں ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوئے ،انھیں کے اخلاص کی برکت سے آج یہ ادارہ پوری شان اور مکمل آن بان سے قائم ہے،ایسے لوگوں کی طویل فہرست ہے جن میں خود بانی مظاہرعلوم حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوریؒ،اولین استاذ حضرت مولانا سخاوت علی انبھٹویؒ، اولین طالب علم حضرت مولانا حافظ قمرالدین اور حضرت مولانا عنایت الٰہی سہارنپوریؒ،روحانی بزرگ حضرت مولانا امیر باز خان سہارنپوریؒ،حضرت قاضی فضل الرحمٰن سہارنپوریؒ حضرت حافظ فضل حق سہارنپوریؒ،حضرت مولانا جمیعت علی پورقاضویؒ،ماضی قریب میں حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ،حضرت مولانا سیدصدیق احمد کشمیریؒ،حضرت مولانا قاری محمد سلیمان دیوبندیؒ،حضرت مولانا سیدظریف احمد پورقاضویؒ،حضرت مولانا سیدظہورالحق دیوبندیؒ حضرت مولانا منظوراحمد خان سہارنپوریؒ،حضرت مولانا سیدظہورالحسن کسولویؒ، حضرت مولانا مفتی سعیداحمد اجراڑویؒ، حضرت مولانا علامہ محمد یامین سہارنپوریؒ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے وجود باجوداوران کے فکروعمل کی خوشبو سے آج اس ادارہ کو چاردانگ عالم میں قبولیت وشہرت حاصل ہوئی ہے لیکن ان حضرات کی نہ تو سوانح حیات لکھی گئیں نہ ان کے علمی وعملی کارناموں کو قلمبند کیا گیا،نہ ان ستودہ شخصیات پرخصوصی کانفرنسیں منعقد کی گئیں اور نہ ہی ان حضرات نے کبھی اس سلسلہ میں توجہ کی،یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات آج عظیم الشان علمی جلالتوں اورروحانی بلندیوں کے باوجودگمنامی میں چلے گئے۔

یہ دنیابڑی بے رحم ہے یہاں دوام اوراستمرارتو خیرکسی کوحاصل نہیں ہوسکتا،موت اورفنائیت توسبھی پر طاری ہوتی ہے لیکن بعض اموات دل ودماغ پر اپنے گہرے اثرات اورنقوش چھوڑ جاتی ہیں،زمانہ اتنی سرعت اور برق رفتاری سے رواں دواں ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کب سال گیا،ب مہینہ گزرا،کب ہفتہ آیا اور کب دن ڈوبا؟ وقت کی اسی بے برکتی اور تیزی کے بارے میں شایدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمانے آپس میں قریب نہ ہوجائیں۔پس سال مہینہ کے برابر ہوجائے گا،اور مہینہ جمعہ (یعنی ہفتہ) کے برابراور ہفتہ ایک دن کے برابراور دن اس وقت ایک گھنٹہ کے برابر ہوگا۔اور گھنٹہ شعلہ اٹھنے کے برابر (یعنی آگ کی چمک جوفوراً بجھ جائے)۔(مشکوٰۃ)

لگتا ہے ابھی کل کی بات ہے راقم الحروف مظاہر علوم میں زیر تعلیم ہے، اکابر اہل اللہ کا ایک کارواں موجود ہے، چاروں طرف روح اور روحانیت کا بول بالا ہے، حضرت مولانا علامہ رفیق احمد بھینسانویؒ کے علوم ومعارف، ان کی تقریر وصلاحیت اور ان کے کردار وگفتار کے چرچے زبان زد ہیں، حضرت مولانا علامہ عشیق احمدؒ اپنی عربی دانی، عربی تحریر کی عمدگی، منطق وفلسفہ، بلاغت وبدیع، ہیئت واقلیدس اور تفسیر وحدیث جیسے خشک موضوعات پر مکمل درک اور بصیرت کے ساتھ مسند حدیث پر جلوہ افروز ہیں۔

شرح جامی اور سلم العلوم کو اس کے مزاج اور معیار کے مطابق اگر مظاہر علوم میں مقبولیت حاصل ہے، دارالعلوم سے بھی بہت سے طلبہ ان کتابوں میں حاضری اور استفادہ کو اپنی خوش بختی اور سعادت مندی سمجھتے ہیں تو بلا کسی مبالغہ کے یہ حضرت مولانا علامہ محمد یامینؒ کے فکر وسوز اور کتابی لیاقت وصلاحیت پر دال ہے۔

ایک اور شخصیت بھی اپنی طرف متوجہ کررہی ہے انھیں بھی اپنے فن میں ماہر اور یکتا کہا جائے تو بے جانہ ہوگا، تعبیرات کا علم بھی رکھتے ہیں، تاریخی نام نکالنے میں بھی مہارت ہے، نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی، نہ کوئی گھر ہے نہ در، بلکہ سرے سے شادی ہی نہیں کی، کوئی عزیز واقارب بھی نظر نہیں آتا، مدرسہ ہی ان کا گھر ہے اور مدرسہ ہی ان کا دربار، فراغت کے بعد سے اسی چہار دیوار میں پڑھانا شروع کیا اور یہ بابرکت سلسلہ اس وقت تک رہا کہ زندگی ہی سے فارغ ہوگئے، فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ کے رفیق درس بھی ہیں، خاموش اور سادگی پسند بھی، طلبہ کے لئے نہایت نرم اور اصول کے معاملہ میں اچھے خاصے گرم، حضرت مفتی مظفر حسینؒ جیسا علم وفن کا شناور جس کے آگے اچھے اچھوں کی بولتی بند ہوجاتی تھی، جن کے رعب سے مرعوب ہوکر ہم طلبہ اپنی درخواست اور اس کا مفہوم ہی بھول جاتے تھے، جن کے ابر کرم اور نظر گرم کو دیکھنے کی تاب بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے لیکن عجیب بات ہے وہی مفتی صاحبؒ جو کسی کا ہدیہ لینے میں حد درجہ محتاط نظر آتے ہیں، بڑے بڑے لوگ لفافوں اور مٹھائیوں کے ڈبے واپس لے جاتے دیکھے گئے لیکن یہاں تو پانسہ ہی پلٹ چکا تھا مفتی صاحب جب اس ہستی کے حجرے میں تشریف لے جاتے تو خود ہی چائے کی فرمائش کرتے اور زبردستی کی یہ چائے پی کر مفتی صاحب قلبی خوشی محسوس کرتے تھے اس عظیم شخصیت کو حافظ فضل الرحمٰن کہا جاتا ہے جو باقاعدہ عالم وفاضل تھے لیکن ام الکتاب سے غایت تعلق اور تلاوت نے ان کو حافظ کا تمغہ دیدیا تھا۔

بہت سی ہستیاں ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے اور انشاء اللہ ان شخصیتوں کا تفصیلی تذکرہ اپنی

کتاب ''نقش ونقوش''، میں تحریر کرنے کی کوشش کررہاہوں،ان سطور میں اور آج کی اس نشست میں اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا محمد قاسم مظاہری سہارنپوریؒ کا ذکر خیر کرنے کی سعادت حاصل کررہاہوں۔

یہی ہے وقت روش نذر کرمتاع سکوں
خوشا! وہ زلف پریشاں کچھ اور برہم ہے

حضرت الاستاذ مولانا محمد قاسمؒ مظاہری احقر کے استاذ ہیں،۱۹۹۳ء میں راقم الحروف جب مظاہر علوم میں داخل ہوااور مشکوٰۃ شریف میں داخلہ لیاتو ہدایہ جلد ثالث کا سبق حضرت مولانا ہی سے متعلق تھا،مولانا کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی تھی کہ ان کواس فقہی کتاب سے پوری مناسبت تھی،وہ جس طرح بیع وشراء کے ابواب ہمیں پڑھاتے تھے اور مشکل ہونے کے باوجود جس طرح ہم لوگ مولانا کی تقریر کوسمجھ لیتے تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے افہام اور تفہیم کا اچھا ذوق بخشا تھا۔

حضرت مولانا محمد قاسم مظاہری ۷/ربیع الاول ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۸/جولائی ۱۹۶۴ء کو مظاہر علوم کے درجہ ابتدائی فارسی میں داخلہ لے کر مکمل تعلیم اسی چہار دیواری میں حاصل کرکے ۱۳۹۴ھ میں فارغ ہوئے تھے۔

دورۂ حدیث شریف کے خصوصی رفقاء میں مولانا عبدالرزاق آسامی،مولانا احمد مرتضیٰ،مولانا عبد الودود حیدرآبادی،مولانا سید نجم الحسن تھانوی،مولانا محمد انور گنگوہی اور مولانا محمد یونس (صاحبزادہ مولانا محمد عمر پالن پوری) اور حضرت مولانا رئیس الدین بجنوری خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

مولانا کی عادتوں میں سے ایک مستقل عادت سبق میں ذرا تاخیر سے پہنچنے کی تھی اور ہم لوگوں کو مولانا کی یہ تاخیراس لئے بھی گراں نہیں گزرتی تھی کہ ہم لوگ ہی کون سے بہت زیادہ محنتی تھے،سہل پسندی کے اس دور میں اسباق سے طلبہ عموماً جی چراتے ہیں سو ہم بھی یہی چاہتے تھے کہ دیر ہی بھلی ہے،اور شاید یہی وجہ ہے کہ طلبہ آج تک انتظامیہ سے استاذ کی تاخیر کی شکایت نہیں کرتے۔مولانا کی یہ تاخیر ہمیں یوں بھی محسوس اور گرانبار نہیں ہوتی تھی کیونکہ مولانا جس قدر بھی پڑھاتے تھے بہت ہی محنت ،تیقظ ،بیدار مغزی اور مکمل بصیرت مندی کے ساتھ پڑھاتے تھے۔

حضرت مولانا کی زبان بھی حضرت علامہ محمد یامینؒ کی طرح خالص سہارنپوری تھی (سہارنپور والے عموماً الفاظ وحروف کو مشدد استعمال کرتے ہیں) ان کے اس طرز تکلم اور علاقائی تعبیرات سے ہمیں بہت ہی حظ محسوس ہوتا تھا،وہ کتاب اور اس کے جملہ مباحث پر سیر حاصل گفتگو کرتے تھے،تقریر نہایت ہی

سادہ، عام فہم اور مختصر ہوتی تھی، وہ جب سبق ختم کر کے کتاب بند کرتے تو نہایت ہی دلنواز مسکراہٹ ان کے چہرے بشرے سے ہویدا ہوتی تھی۔

درس میں وہ کسی کی غیبت نہیں کرتے تھے،کسی بھی فقیہ اور اصولی شخصیت کی شان میں کوئی نازیبا الفاظ بھی نہیں بولتے تھے، اکابر علماء کا نام ہمیشہ ادب واحترام اور مکمل عظمت کے ساتھ لیتے تھے۔

ایک دن راقم الحروف نے پوچھا کہ حضرت یہ درس نظامی کیا چیز ہے؟ تو فرمایا کہ یہ ملا نظام الدین سہالویؒ نے وضع فرمایا تھا اس لئے ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، میں پوچھا کہ سہالی کہاں ہے؟ فرمایا تو اسی علاقہ کا ہے اور تجھے سہالی کا علم نہیں ہے؟ پھر فرمایا کہ سہالی بارہ بنکی کا ایک گاؤں ہے جو کسی زمانہ میں علم دین کا مرکز رہا ہے اس کی تفصیل مولانا گیلانی کی ''نظام تعلیم وتربیت'' میں مل جائے گی۔

ایک بار خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو مولانا ادب کی مشہور کتاب ''مقامات حریری'' کا مطالعہ فرمارہے تھے، میں نے اپنی عادت کے مطابق مولانا سے پوچھ لیا کہ حضرت یہ کتاب آپ کو کیسی لگی؟ گھور کر دیکھا پھر مسکرا کر کہنے لگے کسی نے معلوم کرایا ہے؟ میں نے کہا نہیں، میں خود معلوم کر رہا ہوں! فرمانے لگے کہ ہمارے اس درس نظامی میں جو کتابیں شامل ہیں وہ ایک خاص وقت اور خاص ملکی حالات کے تناظر میں لکھی گئی ہیں،لیکن اب نہ تو وہ حالات رہے ہیں، نہ وہ طبیعتیں رہی ہیں اب طلبہ کا ذہن اتنا پختہ نہیں رہا کہ شروع ہی سے صرف ونحو کی مشکل ترین کتابیں، گردانیں اور مباحث یاد رہ جائیں بلکہ اچانک ایک طالب علم کو جب ان کتابوں سے واسطہ پڑتا ہے اور ہر وقت طوطے کی طرح رٹنا اور یاد کرنا پڑتا ہے تو عموماً طلبہ اس فن اور اس نظام سے خائف ہوکر اپنی تعلیمی ڈگر بدل دیتے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے طلبہ کو ان چیزوں سے مانوس کرایا جائے پھر دھیرے دھیرے ان کو اس لائن پر لایا جائے مثال کے طور پر یہی کتاب ہے صرف اور نحو کے بعد یہ کتاب طلبہ کے ہاتھوں میں تھمادی جاتی ہے، اسی طرح کی اور بھی کتابیں سبعہ معلقہ، دیوان متنبّی اور دیوان حماسہ وغیرہ بھی طالب علم کو دیدی جاتی ہیں حالانکہ اس وقت تک طالب علم کی ذہنی حالت ان کتابوں سے نامانوس ہوتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم اپنے تازہ تازہ ذہن ودماغ کی وجہ سے اگر رٹ کر یاد کرلیتا ہے تو آگے چل کر بھول جاتا ہے، اس سلسلہ میں اگر پہلے ہی سے بنیادی کتابیں جو ادب عربی سے مانوس کرنے والی ہیں پڑھائی جائیں تو آگے چل کر ان کتابوں سے فائدہ ہوسکتا ہے ورنہ نہیں، حضرت مولانا نے اپنی بات اور اپنے دلائل کو مزید شفاف کرتے ہوئے فرمایا کہ ادبی ذوق مقامات حریری جیسی کتابوں سے نہیں

پیدا ہوسکتا، اس کتاب میں صرف لفاظی ہے، مکررات ہیں، صنائع اور بدائع کی بھرمار ہے، پرتکلف عبارتوں کی فراوانی ہے، مشکل اسلوب اور دقیق وپیچیدہ تراکیب ہیں، اسی طرح اس طرح مکروفریب، دجل اور دسیسہ کاری، بہروپئے پن اورعیاری ومکاری کے ان گنت واقعات سے اس کتاب کومزین کردیا گیا ہے، خود ہی بتلاؤ من گھڑت قصوں اور دیومالائی کہانیوں سے تمہیں کیا عبرت حاصل ہوسکتی ہے؟ میں نے پوچھا کہ حضرت! کیا آپ کی نظر میں اس کا کوئی متبادل موجود ہے؟ فرمایا ہاں، ہمارے بڑوں کی چیزیں اس سلسلہ میں بھی موجود ہیں اور بہت ہی عمدہ ہیں مثلاً ابن خلدون کے چاروں مکانوں کو اگر شامل درس نظامی کرلیا جائے تو اس سے زیادہ فائدہ ہوگا، میاں! شخصیت سازی میں مصنف کی للّٰہیت بھی بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے، جیسا مصنف ہوگا ویسے ہی پڑھنے والے پر اثرات مرتب ہوں گے، اسی لئے ہمارے اکابر نے نیک علماء کی کتابیں پڑھنے کا مشورہ دیا ہے اور برے لوگوں کی کتابیں بڑھنے سے منع کیا ہے۔

فقہ: مولانا کا اصل موضوع رہا، فقہ حنفی پر مولانا کو بڑا درک اور رسوخ حاصل تھا، فقہ حنفی کی کلیات ہی نہیں جزئیات پر بھی مولانا گہری بصیرت رکھتے تھے، اسی طرح فقہ کی تقریباً تمام کتابوں کے پڑھانے کا مولانا کو موقع ملا اور ہزاروں طلبہ نے مولانا سے فقہ حنفی میں زانوے تلمذ تہہ کیا۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت مولانا نے ہدایہ جلداول میں کتاب الصلوٰۃ کی ایک ذیلی بحث رفع یدین پر مولانا نے سیرحاصل گفتگو فرمائی، احناف کے دلائل سے غیر مقلدیت کے قلعہ کو زمیں بوس کردیا اتفاق سے اس سال اس جماعت میں ابوالکلام نام کے تین طلبہ شریک تھے جن میں سے دو طالبعلم اہل حدیث تھے اور مولانا کو علم تھا کہ یہ دونوں طالب علم اہل حدیث ہیں مولانا نے رفع یدین پر اپنی تقریر مکمل کرکے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ ان طلبہ سے فرمایا کہ آپ لوگوں کو اب بھی اگر کوئی اشکال ہو تو کھڑے ہوکر بتلائیں، چنانچہ ایک طالب علم نے کھڑے ہوکر اپنے دلائل پیش کئے، مولانا نے پھر اپنی تقریر شروع کی اور تقریباً ایک گھنٹہ تک اس مسلک کے اثبات، مسلک اہل حدیث کے ردوابطال میں زوردار تقریر کی چنانچہ وہ طالب دوبارہ اٹھا اور مولانا کی تقریر پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔

فقہ حنفی میں کتاب البیوع ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ نحو میں تنازع فعلان کی بحث لیکن مولانا کو اللہ تعالیٰ نے عجیب دماغ عطا فرمایا تھا وہ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اس پیچیدہ بحث کو حل کرتے تھے کہ طلبہ سوچنے پر مجبور ہوجاتے کہ پھر یہ بحث مشکل کیوں مشہور ہوگئی ہے؟

طالب علمی کا زمانہ بڑا عجیب وغریب ہوتا ہے، اس دور میں طلبہ عموماً اپنے اساتذہ کا ادب واحترام محض دکھاوے کیلئے کرتے ہیں، بہت ہی کم اساتذہ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے کردار وعمل سے طلبہ کو قائل کر لیتے ہیں کہ وہ واقعی ادب اور احترام کے لائق ہے، ایسا ہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوا، ششماہی کے امتحان میں مشکوٰۃ شریف کا پرچہ تھا میں نے حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مظاہری مدظلہ العالی سے مشکوۃ شریف پڑھی ہے اس سال ششماہی تک اس کتاب کے صرف ۵۷ صفحات ہوئے تھے اور مولانا جس پیارے اسلوب وانداز میں کتاب پڑھاتے تھے اس سے کتاب کا سبق وہیں یاد ہوجاتا تھا چنانچہ سوالات کا پرچہ ملا تو تینوں ہی سوالات مانوس تھے فوراً لکھ کر اپنا کام ختم کرلیا (اس زمانہ میں ہوتا یہ تھا کہ دفتر کی طرف سے سوالات کا پرچہ امتحان گاہ میں باقاعدہ املاء کرایا جاتا تھا جس سے ایک بڑا فائدہ طلبہ کو یہ ہوتا تھا کہ دوران املاء طلبہ ایک دوسرے سے معلوم بھی کرلیا کرتے تھے) میرے پہلو میں مجھ سے جونیر یعنی درجہ ششم کا ایک طالب علم محمد حسین نامی مقامات حریری کا امتحان دے رہا تھا اس نے اشاروں اور کنایوں میں مجھ سے بار بار اپنے سوالات حل کرانے کی کوشش کی تو میں نے کہا ابھی چند منٹ بعد میرا پرچہ مکمل ہوجائے گا اس وقت تک تم بیٹھے رہو چنانچہ اپنا پرچہ لکھ کر میں نے مدرسہ کے قانون کے خلاف اس کا پرچہ بھی لکھدیا، امتحان گاہ میں نگرانی پر جو حضرات مامور تھے ان میں مولانا محمد قاسم صاحبؒ بھی تھے مولانا اپنی فراست سے کچھ نہ کچھ سمجھ ضرور گئے کہ دال میں کالا ہے لیکن کہا کچھ نہیں اتفاق سے مقامات حریری کا امتحان بھی مولانا ہی کے پاس تھا اس لئے اس طالب علم کو بلا کر کہا کہ یہ پرچہ تمہارا لکھا ہوا نہیں ہے، طالب علم نے نہایت جسارت بلکہ ڈھٹائی سے کہا کہ نہیں میرا پرچہ ہے، مولانا نے اسی طالب علم کے ذریعہ مجھے بلوایا میں مولانا کے پاس یوں حاضر ہوا جیسے منیٰ میں قربانی کے جانور حاضر ہوتے ہیں، گھور کر دیکھا اور فرمایا کہ جو کچھ پوچھوں گا سچ بولوگے! عرض کیا حضرت میں نے یہ پڑھا ہے کہ سچ ہی میں نجات ہے اس لئے کم از کم ایسے موقع پر جھوٹ کا سہارا لینا غلط ہوگا، مسکرانے لگے اور فرمایا کہ اس کا پرچہ کس نے لکھا؟ عرض کیا حضرت اس نے بار بار خوشامد کی تو مجبوراً میں نے لکھدیا فرمایا جاؤ معاف کیا، میں اس کو فیل کرنا چاہ رہا تھا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی احقر سے سرزد ہو چکا ہے اور اپنے ایک دوست جو بنگال کا رہنے والا تھا غالباً خیر الانام اس کا نام تھا اس کا مشکوٰۃ کا پرچہ بھی میں نے ہی لکھا تھا (اللہ میری غلطیوں کو معاف فرمائے)

امتحان گاہ میں بعض اساتذہ بہت زیادہ سخت تھے مثلاً حضرت مولانا علامہ محمد یامینؒ، حضرت مولانا اطہر حسینؒ، حضرت مولانا عبدالخالق مظاہریؒ، حضرت حافظ فضل الرحمٰنؒ، حضرت مولانا محمد ریاض الحسن مظاہری، مولانا قاری محمد ادریس مظاہری اور حضرت مولانا رئیس الدین مظاہری ان حضرات کی جہاں نگرانی ہوتی تھی طلبہ عموماً وہاں جانے اور بیٹھنے سے کتراتے تھے (اس وقت تک بیٹھنے کی باقاعدہ کوئی ترتیب نہیں تھی) لیکن جہاں حضرت مولانا علامہ محمد عثمان غنی صاحب مدظلہ، حضرت مولانا محمد طٰہٰ صاحب، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، حضرت مولانا محمد ظفر نیرانویؒ وغیرہ کی نگرانی ہوتی وہاں طلبہ کی بھیڑ اس قدر رہوتی تھی کہ جگہ کم ہو جاتی تھی۔

دراصل حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بہت ہی نرم دل تھے، کہیں کوئی خلجان یا کوئی اشکال محسوس ہوتا تو بتلا دیتے تھے ان کی اسی خوبی کی وجہ سے طلبہ خاص طور پر مولانا کی زیر نگرانی امتحان دینا پسند کرتے تھے۔

مولانا محمد قاسمؒ کو فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ سے زیادہ حضرت مولانا اطہر حسینؒ سے طبعی مناسبت تھی اور یہ کوئی عجوبہ سے کم بات نہ تھی کیونکہ مولانا اطہر حسینؒ جیسے سخت مزاج، شعلہ بار (بلکہ طلبہ کی اصلاح میں خونخوار) بہت کم کسی سے بات کرتے تھے، کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، اچھے اچھوں کو دومنٹ میں لاجواب کر دیتے تھے، ان کے مزاج سے مناسبت بہت ہی کم بلکہ چند ہی خوش نصیب لوگوں کو حاصل ہوئی تھی لیکن مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے ان کی طالب علمی کے زمانہ ہی سے مانوس تھے، مولانا نے کبھی کسی کی کوئی سفارش نہیں کی، یہ ان کا اپنا مزاج تھا لیکن ایک واقعہ ایسا ہوا کہ لوگ مولانا اطہر حسینؒ کی اس خلاف عادت سفارش سے حیران رہ گئے۔

ہوا یہ کہ ۱۳۹۴ھ میں مولانا فارغ ہوئے اسی سال مولانا کے ایک رفیق (درس جو حکیم خاندان سے تھے) نے تدریس کے لئے درخواست دی (پتہ نہیں خود دی تھی یا دلوائی گئی تھی) بہرحال اس کی اطلاع جب مولانا اطہر حسینؒ کو ملی تو فوراً مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے بھی تدریس کے لئے درخواست دلوادی، اول الذکر کی درخواست منظوری کے مرحلہ میں تھی کہ مولانا اطہر حسینؒ نے تحتانی شوریٰ میں آواز بلند فرمائی کہ تدریس کے لئے اگر معیار قابلیت اور کتابی صلاحیت ہے تو مولوی محمد قاسم کی لیاقت سے میں مطمئن ہوں اور اگر عزیز داری شرط ہے تو کوئی بات نہیں، چنانچہ دونوں حضرات کا تقرر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے دونوں حضرات سے اپنے دین کا بڑا کام لیا۔

ماو مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت وما درکوچہا رسوا شدیم

مظاہر علوم میں مولانا کا تقرر ۱۳/محرم ۱۳۹۵ھ کو تقرر ہوا، یکم رمضان ۱۳۹۵ھ کو مستقل ملازم ہو گئے، ۱۴/ربیع الاول ۱۳۹۷ھ کو محرر اول بنائے گئے، ۲۵/ربیع الاول ۱۳۹۸ھ کو محافظ کتب خانہ منتخب ہوئے، ۶/رمضان ۱۴۰۰ھ کو مدرس عربی تجویز کئے گئے اور ۴/ربیع الاول ۱۴۰۴ھ کو مدرس وسطیٰ تجویز بنائے گئے اور پھر ۱۴۲۲ھ میں حضرات ارباب حل وعقد نے مدرس علیا تجویز فرمایا۔

آپ نے مظاہر علوم میں تقریباً ۲۹/سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، اس درمیان ابتدائی عربی وفارسی کے علاوہ بیضاوی، مشکوۃ، جلالین، ہدایہ، کنزالدقائق، شرح عقائد نسفی، نورالانوار جیسی اہم کتابوں کے اسباق آپ سے متعلق رہے۔

ایک دفعہ احقر سے پوچھنے لگے کہ تم بہت اچھا لکھتے ہو کیا کبھی ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ندوہ میں تو کبھی تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ ہی کوشش کی البتہ خواہش اور تمنا ضروری رہی ہے، فرمایا بڑی خوشی ہوتی تمہاری تحریریں دیکھ کر، تمہارا اداریہ تو ضرور ہی پڑھتا ہوں، اللہ تعالیٰ مزید ترقی عطا فرمائے۔

مظاہر علوم میں چند سال پہلے تک طلبہ کی علاقائی، صوبائی اور ضلعی انجمنوں کا رواج نہیں تھا صرف ایک انجمن ''ہدایت الرشید'' تھی جس کے اصول اور شرائط کی وجہ سے طلبہ عموماً استفادہ نہیں کر پا رہے تھے، راقم کی شروع ہی سے یہ کوشش وخواہش رہی ہے کہ طلبہ کی خود کفیل انجمنیں وجود میں آجائیں اس سے طلبہ کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس بھی ہوگا، انجمن کو فروغ دینے میں جن صلاحیتوں کی ضرورت پڑتی ہے ان صلاحیتوں کو استعمال کر کے انتظامی صفات پیدا ہوں گی، کتابوں کے حصول میں اور حصول کی راہوں پر انہیں بار بار سوچنا ہوگا اور جو کتاب مکمل محنت وکوشش کے بعد حاصل ہوگی اس کی قدر ومنزلت بھی پیدا ہوگی، اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے، اسی طرح الماریوں کا انتظام، تقریری پرگرام، تحریری دلچسپیاں اور مختلف خوبیاں اپنے اند پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ فضل واحسان ہے کہ احقر کی خواہش اور تمنا احقر کے زمانۂ تعلیم میں تو پوری نہیں ہوئی لیکن تین سال قبل ناظم مظاہر علوم حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ نے علاقائی وضلعی انجمنوں کے قیام کی منظوری دیدی، بلکہ انجمنوں کے اغراض ومقاصد، انجمن ہدایت الرشید کی مرکزیت اور اس کے طریق کار پر مشتمل اصول وآئین جو احقر ہی نے مرتب کئے تھے انہیں بھی صاد کر دیا گیا۔ فللہ الحمد

ان سطور کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو طلبہ کی زبانی جب اس نئے

نظام کی اطلاع ملی تو بلا کر شاباشی دی، حوصلہ افزائی کے چند کلمات ارشاد فرمائے اور پھر کہنے لگے کہ آئے دن طلبہ اپنے پرگراموں میں مجھے بھی بلاتے رہتے ہیں، ظاہر سی بات ہے جب بلائیں گے، ضیافت کریں گے تو تقریر بھی کرائیں گے، مجھے تقریر کی عادت نہیں رہی ہے لیکن طلبہ کے اصرار پر کچھ نہ کچھ بولنا ہی پڑتا ہے، مجھے اس نئے تقریری نظام سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ تقریر کرنی آ گئی ہے، پھر مسکرا کر کہنے لگے کہ سبق میں چاہے جس موضوع پر تقریر کرا لو لیکن اسٹیج پر تقریر کے دوران سارا مضمون ہی غائب ہو جاتا تھا اب تو الحمد للہ بات شروع کرتے ہی قسم قسم کے مضامین پروانہ وار ذہن میں آنے لگتے ہیں۔

مسجد میں امام آج ہوا، آ کے کہاں سے
کل تک تو یہی میر، خرابات نشیں تھا

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت نے اپنے تواضع کی وجہ سے تقریر نہ کر پانے کی بات فرمائی تھی ورنہ کم از کم دو واقعات کا تو خود احقر عینی شاہد ہے کہ مولانا نے زوردار تقریر مجمع عام میں فرمائی تھی۔

ایک دفعہ ۱۹۹۴ء میں راقم الحروف دورۂ حدیث میں زیر تعلیم تھا اور احقر کو مادر علمی مدرسہ امداد العلوم زید پور بارہ بنکی کے روح پرور بلکہ علم پرور حول کے باعث تقریر کرنی آ گئی تھی اور مولانا نے انجمن ہدایت الرشید کے ایک اجتماعی پروگرام میں احقر کی تقریر سنی بھی تھی چنانچہ اسی سال شب برات کے موقع پر بلوایا اور فرمایا کہ اسلامیہ انٹر کالج کے پاس ایک مسجد میں تقریر کے لئے چلنا ہے، تیاری کر لو! میں نے عرض کیا کہ حضرت تیاری کیسی میں تو آپ کا مصاحب بن کر شہر میں اتراتا پھروں گا کہنے لگے نہیں پہلے تم تقریر کرنا پھر میں کچھ بول دوں گا۔ چنانچہ پہلے مجھ سے تقریر کرائی پھر آپ نے تقریر شروع کی تو قرآن وحدیث سے شب برات کے موضوع پر اس قدر روایات پیش کیں کہ مزہ آ گیا۔

اسی طرح کا ایک اور موقع تھا سہارنپور کے ایک محلّہ نور بستی کی مسجد میں مولانا نے بڑی عمدہ تقریر کی تھی اور بے تکان کی تھی، ان کی تقریر صنائع اور بدائع، مقفع مسجع عبارات، نامانوس جملوں اور من گھڑت قصوں سے پاک رہتی تھی۔ اللہ مغفرت فرمائے۔

عام مسلمانوں اور مومنین کی طرح حضرت مولانا کی بھی خواہش تھی کہ حج بیت اللہ کی ادائیگی اور بیت اللہ شریف کا دیدار ہو جائے چنانچہ انھوں نے مقدور بھر کوشش بھی کی، حج کمیٹی کی قرعہ اندازی میں نام بھی آ گیا لیکن ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے مولانا اپنے جیتے جی حج کی سعادت سے مشرف نہ ہو سکے لیکن ان کے انتقال کے بعد حضرت اقدس مولانا محمد سعیدی صاحب مدظلہ ناظم مظاہر علوم وقف

سہارنپور (جو غالباً مولانا کے شاگرد بھی ہیں) نے ۲۰۰۸ء میں مولانا کی طرف سے حج بدل ادا کیا ہے جس سے یقیناً مولانا کی روح مسرور ہوئی ہوگی۔

ہرسال کی طرح اس سال بھی رمضان المبارک کے موقع پر شہر گلستاں تشریف لے گئے، طبیعت بگڑنے پر اہل بنگلور نے آپ کو سہارنپور بھیج دیا، یہاں پہنچ کر ماہر ڈاکٹروں سے رجوع کیا لیکن

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

خزاں کے موسم میں بہار کا انتظار تو سبھی کو ہوتا ہے لیکن بہار کے موسم میں خزاں کا انتظار کسی کو نہیں ہوتا، زندگی بھی اللہ نے کیا چیز بنائی ہے، مستقبل کا مردہ اور حال کا زندہ انسان اپنی عقبیٰ سے کس قدر بے فکر ہوتا ہے اس کا اندازہ صاحبان فکر و دانش ہی کر سکتے ہیں۔

موت جیسی اٹل سچائی جو ہر کسی کو آنی ہے اور جس سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا، اس حقیقت کے باوجود انسان موت سے نہ تو پیار کرتا ہے اور نہ ہی موت سے پہلے موت کی تیاری۔

دنیا میں بعض لوگوں کی موت سے انسانیت چین وسکون کا سانس لیتی ہے تو بعض کی موت پر پوری انسانیت چیخ اٹھتی ہے، جس شخص کے ہزاروں تلامذہ ہوں، سیکڑوں متعلقین اور لاتعداد چاہنے والے ہوں، جو علم وبصیرت کا پیکر مجسم اور خلق واخلاق کا دلنواز وجود ہو تو ایسی شخصیت کی جدائی پر اشک افشانی اور اشک شوئی ایک فطری چیز بن جاتی ہے۔

مولانا کو دل کا پہلا دورہ پڑنے کے بعد غالباً یقین ہوگیا تھا کہ اب آخری وقت آپہنچا ہے چنانچہ انہوں نے ایک تفصیلی وصیت نامہ بھی اپنے قلم سے تحریر کیا جس کی شروعات درود شریف، کلمۂ طیبہ اور اذکار مسنونہ سے کر کے مدرسہ کا حساب، آمد خرچ، رسیدات کی تفصیلات، وغیرہ لکھیں، وصیت نامہ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ گویا حضرت مولانا موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، وصیت نامہ کے چند اقتباسات آپ بھی پڑھتے چلیے۔

نئی نئی بیماریوں کو بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت میں شمار فرمایا ہے چنانچہ آج ٹی بی، بلڈ پریشر، برین ہیمریج، شوگر اور ہاٹ اٹیک جیسی نئی بیماریاں وجود میں آکر زبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر رہی ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ جو بہت زیادہ بوڑھے بھی نہیں تھے اور ان کی صحت وتندرستی سے بظاہر امید تھی

کم ابھی حضرت مولانا اپنے علوم ومعارف سے ہمیں مزید سیراب وفیضیاب فرمائیں گے لیکن قول حق برحق ہے **اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولایستقدمون.**

۱۲رشوال المکرّم ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۳را کتوبر ۲۰۰۸ء دوشنبہ کے دن حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ مولائے حقیقی سے جاملے۔**انا اللہ وانا الیہ راجعون۔**

راقم الحروف کی زندگی کا یہ افسوسناک واقعہ ہے کہ میرے اساتذہ میں سے جب کسی استاذ کا انتقال ہوااس وقت اتفاق سے میں سفر یاوطن میں رہاچنانچہ حضرت مولانا علامہ محمد یامینؒ، حضرت مولانا علامہ محمد عشیقؒ ،حضرت مولانا مفتی محمد اشتیاقؒ ،حضرت مولانا اطہر حسینؒ (انتقال کے دن راقم بجنور کے دعوتی سفر پر تھالیکن جنازہ میں شرکت ہوگئی تھی) حضرت مولانا مفتی محمد امین بستویؒ،حضرت مولانا محمد ظفر نیرانوی ،حضرت مولانا حافظ فضل الرحمٰنؒ ،فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ (انتقال کے دن دہلی میں تھا لیکن اطلاع ملتے ہی سہارنپور حاضری ہوگئی تھی اس لئے دیدار تو نہیں ہوسکا البتہ جنازہ میں شرکت کی سعادت مل گئی تھی) جناب الحاج بابو محمد عبداللہؒ اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ ان تمام حضرات کے انتقال پرملال کے موقع پر اپنی حرماں نصیبی کہئے یا نوشتۂ تقدیر کہ احقر سہارنپور میں نہیں۔چنانچہ ۱۳را کتوبر ۲۰۰۸ء دوشنبہ کے دن رفیق محترم مولوی محمد سلمان مظاہری (خادم کتب خانہ مظاہر علوم (وقف) نے فون پراس افسوسناک اطلاع کی خبر کلفت اثر بہم پہنچائی۔**فاناللہ واناالیہ راجعون۔**

نماز جنازہ دارالطلبہ قدیم کے صحن میں ادا کی گئی اور تدفین قبرستان حاجی شاہ کمال الدینؒ میں ہوئی، جہاں مظاہر علوم کی سینکڑوں نامی گرامی ہستیاں محواستراحت ہیں۔

....

آب زم زم:

زمزم کا پانی دافع بخار ہے......نافع دردسر ہے......تمام پانیوں سے طاقتور ہے...... ہر پانی سے وزنی ہے......آنکھوں کی روشنی بڑھاتا ہے......جو شخص زمزم کے تین چلّو پانی اپنے سر پر ڈالے گا وہ کبھی ذلیل نہ ہوگا...... پیٹ بھرنے کا ذریعہ ہے...... باعث اجروثواب ہے......مسنون ہے......روزی کو بڑھاتا ہے......عمر میں اضافہ کا ذریعہ ہے......دعاؤں کی قبولیت کا سبب ہے......امراض سے شفا ہے......مکمل غذا ہے۔ (افکار ناصر سے انتخاب)

حضرت مولانا خیر الرحمٰن احمد آبادیؒ

ناصر الدین مظاہری

مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کے کے قابل فخر سپوت، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے رفیق درس، صوبہ گجرات کی عظیم علمی، روحانی اور عرفانی شخصیت حضرت مولانا خیر الرحمٰنؒ نے بھی رمضان المبارک کے تیسرے عشرہ کے پہلے دن یعنی ۲۱ر تاریخ کو جمعہ کے دن قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ ع ایک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

مولانا مرحوم اکابر کی یادگار تھے، ان کی زندگی سادگی اور تواضع سے عبارت تھی، ان کو دیکھ کر محسوس ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ اتنے کمالات اور خوبیوں کے مالک ہیں، ان کی حیات مبارکہ اسلام اور اسلامی خدمات میں گزری، عمر عزیز دین اور دینی تعلیمات کے فروغ میں صرف کی، مذہب اسلام کی حفاظت وصیانت میں انہوں نے اپنے لیل ونہار کچھ اس انداز میں صرف کئے کہ بعد والوں کو حسرت ومسرت کے ساتھ اشک محسوس ہوا، قیام مکاتب کے باب میں وہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے ارشاد سراپا ارشاد کی مجسم تصویر نظر آئے، جہاں جہاں اسلامی مکاتب اور قرآنی درسگاہوں کی کمی اور ضرورت محسوس ہوئی وہاں مکتب ومدرسہ کے قیام میں عملی کوشش فرمائی، اس سلسلہ میں ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور فرمایا، رکاوٹوں کو دور کرنے میں بار بار انہیں اپنوں وبیگانوں سے ضیق بھی محسوس ہوا لیکن ظلمت ناک گھٹاؤں میں چراغ لے کر چلنے کی انہیں عادت سی پڑ گئی تھی، ایک خدا سے اپنا رشتہ استوار کرلیا اور دنیا کے تمام رشتوں سے رخ پھیر لیا، اب یا تو مسجد ان کا گھر تھی یا مدرسہ ان کا مسکن، گھر میں ہوتے تو بھی سادگی، صفائی، ذکر وتلاوت اور دعا ومناجات میں مصروف عمل رہتے، مسجد میں جاتے تو وہاں بھی ہاتھ سے تسبیح نہ چھوٹتی، مسجد کا پنکھا عموماً نہ چلاتے، اگر کسی نے بلا اجازت پنکھا چلا دیا تو یا تو بند کرا دیتے یا خود ہی بند کر دیتے، جن لوگوں نے انھیں دیکھا ہے انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مولانا خیر الرحمٰنؒ کو دیکھ کر خدا کی یاد آتی تھی، ان کا چہرہ بارونق، ان کی گفتار شیریں، ان کا کردار بلند، ان کی خودی اور خودداری لائق رشک، ان کی غیرت وحمیت ولولہ انگیز، ان کا درس وتدریس افہام وتفہیم سے عبارت، ان کی مجلس ذکر وفکر سے تازہ، ان کی خلوت میں جلوت کا احساس، ان کی حیات کا ایک ایک ورق سنت نبوی سے روشن ومنور، ان کی ہر تحریک کامیاب اور ان کا قدم بامراد تھا، بڑوں میں چھوٹے بن جاتے اور چھوٹوں میں اللہ تعالیٰ ان کو بڑا بنا دیتا، انھیں خاموشی اور گمنامی کی زندگی پسند تھی، وہ دولت وثروت سے

مالامال تھے لیکن ان کا بود و باش زندگی فقر بوذر کا شاہکار تھا، دنیاداری سے ان کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ تھا، دینداری اور سنت نبوی کی پاسداری ان کا مشن اور تحریک تھی، علماء، صلحاء، عوام، خواص سبھی آپ کا غایت درجہ اکرام واحترام کرتے تھے، آپ کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتے تھے اور آپ کی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

مولانا کا وطن اصلاً موضع کوئی برمول، پوسٹ خاص ضلع مردان، صوبہ سرحد (پاکستان) تھا، مولانا کی قومیت مظاہر علوم (وقف) کے تعلیمی رکارڈ کے مطابق افغان تھی، مولانا کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالمنانؒ کا مشغلہ درس وتدریس تھا، اس زمانہ میں مظاہر علوم اور اکابر مظاہر علوم کا پوری دنیا میں طوطی بولتا تھا اسی لئے طالبان دین کشاں کشاں یہاں آتے تھے اور علمی پیاس بجھاتے تھے، حضرت مولانا خیرالرحمٰنؒ نے بھی ۲۳؍شوال المکرّم ۱۳۶۳ھ کو مظاہر علوم میں داخلہ لیا، شرح جامی بحث اسم، قدوری، قطبی، نفحۃ الیمن وغیرہ کتب کا امتحان حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ نے لیا، اس وقت داخلہ فارم میں مولانا نے اپنی عمر ۱۸؍سال لکھی تھی، اس حساب سے آپ کا سن ولادت ۱۳۴۵ھ بنتا ہے، گویا مولانا نے کم وبیش ۸۸؍سال کی عمر پائی تھی۔

مظاہر علوم میں آپ نے پہلے سال ۱۳۶۴ھ میں بحث اسم، قطبی، قدوری، نفحۃ الیمن، ترجمہ قرآن کریم پارہ ۳۰؍ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

دوسرے سال ۱۳۶۵ھ میں مختصر المعانی، میر قطبی وغیرہ پڑھیں۔

داخلہ کے تیسرے سال ۱۳۶۶ھ میں ملاحسن، شرح وقایہ وغیرہ۔

۱۳۶۷ھ میں جلالین شریف، ہدایہ اولین وغیرہ

۱۳۶۸ھ میں مشکوۃ، مقدمہ مشکوۃ، بیضاوی وغیرہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

۱۳۷۹ھ میں دورۂ حدیث شریف پڑھ کر فارغ ہوئے، اس سال آپ کے رفقاء درس میں خاص طور پر حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ ناظم مظاہر علوم (وقف) سہارنپور، حضرت مولانا ظفر احمد نیرانویؒ استاذ فارسی مظاہر علوم (وقف) سہارنپور، حضرت مولانا عبدالغنی رنگوئیؒ اور حضرت مولانا عبدالغنی ضلع آنند گجرات قابل ذکر ہیں۔

بخاری شریف کا اکثر حصہ حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ سے، سنن ابی داؤد شریف اور بخاری شریف کا معتد بہ حصہ صاحبِ اوجز مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ سے، سنن ترمذی، شمائل ترمذی، صاحبِ معلم الحجاج حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب اجراڑویؒ سے، سنن نسائی، شرح معانی الآثار معروف بہ طحاوی شریف، حسب نصاب مدرسہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ صحیح مسلم استاذ الاساتذہ مولانا منظور احمد خانصاحبؒ سہارنپوری سے پڑھیں اور فن تجوید وقرأت اپنے دور کے مجود کبیر قاری سید سلیمان دیوبندی سے حاصل کیا۔

مظاہر علوم میں دوران تعلیم آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا ہے لیکن علمی لگن اور وطن سے دوری کے باعث وطن نہ جا سکے۔ پھر چند ہی سال کے اندر دوبارہ اطلاع ملی کہ والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا ہے لیکن مولانا تب بھی وطن نہ جا سکے پھر مولانا کا تعلیمی سلسلہ ختم ہوا تو ملکی حالات خراب ہو گئے، ہندوستان پر تقسیم کی قینچی چل گئی اور ملک عزیز دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اب ملکی قوانین اور حالات کی نامساعدت کے باعث مولانا چاہتے ہوئے بھی نہ جا سکے اور ہندوستان کے صوبہ گجرات میں بودوباش اختیار کر لی۔

فراغت کے بعد مولانا نے تعلیم وتعلم کو اپنا مشغلہ بنایا، مدرسہ دارالعلوم آنند میں دس سال سے زیادہ دین اور علم دین کی خدمت کرتے رہے، اس درمیان آپ سے اکتساب فیض کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد زیور علم سے آراستہ وپیراستہ ہو کر نکلی، پھر آنند سے مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل تشریف لے گئے اور وہاں بھی ایک عرصہ تک درس نظامی کی مختلف کتابوں کا درس دیتے رہے۔

آپ کے اہم شاگردوں میں حضرت مولانا مفتی محمد اسمٰعیل کچھولوی مظاہری مدظلہ بھی ہیں، جن کو مولانا خیر الرحمٰنؒ نے ہی تعلیم وتعلم سے سنوارا اور مظاہر علوم بغرض حصول علوم بھیجا تھا۔

جب آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ موقوف کیا تو آپ نے حساب لگایا اور ہر دو اداروں سے ماہ بماہ جو مشاہرہ آپ نے لیا تھا وہ سب لوٹا دیا۔

بیعت اصلاح کا تعلق حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے تھا لیکن خلیفہ ومجاز اپنے شاگرد عزیز حضرت مولانا مفتی محمد اسمٰعیل کچھولوی مدظلہ کے ہوئے، اس سے آپ کی سادگی، صفائی باطن اور للّٰہیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ عظیم استاذ نے اپنے شاگرد سے خلافت لی۔ تاریخ میں ایسی بہت کم مثالیں ملیں گی، چنانچہ حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ استاذ دارالعلوم دیوبند اپنے شاگرد حضرت مولانا وصی اللہ خان الہ آبادیؒ سے مجاز ہوئے تھے۔

حضرت مولانا خیر الرحمٰن اسم بامسمّٰی تھے، خیر وفلاح کے امور میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے اور یہ چیز ان کی طبیعت کا حصہ وخاصہ بن چکی تھی، اپنی مادر علمی مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کے موقف وقف علی اللہ کے زبردست حامی ومؤید تھے، وہ کسی بھی مفاد ومصلحت سے بالاتر ہو کر کلمۂ حق کہنے میں ممتاز تھے، مظاہر علوم سے جو بھی آپ کی خدمت میں پہنچتا والہانہ استقبال فرماتے، ایسے وقت میں خوشی ومسرت دیدنی ہوتی، اکابر مظاہر خاص کر اپنے اساتذہ حضرت مولانا عبد اللطیفؒ، حضرت مولانا منظور احمد خانؒ، حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ، حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ کی باتیں کرتے رہتے تھے۔

رمضان المبارک میں حصول چندہ کے لئے جناب الحاج حافظ محمد ہاشم صاحب اور بعد میں جناب حافظ محمد یوسف صاحب گجرات جاتے تو مولانا سے بطور خاص ملاقات کرتے اور بوقت ملاقات وہ ایک ہاتھ سے

مصافحہ کرتے اور دوسرے ہاتھ سے جیب میں رکھی ہوئی چندہ کی رقم نکالنے لگتے، یہ ان کا معمول تھا، وہ مدرسہ کو جو رقم دینا چاہتے تھے وہ پہلے سے تیار رکھتے تھے، یہ حضرات مولانا مرحوم کا ہمیشہ نہایت احترام سے تذکرہ کیا کرتے اور غائبانہ مولانا کی عظمت دلوں میں مستحکم ہوتی جاتی، مولانا خود بھی مدرسہ کا خطیر تعاون فرماتے اور اپنے احباب و متعلقین سے بھی تعاون کراتے اور بہت خوشی محسوس کرتے تھے۔

انتقال سے کچھ دن پہلے ہی اپنی کچھ کتابوں کے بارے میں وصیت فرمائی کہ یہ کتابیں مظاہر علوم وقف سہارنپور کے کتب خانہ میں جمع کی جائیں، حسب وصیت وہ کتابیں الحمدللہ مظاہر علوم پہنچ گئیں۔

جس وقت مولانا خیرالرحمٰنؒ مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھے اس وقت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے مولانا کو کالر والا کرتا پہنے ہوئے دیکھا تو قینچی لے کر کالر کاٹ دئے، اس کے بعد کبھی بھی مولانا نے کبھی بھی کالر والا کرتا نہیں پہنا۔

آپ نے ایک عرصہ تک نوتاڑ کی مسجد میں امامت وخطابت بھی فرمائی، تقریر کرنے کا مزاج نہ تھا لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کی عادت اور طبیعت تھی۔

۲۱/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ کی شام کو حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ ناظم مظاہر علوم (وقف) نے یہ افسوسناک خبر سنائی کہ حضرت مولانا خیرالرحمٰنؒ کا انتقال ہوگیا ہے۔ اناللّٰہ واناالیہ راجعون.

فوری طور پر یہاں کے مکاتب میں تحریری اطلاع بھیج کر مولانا مرحوم کے لئے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کرایا گیا اور مولانا کے وارثین و پسماندگان کے نام درج ذیل تعزیتی مکتوب ارسال فرمایا:

”مکرم ومحترم جناب مولانا محمد طاہر صاحب زید لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج بعافیت ہوں!

مجھے یہ خبر کلفت اثر معلوم ہوکر نہایت رنج وقلق ہوا کہ مظاہر علوم (وقف) کے قابل فخر و ہونہار فرزند اور آپ کے والدگرامی حضرت مولانا خیرالرحمٰنؒ اٹھاسی سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ اناللّٰہ واناالیہ راجعون

مولانا مرحوم دور حاضر میں اکابر واسلاف کی یادگار تھے، ان کی قابل رشک خدمات وتعلیمات سے لاتعداد زندگیاں راہ یاب ہوکر مولانا کے لئے صدقہ جاریہ بنی ہیں جس کے اجر سے وہ عنداللہ ضرور ماجور ہوں گے، مولانا کے حالات اور ان کے تذکرے برابر سننے میں آتے رہے، ان کی قابل رشک خدمات سے واقفیت ہوتی رہی بالخصوص مظاہر علوم وقف کے موقف اور اپنی مادر علمی کے لئے مولانا کی ہمدردی وخیرخواہی کے واقعات سن کر نہایت فرحت ومسرت اور عزم وحوصلہ کو استقامت

نصیب ہوتی تھی۔

اب جب کہ حضرت والا ہمارے درمیان نہیں رہے تو ان کی تعلیمات، ان کی زندگی کا بلند نصب العین، ان کی ہدایات اور ان کی تحریک و مشن کو زندہ رکھنا ہماری اپنی ذمہ داری ہے۔

آپ ماشاء اللہ فہیم و باشعور ہیں، ایسے وقت میں صبر وحوصلہ سے خود بھی کام لیجئے اور اپنے بھائیوں و بہنوں کو صبر کی تلقین کیجئے، والد ماجد کے لئے ہمیشہ دعاء اور ایصال ثواب کرتے رہئے اور والدہ ماجدہ کی خدمت کر کے اپنے لئے اخروی سعادتوں کا سامان فراہم کیجئے۔

انتقال کی اطلاع ملتے ہی یہاں کے مکاتب میں قرآن کریم پڑھوا کر ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کی گئی ہے۔

فوری طور پر مظاہر علوم کے ترجمان ''ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم'' کے ذمہ داران کو ہدایت جاری کر دی گئی ہے کہ ماہنامہ کے زیر اشاعت شمارہ میں حضرت مولانا خیر الرحمٰنؒ کے حالات مرتب کر کے شائع کر دئے جائیں، بہت جلد ان شاء اللہ یہ شمارہ آپ کی خدمت میں پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ و بالا مقام عطا فرمائے اور آپ تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

العبد

محمد سعیدی

ناظم ومتولی مظاہر علوم وقف سہارنپور''

اللہ تعالیٰ مولانا کے درجات بلند فرمائے، کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرمائے۔

پسماندگان میں چار بیٹے، تین بیٹیاں اور رفیقۂ حیات ہیں، اللہ تعالیٰ صحت وقوت عطا فرمائے اور امن و عافیت میں رکھے۔

ادارہ مولانا مرحوم کے وارث و جانشین محترم مولانا محمد طاہر صاحب سے اظہار تعزیت کرتا ہے اور ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

جناب ملا منظور احمد صاحبؒ

ناصرالدین مظاہری

مدرسہ مظاہر علوم (وقف) کے قدیم خدمت گار جناب ملا منظور احمد صاحب مؤرخہ ۴؍رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ کودوران نماز بحالت سجدہ انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سجدہ کی حالت میں انتقال کے واقعات شاذ و نادر ہی سننے کو ملتے ہیں، یہ سعادت ایسی ہے جس پر کوئی زور نہیں چل سکتا، مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ کے والد ماجد حضرت مولانا اکرام الحسن کاندھلویؒ مہتمم مالیات کا وصال مظاہر علوم (وقف) کے دفتر کی مسجد میں سجدہ کی حالت میں ہوا تھا، اس کے بعد ہمارے یہاں ہمارے علم کے مطابق یہ سعادت جناب ملا منظور احمد مرحوم کے حصہ میں آئی ہے۔

ایں سعادت بہ زور باز و نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مرحوم کی پہلی زندگی نہایت افسوسناک تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی تو ایسے ہو گئے گویا سابق میں کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو، شہر سہارنپور کے مشہور بلڈر جناب الحاج محمد شمیم صاحب عرف حاجی کلو کے آپ ساتھی تھے، کلو صاحب ہی نے ملا منظور صاحب کو فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ سے متعارف کرایا اور مفتی صاحب کے دست مبارک پر تائب ہوئے۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ سے قربت اور تعلق میں دن بہ دن اضافہ ہوتا چلا گیا اور مفتی صاحبؒ نے ملا منظور صاحب کا دربانی کے لئے مظاہر علوم میں تقرر فرمالیا۔

ملا جی کا رکارڈ یہاں کی رودادوں میں ۱۴۰۱ھ سے ملتا ہے اس سے پہلے کی رودادوں میں نام نہیں ملتا، اس لئے اندازہ ہے کہ اسی دوران ملا جی نے مظاہر علوم میں خدمت شروع کی ہوگی۔

آپ کو نمازوں سے بہت شغف تھا، سفر ہو یا حضر نماز با جماعت پڑھتے تھے، مدرسہ کے قریب کی مساجد میں نمازوں کے اوقات ملا جی کو یاد رہتے تھے، نماز کے علاوہ انھیں اذان اور تکبیر کہنے کا اور اجتماعی نماز کے بعد دعا کرانے کا بھی ذوق تھا، اردو کتابیں اور رسائل پڑھنے میں بہت دلچسپی رکھتے تھے، وہ ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم مفت میں پابندی

سے پڑھتے تھے اور جو چیز ان کے ذہن کو اپیل کرتی وہ ہر جگہ سناتے رہتے، ایک دفعہ ماہنامہ میں کسی غیر مسلم کی نظم ''جنتی تم دوزخی ہم یہ کوئی انصاف ہے'' شائع ہوئی جو مرحوم کو بہت پسند آئی، یہ نظم بدعت کے رد میں بہت اہم ہے، ملا جی نے اس نظم کو زبانی یاد کرلیا اور پھر مدرسہ کے لئے جہاں کہیں چندے میں جاتے عوام کو وہ نظم مزہ لے لے کر سناتے، بہت سادہ زندگی تھی، ان کو اگر کوئی ماموں کہتا تو آگ بگولہ ہو جاتے، جو منہ میں آتا کہہ ڈالتے، شریر طلبہ ان کی اس مجبوری کا فائدہ اٹھاتے اور پھر ملا جی نان اسٹاپ شروع ہو جاتے، ایسے ہی ایک موقع پر ملا جی کسی صاحب پر اپنا غصہ اتار رہے تھے کہ غصہ کی حالت میں ان کی زبان سے بعض ایسے کلمات نکل گئے جن کو کلمات کفر میں شمار کیا جاسکتا ہے، حضرت مفتی مظفر حسینؒ کو خبر ملی تو بلایا اور فہمائش کی اور بطور سزا چند دن کیلئے خدمات مدرسہ سے معطل کر دیا، ملا جی کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو نادم ہوئے اور مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کے خواستگار ہوئے، مفتی صاحب نے تجدید ایمان و نکاح کے بعد فرمایا کہ نماز تہجد میں توبہ و استغفار کرتے رہو۔

تہجد کی عادت ایسی ہوئی کہ پھر شاید ہی کبھی دیدہ و دانستہ ان کی نماز تہجد فوت ہوئی ہو۔ وہ اصلاً مدرسہ کے دربان تھے، اصول پسندی ان کی مشہور تھی، مدرسہ کے اصول و قوانین پر سختی سے عمل پیرا رہتے تھے، مدرسہ کے معاملات میں صفائی ان کا شیوہ تھا، قرب و جوار میں حصول چندہ کے لئے بھی جاتے تھے لیکن بدمعاملگی کے واقعات کبھی سننے میں نہیں آئے، چونکہ معاملات صاف تھے اس لئے کسی سے بھی جھجکنے یا ہچکچانے کا کوئی تصور نہیں تھا، دل کے صاف تھے، اس لئے صاف بات کہتے تھے چاہے کسی کو تکلیف پہنچے یا خوشی۔

سفر میں جہاں جہاں جاتے تھے ہر جگہ کچھ مخصوص گھر ہی ایسے تھے جہاں کھانا کھاتے تھے، ہر کسی کی نہ تو دعوت قبول کرتے نہ ہی دعوتیں کھانے کا انھیں شوق تھا، کوئی کیسا ہی امیر کبیر فرد ہو موصوف قطعاً مرعوب نہ ہوتے تھے، مدرسہ والے وقتاً فوقتاً ان کی ذمہ داریوں میں کمی زیادتی کرتے رہتے تھے، چنانچہ دربان، مؤذنی، فراشی اور سفارت جیسے بہت سے امور موصوف نے خوش اسلوبی سے انجام دئے۔

بعد نماز موصوف کی عادت جہری دعا کی بھی تھی، سلام پھیرتے ہی دعا شروع کرا دیتے، حالانکہ اس قسم کا معمول فقہ حنفی کے خلاف ہے، ملا جی کو جب یہ معلوم ہو گیا تو احتیاط کرنے لگے۔

رمضان المبارک میں وہ قرب و جوار میں چندہ کے لئے جاتے تھے حسب عادت اس بار بھی قصبہ مرزاپور پول گئے ہوئے تھے، مرزاپور میں وہ کھانا جناب حافظ محمد یسٰین صاحب (مؤذن مظاہر علوم) کے گھر کھاتے تھے اور نمازیں مدرسہ مصباح العلوم میں ادا کرتے تھے، نماز مغرب کے دوران ساجد نے مسجود کے آگے ایسا سجدہ کیا کہ پھر سر نہ اٹھایا۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون** .... نماز جنازہ مرحوم کے گاؤں شکلاپوری میں حضرت اقدس ناظم صاحب مدظلہ نے پڑھائی، اور وہیں کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت مولانا حامد علی مظاہری

ناصرالدین مظاہری

مظاہر علوم کے قدیم فاضل، معقولات کے امام اور نامور علماء کے استاذ گرامی حضرت مولانا حامد علی خان سیتاپوریؒ بھی انتقال فرما گئے۔انا لله وانا اليه راجعون

مولانا موصوف اکبرپور، تمبور ضلع سیتاپور کے رہنے والے تھے، ان کے والد ماجد کا نام محمد صادق تھا جو پیشہ سے زمیندار تھے، آپؒ نے مظاہر علوم میں کئی سال تعلیم حاصل کی ،۱۳۷۸ھ میں تعلیم سے فراغت پائی۔

آپ کے دورۂ حدیث شریف کے رفقاء میں جناب مولانا نثار احمد اعظمی، جناب مولانا عبدالباقی بہرائچی، جناب مولانا اشفاق احمد میرٹھی، جناب مولانا رحمت اللہ اعظمی قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد مولانا موصوف قرب وجوار میں دینی، تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے، اس علاقہ میں ایک مشہور ومعتبر مدرسہ ضیاء العلوم تمبور ہے جہاں مولانا موصوف ایک طویل عرصہ تک پڑھاتے رہے، معقولات کی کتابیں آپ کے لئے نہایت آسان تھیں، اس فن کی کوئی بھی کتاب پڑھانے کا انھیں ملکہ تھا، شرح جامی، سلم العلوم، کافیہ، تہذیب، شرح تہذیب، مسلم الثبوت، شمس بازغہ، صدرا، مختصرالمعانی وغیرہ کتابیں مولانا موصوف کیلئے سہل تھیں۔

مشہور مقرر حضرت مولانا مفتی شکیل احمد قاسمی سیتاپوری مدظلہ اور معروف صحافی وانشاء پرداز مولانا مفتی محمد خبیر ندوی مظاہری اور بہت سے علماء حضرات مولانا حامد علیؒ کے شاگردان رشید میں سے ہیں۔

مدرسہ ضیاء العلوم میں طویل عرصہ تک خدمت انجام دینے کے بعد مدرسہ کے بعض اندرونی حالات کی کشمکش سے دلبرداشتہ ہوکر آپ مدرسہ ملت محلّہ قضیارہ شہر سیتاپور میں تشریف لے آئے، مدرسہ ملت میں لانے کے سلسلہ میں مدرسہ ملت کے ناظم حضرت مولانا ولی محمدؒ کی کوششوں کا کافی عمل دخل رہا۔

مولانا چونکہ مظاہری تھے اس لئے یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ بے مثال کتابی صلاحیتوں کے باوجود سادگی اور تواضع کا پیکر تھے۔

اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو جنت الفردوس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب عطا فرمائے۔

شیخ الحدیث حضرت مفتی محمد حنیفؒ جونپوریؒ

مولانا اشتیاق احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

درمیانہ قد، نہ موٹے نہ بالکل دُبلے؛ قدرے سانولا رنگ؛ اس پر شب بیداری کی دمک؛ گول چہرہ؛ کتابی رُخسار؛ قدرے بڑی آنکھیں؛ اس پر چشمہ؛ نیچے کا ہونٹ قدرے دبیز؛ ٹھوڑی پر ہلکی سی ڈاڑھی؛ اس میں چند بال سفید؛ سفید کرتا؛ سفید چوڑی دار پاجامہ؛ سفید گول سر سے چپکی ہوئی ٹوپی؛ سر پر سفید رومال؛ پاؤں میں ہلکی چپل، چال میں ادنیٰ سی لنگڑاہٹ اور بغل میں کوئی کتاب؛ کبھی ''احیاء علوم الدین''، کبھی ''فتح القدیر'' اور کبھی ''بخاری شریف'' کی شرح ''عمدۃ القاری'' یہ ہیں حضرت الاستاذ مفتی محمد حنیف صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جون پور (یوپی)؛ جن کے بارے میں بارہا اپنے مشفق ومربی استاذ گرامی قدر حضرت مفتی عبدالقادر صاحب بستوی مدظلہ، صدرالمدرسین مدرسہ قاسم العلوم منگراواں، اعظم گڑھ سے سنتا رہا، شرفِ زیارت اس وقت حاصل ہوا، جب چہارم عربی کے لیے گورینی میں داخلہ ہوا، حضرت مفتی صاحب مرحوم بخاری شریف پڑھانے کے لیے درس گاہ کی طرف جاتے، یا بکری کی دیکھ بھال کے لیے اِدھر اُدھر چلتے نظر آتے تو تھوڑی دیر کے لیے نگاہ ان پر ٹک جاتی تھی۔ اُن کی شخصیت میں کشش تھی، رعب تھا، عظمت تھی، وہ ہر ایک کے محبوب تھے، ریاض العلوم کے درودیوار بھی ان سے محبت کرتے تھے۔

سوانحی خاکہ

حضرت مفتی صاحبؒ اپنے نانہال پسری، جون پور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں ہی حاصل کی، ناظرہ قرآن پاک اور اردو اچھی طرح پڑھنے لگے، گاؤں کے اسکول میں داخلہ لے کر پرائمری درجہ چہارم میں بارہ اسکولوں کے طلبہ میں پہلی پوزیشن حاصل کی، اساتذہ، طلبہ اور عوام نے بڑی تعریفیں کیں، جج اور کلکٹر بننے کی پیش گوئی کی؛ لیکن حضرت نے اس کے بعد تعلیم موقوف کردی، بکریاں خرید لیں، مسجد کی خدمت اور نماز کا اہتمام کرنے لگے اور بس۔ ایک بار بھائی منیر (گاؤں کے ایک نیک آدمی) سے تصوف کے بارے میں سوالات کیے، انھوں نے حضرت تھانویؒ کی ''راحۃ القلوب'' پڑھنے کے لیے دی، بس کیا تھا کہ حالت بدل گئی، ہر وقت روتے رہتے تھے، لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاید شادی نہ

ہونے کی وجہ سے روتے رہتے ہیں؛ اس لیے کہ خاندان میں دو ہم عمروں کی شادیاں ہو چکی تھیں، اسی کیفیت میں حضرت تھانویؒ کو خط لکھا، حضرت نے اپنے خلفاء اور اصحابِ تربیت کی فہرست بھیجی اور خود ضعیفی کا عذر کیا، ان میں سے شاہ وصی اللہؒ کا آپ نے انتخاب فرمایا اور مزدوری کر کے ایک رہبر اور اپنا کرایہ جمع کیا، خدمت میں پہنچے، پھر واپس آ گئے، دوبارہ جا کر اپنے سارے احوال سامنے رکھے، حضرت نے پوچھا: تمہارے والد صاحب کتنے ماہ وار لے کر تعلیم و تربیت کے لیے چھوڑ دیں گے؟ عرض کیا: پندرہ روپے، حضرت نے اتنا دینا منظور فرما لیا، اب گھر سے کھانا آنے لگا، مسجد میں مؤذنی کرنے، بکری چرانے کے ساتھ تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کے بہت سے علوم عطا فرمائے، اور آپ نے علم و معرفت کی اشاعت کو ہی اوڑھنا بچھونا بنا لیا، اسی حال میں عالمِ فانی سے عالم جاودانی میں چلے گئے، تقریباً سو سال سے زیادہ کی عمر پائی، مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جون پور سے بیت العلوم سرائے میر، اعظم گڑھ تشریف لے گئے، پھر آخر میں مدرسہ دارالابرار جو ماں، پھول پور اعظم گڑھ میں رہے، وہیں طبیعت ناساز ہوئی اور وقتِ موعود آ گیا، ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ شنبہ کی شب ۹/ بجے داعیِ اجل کو لبیک کہا، تدفین مدرسہ کے احاطے میں عمل میں آئی انا للہ وانا الیہ راجعون؟

سبق کا انداز:

میں نے حضرت سے ''ہدایہ ثالث'' پڑھی ہے، حضرت سے پڑھنے کی تمنا دو سال سے تھی، چہارم عربی میں داخلے کے بعد شرح وقایہ اور اگلے سال ہدایہ اولین (پنجم عربی) پڑھ کر مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف کے ساتھ ہدایہ آخرین (ششم عربی) پڑھنے کا انتظار تھا۔ گھنٹہ لگنے کے بعد میرے بعض ساتھی حضرت مفتی صاحب کے حجرے میں جاتے، حضرت سبق کے لیے تیار رہتے، ہدایہ پڑھانے کے لیے ''فتح القدیر'' اپنے سینے سے لگاتے اور ہلکی سی لنگڑاہٹ کے ساتھ درس گاہ کی طرف روانہ ہوتے، کبھی ہم لوگوں کے اصرار پر کتاب دے بھی دیتے، درس گاہ میں قدم رکھتے ہی زور سے سلام کرتے، سارے طلبہ جواب دیتے اور مسکراہٹوں کے ساتھ استقبال کرتے، حضرت اپنی نشست پر آتے ہی چاروں طرف نگاہ ڈالتے حاضری کا یہی طریقہ تھا، اگر کوئی غیر حاضر ہوتا تو وجہ دریافت کرتے، پھر عبارت پڑھی جاتی، بغور سنتے اور غلطی بتاتے، پھر پہلے صورتِ مسئلہ سمجھاتے، طبیعت میں مزاح بہت تھا، معاملات کے ابواب میں صورتِ مسئلہ کو بڑے دلچسپ انداز میں سمجھاتے تھے، فریقین کی نقالی بھی کرتے، جھگڑے کی بھی،

دیہاتی عورتوں اور مردوں کی بھی نقالی کرتے، خالص پوربی یوپی کی زبان بولتے اس انداز سے کہ ان کو کوئی عالم بھی تصور نہیں کرسکتا تھا، ان کے ایک ایک جملے سے درس گاہ میں ہنسی اور مسکراہٹ پھیل جاتی تھی، فاش باتوں کو بولنے سے بھی احتراز نہ کرتے، باتیں بالکل تحقیقی اور دوٹوک بتاتے تھے، اصول وضوابط اور قواعد فقہیہ پر منطبق کرتے چلے جاتے، کبھی کبھی فتح القدیر کی عبارت بھی سناتے ان کے سبق میں کسی بھی طالب علم کو تشنگی باقی نہیں رہتی، اتنا پُر مزاح اور اتنا تحقیقی کسی کا سبق نہ ہوتا تھا۔ درمیان درمیان میں اصلاحِ باطن سے متعلق باتیں بھی بتاتے رہتے تھے، پورا ایک گھنٹہ کیسے گزر جاتا کسی کو احساس تک نہ ہوتا تھا۔ معاملات کی نئی شکلوں سے بھی خوب واقف تھے، سبق سے اندازہ ہوتا کہ نئے مسائل ان کے نزدیک بالکل پانی پانی ہیں، ہر ایک کو فقہی اصول اور ضوابط پر منطبق کر کے سمجھاتے تھے۔

دورۂ حدیث شریف کے طلبہ کو بخاری شریف پڑھاتے تھے، درس گاہ میں ''عمدۃ القاری'' ساتھ لے کر جاتے اور سال بھر ایک ہی انداز سے پڑھاتے، اخیر میں جب زیادہ حصہ باقی رہ جاتا تو سرداً پڑھاتے، ان کو بخاری شریف سے بڑی مناسبت تھی، انھوں نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ سے بخاری شریف پڑھی تھی، جو دس سال میں پوری ہوئی۔

ایک موقع سے سنایا کہ جب میں نے بخاری شریف شروع کی تو حضرت ؟ نے پوچھا: پچاس صفحے سمجھ کر پڑھوگے یا پانچ سو صفحے بلا سمجھے؟ تو میں نے کہا: سمجھ کر پڑھوں گا، چاہے مقدار میں کتنی ہی کم ہو، تو حضرت نے فرمایا کہ پھر تیار ہو جاؤ؛ چنانچہ روزانہ شروحِ بخاری سے تیاری کر کے جاتا اور حضرت کے سامنے پڑھتا، اس طرح دس سال میں بخاری شریف پوری ہوئی اور حضرت نے فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ کوئی مدرسہ ہوتا اور اس میں تم بخاری شریف پڑھاتے!

اس ملفوظ کے بارے میں اہل علم کہتے ہیں کہ ریاض العلوم گورینی حضرت الہ آبادی؟ کی خواہش کی تعبیر ہے اور اس میں حضرت مفتی محمد حنیف صاحب کا بخاری پڑھانا بھی۔

سال کے اخیر میں فجر بعد بھی سبق ہوتا تھا، اس میں غیر حاضری کرنے والوں کی بڑی دُرگت بناتے تھے اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھے بغیر اگر کوئی سبق میں آتا تو اس کو بھی خوب تنبیہ فرماتے اور اگر کوئی جھوٹ موٹ بولتا کہ نماز جماعت سے پڑھی ہے تو پوچھتے: امام نے کون کون سی سورت پڑھی تھی؟ میں دیکھتا کہ بعض ایسے طلبہ ہم لوگوں سے پوچھتے کہ آج امام صاحب نے کون کون سی سورت پڑھی تھی؟ حضرت مفتی صاحب باطنی اصلاح کی طرف بھی خوب توجہ دیتے تھے۔ سال کے اخیر میں بخاری شریف

ختم ہوتی کسی کو معلوم ہوتا اور کسی کو نہیں، بعض وقت کچھ طلبہ دعا میں شریک ہونے کے لیے جمع بھی ہو جاتے تھے۔

ان کے سبق کی ایک خاص بات یہ بھی دیکھی کہ اگر کوئی مہمان آجاتا تو بھی سبق کا انداز، گفتگو کا اسلوب وہی رہتا، بالکل فرق نہ پڑتا، جس طرح ظاہر و باطن کو ایک جیسا رکھنے کی تلقین فرماتے، ویسے ہی رہتے بھی تھے۔

تربیت کا انداز

حضرت مفتی صاحب طالب علم کی تربیت پر توجہ دیتے تھے، وہ یہ چاہتے تھے کہ طالب علم اُن کو دیکھ کر ان جیسا بننے کی کوشش کرے، ان کے شب و روز طلبہ کے سامنے تھے، ان کا دروازہ بھی شاید کبھی بند نہ ہوتا تھا، اسی کے ساتھ منکر پر نکیر بھی کیا کرتے تھے، طالب کی وضع قطع کو بھی بغور دیکھتے تھے، ڈاڑھی، ٹوپی، لباس پوشاک کو بزرگوں جیسا رکھنے کی تلقین کرتے، کسی کے بال بڑے ہوتے تو چھوٹے کرانے کا اشارہ فرماتے، اگر کپڑے میں زیادہ کڑھائی نظر آتی تو اس پر متوجہ کرتے کہ یہ طالب علمانہ شان کے خلاف ہے۔

کبھی کبھی نماز کے لیے جگانے آتے، خصوصاً ظہر کی نماز کے وقت کمروں اور درس گاہوں کے پاس سے گزرتے اور کوئی سوتا ہوا ملتا تو جگاتے، مفتی صاحب اپنے کمرے سے نکلتے تو طلبہ میں بھگدڑ مچ جاتی، کبھی اپنی چپل دونوں ہاتھوں میں لے کر چلتے اور جو سویا ہوا مل جاتا اس کو بجاتے، پہلے چلاتے جب نیند کھل جاتی تو دونوں چپلوں سے مارنے کے لیے دوڑاتے، اسی طرح مسجد پہنچتے اور حوض پر کوئی وضو کرتا ملتا تو اس کو بھی دوڑاتے، ڈانٹتے کہ پہلے ہی سے نماز کی تیاری کیوں نہ کی؟

ایک بار ایک استاذ صاحب جو ان کے شاگرد تھے، ان کو بھی دوڑایا، ڈانٹا، اس پر کسی نے بعد میں کہا کہ حضرت! آپ نے فلاں استاذ کو بھی نہیں چھوڑا! کہنے لگے: ماما! جب عذاب آتا ہے تو عام ہوتا ہے (ماما، ان کا تکیہ کلام تھا، عزیز، خادم اور نوکر کے معنی میں)

معمولات

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات کو صحیح ڈھنگ سے وہی خادم بیان کرسکتا ہے جو حضرت کے قریب رہتا تھا اور ان کے شب و روز کو بہ غور دیکھتا تھا، میں تو کبھی کبھی ملاقات کرنے کمرے

جاتا تھا (اس کے لیے واسطہ میرے دوست مفتی محمد طلحہ بنتے تھے، وہ میرے مربی بھی تھے اور نگراں بھی، بیگوسرائے کے رہنے والے بالکل کالے کلوٹے؛ لیکن دل کے بالکل گورے، جن کو کئی بار حضور اکرم ... کی زیارت نصیب ہوئی، طالب علمی کے زمانے میں ان کی کرامت خوب دیکھی گئی، وہ مفتی صاحب کے عاشق تھے، حضرت مفتی صاحب کس وقت بیدار ہوتے تھے، عام طور سے کسی کو معلوم نہ ہوتا۔ بکریوں کو باہر کرتے ان کو پیشاب کراتے، ان کا باڑہ صاف کرتے، ان کے کھانے کے لیے بھوسہ وغیرہ تیار کرکے دیتے، کبوتر کو دیکھتے، پھر نہاتے دھوتے۔ ذکرواذکار سے فارغ ہوتے اور اگلی صف میں پہنچ کر فجر کی نماز ادا فرماتے۔ تعلیمی گھنٹوں کی ترتیب میں جس جماعت کی کتاب ہوتی پڑھاتے، افتاء کے طلبہ کمرے جاکر پڑھتے تھے، ہدایہ اور بخاری شریف حضرت درس گاہ میں آکر پڑھاتے تھے، پڑھانے کے بعد بکریوں کی دیکھ بھال میں لگ جاتے، دوپہر کو کھانا کھاتے ہی قیلولہ کرتے، پھر ظہر بعد بھی پڑھاتے یا مطالعہ کرتے، کبھی کسی فتویٰ پر دستخط کرتے بھی میں نے دیکھا، مغرب بعد یا عشاء بعد کچھ مطالعہ کرتے، پھر سوجاتے تھے۔

جمعرات کا معمول

حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا معمول لکھا ہے کہ وہ ہفتہ میں ایک دن صحابہ وتابعین کے سامنے بیان فرماتے تھے، اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب ہر جمعرات کو بلاناغہ ظہر کی نماز کے بعد عصر کے پہلے پہلے تک بیان فرماتے تھے، اس میں قرب وجوار کے بہت سے اہل ذوق آجاتے تھے، اس میں حضرت کے مرید زیادہ ہوتے تھے۔ طلبہ کی بھی اچھی خاصی تعداد شریک ہوتی تھی۔

اس میں ''احیاء علوم الدین'' اپنے سامنے رکھتے اور کوئی ایک جگہ سے پڑھتے پھر بیان شروع ہوجاتا، اکثر ایسا بھی ہوتا کہ دوبارہ کتاب کی طرف دیکھنے کی نوبت نہیں آتی؛ لیکن معمول ہمیشہ کتاب سامنے رکھ کر بیان کرنے کا تھا، البتہ! جلسہ میں بلا کتاب دیکھے گھنٹوں بیان فرماتے تھے۔

جمعرات کی مجلس کو میرے ایک درسی ساتھی جناب مفتی ابوالکلام بارہ بنکی (جو ب لکھنؤ میں ہیں) رکارڈ کرکے کاپی میں نقل کرتے تھے، اک ضخیم کاپی تیار ہوگئی تھی، معلوم ہوا کہ وہ جناب مفتی محمد حمزہ گورکھپوری مدظلہ کے پاس ہے، اس کاپی میں علوم ومعارف کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہے، خدا کرے مرتب ہوکر شائع ہوجائے؛ تاکہ عام قارئین اس سے مستفید ہوں۔

مزاج و مذاق

حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے حد درجہ سادگی عطا فرمائی تھی، ان کا لباس، کرتا، پاجامہ رومال اورٹوپی تھا، پاجامہ چوڑی دار پہنتے تھے اور ٹوپی پانچ کلی پسند کرتے تھے؛ اس لیے کہ وہ سر سے چپکی ہوتی ہے، سر سے چپکی ہوئی ٹوپی سنت کے زیادہ قریب ہے۔

اپنا کپڑا خود دھوتے تھے، فجر سے پہلے ہی نہادھوکر تروتازہ ہوجاتے تھے۔ زمین پر ہی سوتے تھے، ان کے کسی طرز سے کبھی تکلف محسوس نہ ہوا؛ بلکہ فقر ومسکنت ٹپکتی تھی، ابوعبیدہ ابن الجراحؓ کی زندگی یاد آتی تھی۔

حضرت تھانویؒ کے عاشق تھے، ان سے ہی مکاتبت کے ذریعہ آپ کی زندگی میں تبدیلی آئی اور بڑی عمر میں پڑھنا شروع کیا۔

فتاویٰ اور مسائل میں متداول عربی کتابوں سے استفادہ کرتے، مثلاً رد المحتار، فتح القدیر، بدائع الصنائع، عالم گیری، البحر الرائق اور اکابر کے فتاویٰ اور ان کی آراء کا بھی بہت زیادہ پاس ولحاظ فرماتے تھے، ان میں بھی حضرت تھانوی کی رایوں کو بڑی اہمیت دیتے تھے، حضرت مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی کی تصانیف بھی سامنے رکھتے تھے۔

طلبہ افتاء کی تربیت بھی اسی طرح کرتے تھے کہ ایک طرف وہ محقق ہوں، دوسری طرف اسلاف واکابر کے نہج کو نہ چھوڑیں۔

لطیفہ سنجی:

حضرت مفتی صاحب مرنجا مرنج شخصیت کے حامل تھے، خوش رہتے اور خوش رکھتے تھے، ان کی ایک ایک تعبیر پر ہنسی آتی تھی، پوربی اردو کی ٹھیٹھ دیہاتی اور وہ بھی بالکل صریح تعبیرات، حضرت بعض ایسے فاش الفاظ بھی بولتے تھے جو عام لوگ نہیں بولتے، اسی لباس میں انھوں نے اپنی بزرگی چھپا رکھی تھی، قرب وجوار کے دیہاتی بھی حضرت کی مجلس میں خوب آتے تھے۔

وعظ کی مجلس میں ایک صاحب نے دعا کی درخواست کی تو مفتی صاحب نے برجستہ فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائیں! دعا تو بہت اچھی تھی؛ مگر زندہ کو یہ دعا عام طور سے نہیں دی جاتی؛ اس لیے درخواست کرنے والا، بالکل دم بخود رہ گیا۔

رحم وکرم

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں تصلب اور جماؤ تھا، ان کو شریعت کے اصول وضوابط پر اترے ہوئے موقف سے کوئی ہٹا نہیں سکتا تھا، اسی کے ساتھ رحم وکرم کا جذبہ بھی خوب سے خوب تھا، طلبہ کو اپنی اولاد جیسی محبت دیتے تھے، مختلف ضرورتوں میں ان کی مدد بھی کرتے تھے؛ البتہ اس میں اخفا بہت زیادہ ملحوظ رکھتے تھے۔

بغض فی اللہ

حضرت مفتی صاحبؒ بڑے با اخلاق، خوش مزاج اور مرنجا مرنج شخصیت کے حامل تھے، ان کی مجلس میں بڑا جی لگتا تھا، گم صم نہیں رہتے تھے، بہت سی باتوں کو برداشت کر لیتے تھے؛ لیکن جو بات شریعت کے خلاف ہوتی، اُسے ہرگز برداشت نہ فرماتے، اگر کوئی مستفتی اپنے موافق جواب حاصل کرنے کی کوشش کرتا تو اس پر سخت ناراض ہوجاتے، اسے اپنی مجلس سے بھگا دیتے، اگر کسی پر زیادہ غصہ آتا تو اس کو مدرسہ کے گیٹ سے باہر کر دیتے، ایک بار ایک مستفتی اسی قسم کا آیا تھا، سنا گیا کہ اس کی کار کو بچوں سے دھکا دلا کر حوض میں ڈلوا دیا۔ واللہ اعلم

ایک آدمی آیا اس نے زبان سے سلام کرنے کے بجائے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا، اس خلافِ سنت طریقہ پر حضرت کو غصہ ہوا، حضرت نے بائیں ہاتھ سے داہنے ہاتھ کی کہونی پکڑی اور مٹھی باندھ کر داہنا ہاتھ ہلایا، اس پر اس آدمی نے پوچھا: حضرت! یہ کیا طریقہ ہے؟ حضرت نے فرمایا: آپ نے تھوڑا ہاتھ دکھایا تو میں نے پورا ہاتھ دکھا دیا، اس نے کہا: حضرت! میں نے تو سلام کیا، حضرت نے فرمایا: سلام زبان سے کیا جاتا ہے، آپ سامنے تھے، آپ نے زبان سے تو سلام کیا نہیں صرف ہاتھ ہلا دیا، یہ طریقۂ سنت کے خلاف ہے۔ اگر کوئی دور ہو آواز نہ پہنچ سکتی ہو تو اشارہ کرنا جائز ہے۔ قریب رہ کر صرف اشارہ کرنا سلام کے قائم مقام نہیں ہوتا۔

ایک بار ایک صاحب نے دیہات میں ایک مسجد بنائی اور وہاں جمعہ کی نماز قائم کرنا چاہ رہے تھے، انھوں نے اس کے لیے ایک کتاب لکھی ''دیہات میں جمعہ کے جائز ہونے کی تحقیق'' جب یہ کتاب حضرت مفتی صاحب نے دیکھی تو اُلٹی پلٹی دلیلوں سے پُر تھی، حضرت نے قلم اٹھایا اور ایک کتاب لکھی: ''القِریٰ لمن یُجوّزُ الجمعۃَ فی القُریٰ'' یعنی دیہات میں جمعہ کے ناجائز ہونے کی تحقیق۔

اس کتاب میں حضرت نے اپنے بغض فی اللہ والی طبیعت کا خوب مظاہرہ فرمایا ہے۔ کتاب پڑھنے کے لائق ہے، پھر صاحب کتاب نے اپنے موقف سے رجوع کرلیا۔

ناچیز راقم الحروف نے مدرسہ ریاض العلوم گورینی جون پور میں تین سال تعلیم حاصل کی ہے، حضرت مفتی صاحب کو قریب سے دیکھنے کا موقع نصیب ہوا ہے، عموماً جمعرات کو مغرب یا عشاء بعد حضرت کی خدمت میں چلا جاتا تھا، ان کی خدمت میں کچھ دیر گزار کر آتا، ان کی باتیں سنتا، ان سے کچھ سوالات کرتا اور ان کے معمولات کو اپنے ذہن و دماغ میں بساتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کی بخاری شریف کا سوال نامہ

ریاض العلوم گورینی میں مشکوٰۃ شریف پڑھ کر میں دارالعلوم دیوبند آگیا تھا، ارادہ تھا کہ یہیں سے سند فراغ حاصل کروں؛ چنانچہ سال پورا ہوا، اس وقت ناظم تعلیمات حضرت الاستاذ مولانا قمرالدین گورکھپوری مدظلہ تھے، معلوم ہوا کہ بخاری شریف کا پرچہ حضرت مفتی محمد حنیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بنوایا گیا ہے، اس سے ہم لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ پرچہ دارالعلوم دیوبند کے معیار کے مطابق تھا، نہ بالکل سہل اور نہ اتنا مشکل کہ حل نہ ہوسکے۔

ریاض العلوم گورینی میں ہماری ''قطبی'' کا سوال نامہ بھی حضرت مفتی صاحب نے بنایا تھا اور کاپی بھی خود چیک کی تھی، نمبر بہت اچھا دیتے تھے، نمبر دینے میں بخیل نہیں تھے۔

دارالعلوم وقف دیوبند سے تدریس کا خط

حضرت مفتی صاحب ہندوستان کے لائق و فائق گنے چنے مفتیوں میں سے تھے اور حدیث شریف کے منجھے ہوئے مدرس بھی، جب حضرت نے مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے علاحدگی اختیار کرلی اور بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ، چلے گئے، تو دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم حضرت اقدس مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم نے حضرت مفتی صاحب کو ایک طویل خط لکھا اور اس میں دارالعلوم آنے اور بخاری شریف پڑھانے کی خواہش ظاہر فرمائی، وہ خط پورے ایک صفحہ کا تھا، اس کے ایک ایک جملہ میں حضرت مفتی صاحب کی قدر افزائی نظر آتی تھی؛ لیکن حضرت مفتی صاحب چوں کہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ کے حکم یا مشورہ سے بیت العلوم گئے تھے، اور زندگی بھر رہنے کا ارادہ کرلیا تھا؛ اس لیے آپ نے ایک طویل مکتوب کے ذریعہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب سے معذرت کرلی، ان دونوں خطوں کی

فوٹو کاپی مجھے حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بستوی شیخ الحدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی نے دی تھی؛ لیکن وہ ضائع ہوگئی، اب جب مضمون لکھنے بیٹھا ہوں تو اس کا بہت افسوس ہو رہا ہے۔

مظاہر علوم (وقف) سہارنپور سے بلاوا:

مظاہر علوم وقف سہارنپور کے ناظم و مہتمم اور وقت کے عظیم بزرگ حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ نے بھی مفتی صاحب کو مظاہر علوم کے مسند فقہ و افتاء کو زینت بخشنے کے لئے ایک بار تحریری مکتوب ارسال فرمایا، مفتی صاحبؒ اپنے ضعف اور پیرانہ سالی اور گھریلو حالات کے باعث وہاں بھی نہ جاسکے۔

حضرت مفتی صاحب سے مضمون نگاری کی درخواست

میرے ذہن میں یہ بات رہتی تھی کہ اچھے علم کے ساتھ اچھی قلم کاری بھی ضروری ہے، علم وشریعت کی اشاعت یا تو آدمی زبان سے کرسکتا ہے یا قلم سے، زبان کا ایک دائرہ ہے وہ محدود ہے، لیکن قلم کا دائرہ محدود نہیں، قلمی خدمات میں ایک قسم کا استمرار اور خلود ہوتا ہے؛ جب کہ زبان سے کی گئی خدمات جلد حادث ہوجاتی ہیں، یہ جذبہ اس وقت پیدا ہوا جب میں نے حضرت استاذ مفتی عبدالقادر صاحب بستوی مدظلہ کی تصنیف ''شراب ایک زہر قاتل'' دیکھی، وہ کتاب گورینی کی طالب علمی کے زمانہ میں لکھی گئی تھی، میرا جی چاہ رہا تھا کہ کسی استاذ صاحب سے پہلے مضمون نگاری سیکھوں اس کے بعد تصنیف سیکھوں گا۔ چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنا پہلے سے حضرت الاستاذ سے سیکھ چکا تھا۔ مزید ترقی کے لیے بہت سوچ کر حضرت مفتی محمد حنیف صاحبؒ کے پاس گیا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا، حضرت نے پہلے تو فرمایا: ''مجھے مضمون نگاری نہیں آتی''، میں نے اصرار کیا اور کہا: حضرت! آپ کیسے انکار کررہے ہیں آپ کی تو فلاں فلاں کتاب ہے، وہ میں نے پڑھی ہیں، اس پر حضرت نے فرمایا: ٹھیک ہے، جب دورۂ حدیث شریف کے بعد افتاء [1] پڑھوگے تو سکھادوں گا۔ میں نے اپنے جی میں کہا: ارادہ تو دیوبند جانے کا ہے، فضیلت کے بعد وہیں افتاء بھی پڑھوں گا (ان شاءاللہ)، اب تو بہ ظاہر حضرت مفتی صاحب سے سیکھنا مشکل ہے، میں مایوس ہوکر واپس چلا آیا۔

ایک دن جمعرات کو بعد نماز ظہر تقریر کے دوران اصلاح باطن کے ضمن میں کہنے لگے کہ بعض طلبہ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے مضمون نگاری سکھادیجیے! میں بالکل قریب سامنے ہی بیٹھا تھا، میں نے سوچا آج ہوئی بے عزتی، اگر نام لے لیا تو بھی اور اشارہ کردیا تو بھی؛ مگر حضرت نے اس مجلس میں نہ تو

نام لیا اور نہ ہی اشارہ کیا، میں خوش ہوا، بات یہ تھی کہ نفس شہرت طلب ہے، اس کے لیے وہ مختلف حیلے بہانے کرتا ہے، کسی کا جی اخباروں کے ذریعہ شہرت حاصل کرنے کا ہوتا ہے، جیسے طلبہ مضمون نگاری اس لیے سیکھتے ہیں کہ اُن کے مضامین اخباروں میں چھپیں اور ان کو لوگ جانیں، ان کی واہ واہ ہو۔

ہفتہ کے دن درس گاہ میں مجھے مخاطب کر کے کہا: ''ماما آئے تھے مضمون نگاری سیکھنے، کیا مقصد تھا؟'' اب سارے ساتھیوں نے میرا مذاق بنالیا، حضرت نے فرمایا: محنت سے ہدایہ پڑھو، لکھنا بھی آجائے گا اور بولنا بھی، طالب علمی کے زمانے میں یکسوئی مطلوب ہے۔

سبق کے بعد ساتھیوں نے پھر مجھے موضوع بنایا، میں نے کہا: میں تو ایک دن مضمون نگاری ضرور سیکھوں گا، حضرت کا مقصد منع کرنا نہیں؛ بلکہ شہرت طلبی کی اصلاح اور یکسوئی سے پڑھنے کی تلقین ہے۔ اگلے سال دیوبند آ گیا اور یہاں میرے اس ذوق کی آبیاری ہوئی، دیواری پرچوں میں بلا ناغہ مضمون لکھنے لگا، اردو کے ساتھ عربی میں بھی لکھنے کی کوشش کی اور الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیابی عطا فرمائی۔ اسی مسلسل لکھتے رہنے کی برکت ہے کہ آج حضرت مفتی صاحبؒ پر بھی خامہ فرسائی کی جرأت حاصل ہو رہی ہے۔ بڑے اچھے لوگ تھے ان کی نظر ظاہر اور باطن دونوں پر ہوتی تھی، آج ہم باطن سے غافل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائیں، گناہوں کو معاف فرمائیں اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائیں،

آمین یا ربَّ العالمین

اگر آپ چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ کسی بھی مجلس میں آپ کی غیبت نہ ہو تو اپنی زبان کو لگام دو...... اپنی مجلسوں کو غیبتوں سے پاک وصاف کرو...... اگر آپ کے دوست واحباب برے ہیں تو آپ قطعی اچھے نہیں ہو سکتے...... نفس کی مانو گے تو نبی کی نہیں مانو گے...... نبی کی مانو گے تو قرآن کی مانو گے، قرآن کی مانو گے تو جنت پاؤ گے...... خلاف کرو گے تو سیدھے جہنم جاؤ گے...... یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں جو بھی بوؤ گے آخرت میں وہی کاٹو گے تو پھر کیوں نہ اچھائیوں اور سچائیوں کی کاشت کریں تاکہ رب کی رضا اور خوشنودی کے مستحق ٹھہریں؟ (افکار ناصر سے انتخاب)

حضرت مولانا ریاست علی بجنوری

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

حمد وستائش اس ذات کے لیے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود وسلام اس کے آخری پیغمبر پر جنھوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

اس رمضان المبارک سے کچھ پہلے قافلہ دارالعلوم دیوبند کے ایک عظیم رکن حضرت مولانا ریاست علی بجنوری رحمہ اللہ علیہ کے حادثۂ وفات کی خبر نے اہلِ علم ودین کی صفوں میں رنج وغم کی لہر دوڑا دی، انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون

حضرت مولانا رحمہ اللہ علیہ سے مجھ ناکارہ کو شرفِ ملاقات تو دو تین بار سے زیادہ حاصل نہیں ہوا؛ لیکن ان کی تحریروں، ان کے ترانہ دارالعلوم اور ان کی دوسری خدمات کی بنا پر وہ دل سے ہمیشہ قریب رہے، جس سال انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر تعلیم کے سلسلے کا آغاز کیا اسی سال میں نے اور میرے بڑے بھائی حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے دارالعلوم کراچی میں تعلیم شروع کی اور جس سال وہ دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے، اس سے اگلے سال ہم نے دارالعلوم کراچی میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی، وہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمہ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے، انھوں نے ہی موصوف کے درسی افادات کو قلم بند کیا تھا اور ''ایضاح البخاری'' کے نام سے ان کو ترتیب دے رہے تھے، جس کی دس جلدیں شائع ہوکر مقبول ہو چکی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا ماہانہ رسالہ ''دارالعلوم'' بھی ایک عرصے تک آپ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا اور آخری لمحات تک وہ دارالعلوم دیوبند کے قابل اور مقبول اساتذۂ کرام میں شمار ہوتے تھے، جہاں آپ نے ابتدائی درجات سے لے کر تخصصات تک کی کتابیں کامیابی کے ساتھ پڑھائیں اور چند سال سے جامع ترمذی جلد اوّل شروع سے کتاب النکاح تک آپ ہی کے زیرِ تدریس تھی اور امسال بھی انھوں نے ترمذی شریف مذکورہ مقام تک پڑھائی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں علمی وادبی ذوق کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، ان کی اسی خصوصیت کی بنا پر انھیں ''شیخ الہند اکیڈمی'' کے نگراں کی ذمہ داری سونپی گئی تھی اور ان کے ادبی مقام کا شاہدِ صدق اُن کا وہ ترانہ دارالعلوم ہے جو انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے اجلاسِ صد سالہ سے پہلے کہا تھا، اجلاسِ صد سالہ

پڑھے جانے کے بعد اس کے دلکش، پُر جوش اور دل سے نکلے ہوئے اشعار کی گونج پورے برصغیر میں پھیل گئی اور اب دینی مدارس کے جلسوں میں عموماً یہ ترانہ بڑے ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے اور اس مضمون کے آخر میں، میں اسے مکمل نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

میں ایک مرتبہ اپنے شیخِ ثانی حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب قدس سرہ کی صحبت میں چند روز گزارنے کے لیے ہندوستان گیا تھا، اس موقع پر چند روز دیوبند میں بھی گزارنے کی نوبت آئی، اس موقع پر حضرت مولانا بجنوری رحمہ اللہ علیہ نے غایتِ محبت وشفقت سے بندہ کے اعزاز میں ''شیخ الہند اکیڈمی'' کی طرف سے ایک تقریب منعقد فرمائی جس میں علماء کرام کو بہ طورِ خاص مدعو کیا گیا تھا، اس موقع پر انھوں نے مجھ ناکارہ کی جس طرح ہمت افزائی فرمائی، وہ بندہ کے استحقاق سے بہت زیادہ تھی۔

ان کی طبیعت میں سادگی، تواضع اور بے تکلفی ایسے اوصاف تھے کہ بندہ کو ان سے خاص مناسبت معلوم ہوتی تھی۔

اب آخری بار جب دارالعلوم دیوبند میں میری مختصر حاضری ہوئی اور اہلِ دارالعلوم نے ''جامع رشید'' میں مجھ سے خطاب کی فرمائش کی، تو اس موقع پر تعارفی کلمات بھی حضرت مولانا ریاست علی صاحب رحمہ اللہ علیہ نے فرمائے اور ان کا یہ جملہ، جو ان کی انتہائی تواضع اور خورد نوازی کا مظہر ہے اور بندہ کے لیے ایک فالِ نیک، مجھے بھولتا نہیں ہے، انھوں نے فرمایا تھا: ''جب دارالعلوم میں کوئی مہمان آتا ہے تو ہم اس کے سامنے دارالعلوم دیوبند کا تعارف پیش کرتے ہیں؛ لیکن آج ہمارے یہاں ایک ایسے مہمان آئے ہیں جن سے ہمیں پوچھنا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کیا ہے''؟

بات تو میری حیثیت سے بہت اونچی تھی؛ لیکن ایک فالِ نیک کے طور پر بندہ کے ذہن میں محفوظ ہوگئی۔

مولانا شعبان ۱۴۳۸ھ) کی درمیانی رات میں بہ عمر ۷۷ سال وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

اللہ تعالیٰ ان کو درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرما کر ان کے صاحبزادگان مولانا محمد سفیان، مولانا محمد عدنان اور مولانا محمد سعدان صاحب کو ان کا خلفِ صدق بنا کر ان کے آثر کو زندہ رکھنے اور ان کے کام کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائیں! آمین!

امیر شریعت مولانا مفتی اشرف علی باقوی

مولانا بدر الحسن القاسمی (کویت)

مولانا مفتی اشرف علی باقوی امیر شریعت کرناٹک و مہتمم وشیخ الحدیث دار العلوم سبیل الرشاد (بنگلور) کے انتقال کی خبر صاعقہ اثر ثابت ہوئی اور پیش آنے والے اس حادثہ نے سارے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

مصائب اور تھے پر ان کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہوگیا ہے

۸ ستمبر ۲۰۱۷ء بروز جمعہ صبح سویرے جب یہ اطلاع ملی تو شدید صدمہ کے ساتھ دل میں یہ خواہش رونما ہونے لگی کہ کاش یہ خبر غلط ہوتی، لیکن موت سے کس کو رستگاری ہے۔ جو آیا، جانے ہی کے لئے آیا ہے اور جسے زندگی کا روگ لگ گیا ہے اسے مرنا ہی ہے۔

اس طرح کے واقعات کے پیش آنے پر ایک طرف جانے والے کی زندگی کے جلوے حافظے کی اسکرین پر ظاہر ہونے لگتے ہیں اور دوسری طرف کسی بھی وقت خود بھی اس طرح کی ناگہانی صورت حال سے دوچار ہونے کا خوف بھی ستانے لگتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے ''موت سے بڑا کوئی واعظ نہیں ہے، (کفی بالموت واعظاً)۔

جانے والے کے محاسن بے شمار ہیں، مفتی اشرف علی صاحبؒ کی موت کسی ایک فرد کی موت نہیں ایک زمانہ کی موت اور پوری ملت کا خسارہ ہے، وہ علمی اعتبار واستناد کے ساتھ عالمانہ وقار ومصلحانہ و داعیانہ اوصاف سے سرشار اور جذبۂ عمل سے بھرپور شخصیت کے مالک تھے، ان کی ظاہری سطح بیحد خاموش اور پرسکون نظر آتی تھی لیکن ان کے دل میں ایک آتش فشاں تھا جو ان کو بے چین رکھتا تھا اور ملت کا ہر المیہ ان کو مضطرب کر دیتا تھا۔

ان کا دائرۂ عمل صرف جنوبی ہند، صوبہ کرناٹک تک محدود نہیں تھا، چنانچہ ملک کے تقریباً سبھی متحرک اور فعال اداروں سے نہ صرف وہ وابستہ تھے بلکہ ان کی سرگرمیاں خود ان کی زندگی کا ایک حصہ تھیں۔ وہ فقہ اکیڈمی کے نائب صدر، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے فعال رکن، ملی کونسل کے ذمہ داروں میں اور دار العلوم (وقف) دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ سب کی شوری کے اہم رکن تھے اور وہ ملت کے ہر پروگرام میں اسٹیج کی زینت ہوا کرتے تھے، ان کے انتقال کے سانحہ سے فقہ اکیڈمی کو

بھی زبردست نقصان پہنچا ہے۔ اب جبکہ ایک طرف نئے مسائل کی پیچیدگی ہے تو دوسری طرف مستند مفتیوں اور فقہاء کا عمومی فقدان، مولانا کے جانے سے صرف انتظامی نہیں علمی نقصان بھی ہوا ہے جس کی تلافی ضروری ہے تاکہ فتوؤں اور قراردادوں کا وقار واعتبار برقرار رہے۔

مولانا اشرف علی کی تعلیم ''باقیات الصالحات'' اور دارالعلوم دیوبند میں ہوئی، انھوں نے ام المدارس دارالعلوم کے خیر القرون کی جھلکیاں دیکھیں تھیں، صحیح بخاری انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے آخری باکمال و بے مثال شیخ الحدیث یادگار شیخ الہندؒ وعلامہ کشمیریؒ حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ سے پڑھی، علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوریؒ وغیرہ سے فیض پایا۔ فراغت اور افتاء کی مشق کے بعد اپنے والد بزرگوار کے زیر سایہ دارالعلوم سبیل الرشاد کی تدریس اور تعمیر وترقی کی مہم میں لگ گئے، دیگر فنون کی کتابوں کے ساتھ ''شیخ الحدیث'' کا منصب ان کو عنفوان شباب ہی میں مل گیا۔

وہ ایک کامیاب مدرس، ماہر اور صاحب بصیرت مفتی ہونے کے ساتھ زبان آور خطیب بھی تھے، پاکیزہ ادبی ذوق اور شعر فہمی وشعر گوئی کا سلیقہ بھی رکھتے تھے۔

ان کی تقریریں زبان و بیان کی لطافت کے ساتھ بیحد مؤثر ہوا کرتی تھیں خاص طور پر سیرت کے موضوع پر ان کی زبان کی شستگی اور تعبیرات کی برجستگی سامعین کو مسحور کیے رکھتی تھی۔

انہیں غیر معمولی تواضع کا وصف تھا وہ خود کو ہمیشہ اس طرح پیش کرتے تھے کہ عام لوگوں پر ان کی شخصیت ظاہر نہ ہو جب تک ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا ابوالسعود صاحب باحیات رہے یہ ان کے ردیف اور ہم سفر ہی بنے رہے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کا اجلاس ہو یا آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا والد محترم کے ساتھ مولانا اشرف علی صاحب کا سراپا ادب و نیازمندی کا مظہر بنے رہے اور والد صاحب کی شفقت ومحبت کے ساتھ ان کی تربیت سے بہرہ ور ہوتے رہے۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ امیر شریعت بہار واڑیسہ اور حضرت مولانا ابوالسعود صاحبؒ امیر شریعت کرناٹک کے درمیان بڑی فکری ہم آہنگی تھی اور ہم ان دونوں ہی کے عقیدت مند تھے اس لئے ہم لوگوں کا باہمی رشتہ بھی بڑھتا رہا اور عمر میں بڑے اور علم وفضل میں فائق ہونے کے باوجود (مولانا اشرف علی صاحب) میرے ساتھ برادرانہ ورفیقانہ معاملہ کرتے رہے بلکہ اپنی کسر نفسی اور مزاجی شرافت کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی تکریم اور عزت افزائی کرتے تھے اور ہمیشہ اس خواہش کا اظہار فرماتے کہ میں بنگلور آؤں اور سبیل الرشاد میں کچھ وقت گزاروں۔

دارالعلوم سبیل الرشاد (بنگلور) جنوبی ہند کا معروف ومعتبر ادارہ ہے وہاں تعلیم کے ساتھ تربیت کا بھی منفرد نظام ہے، اس عظیم ادارہ کی بنیاد تو حضرت مولانا ابوالسعود صاحب سابق امیر شریعت کرناٹک نے رکھی اور اس کو پروان چڑھانے اور اس کی آبیاری کرنے میں مفتی اشرف علی صاحبؒ ان کے دست و بازو بنے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد ادارہ کو فروغ دینے میں اپنی پوری زندگی لگادی۔

دارالعلوم کا محل وقوع وسیع میدان، خوش نما بلڈنگ، نہایت ہی کشادہ کانفرنس ہال، وسیع لائبریری، طلبہ کے طعام وقیام اور لباس ووضع قطع کا مرتب ومنفرد نظام، سبھی چیزیں ایسی ہیں کہ ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

غالبًا پہلی بار حاضری جامعہ دارالسلام عمرآباد کی جوبلی کے موقع پر ہونے والے عالمی جشن سے واپسی پر ہوئی جس میں کئی عالمی شخصیتیں شریک ہوئی تھیں اور میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے ساتھ جانے والے وفد کا رکن تھا۔ بنگلور میں ہی سعودی عرب کے نامور عالم شیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع اور مشہور ادیب اور سفرنامہ نگار شیخ محمد بن ناصر العبودی اور کویت کی معروف شخصیت و سابق وزیر سید یوسف ہاشم الرفاعی سے ملاقات ہوئی اور شیخ العبودی اور الرفاعی سے میں نے ''الداعی'' کے لئے انٹرویو لئے۔ سبیل الرشاد میں سید یوسف کے لئے استقبالیہ کلمات کہنے اور ان کی تقریر کا ترجمہ کرنے کی ذمہ داری بھی مجھے سونپی گئی تھی۔

دوبارہ حاضری حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی مرحوم کے ساتھ ہوئی، مفتی اشرف علی صاحب خود ہی بنفس نفیس استقبال کے لئے اسٹیشن تشریف لے آئے۔

ابھی دو سال پہلے جب حاضری ہوئی تو محترم امین عثمانی صاحب ساتھ تھے اور مولانا اشرف علیؒ نے میزبانی اس طرح کی کہ ہمیں شرمندگی ہوتی رہی، لیکن وہ اپنی روایت کے مطابق دیدہ و دل فرش راہ بنانے کی سنت ادا کرتے رہے۔

ان سے دہلی، دیوبند، حیدرآباد، پٹنہ جہاں بھی ملاقات ہوئی وہ سراپا خاکساری وتواضع نظر آئے۔ مدینہ منورہ میں بھی ملاقات ہوئی اور ایک بار کویت میں بھی انھوں نے غریب خانہ کو شرف بخشا، ہمیشہ بنگلور آنے کی دعوت دیتے رہے، حیدرآباد کے مکان میں بھی ایک بار سید مصطفیٰ رفاعی صاحب کی معیت میں تشریف لائے، ملی مسائل کے پروگراموں میں ہمیشہ دونوں ایک ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔

اب جب کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے ان کی ایک ایک ادا یاد آتی ہے، ان کی محبت، ان کا تواضع اپنی

شخصیت کو دوسروں پر نہ تھوپنے کی ادا، سستی شہرت سے نفرت اور ملت کے لئے قربانی دینے کا جذبہ اور اختلافات سے بلند ہوکر کام کرنے کا انداز یہ ساری خوبیاں ایسی ہیں جو ان کی شخصیت کے نقوش کو مٹنے نہیں دیں گی۔

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کو اس طرح کے جواہر اکٹھا کرنے اور ان سے کام لینے کا خاص سلیقہ تھا۔ جب تک زندہ رہے مولانا اشرف علی صاحب بھی ان جواہر میں ایک امتیازی حیثیت کے حامل رہے، ملی کونسل سے ان کی اور سید مصطفیٰ رفاعی صاحب کی وابستگی اسی وقت سے تھی، ان کے بعد بھی کرناٹک میں ملی کونسل ان دونوں بزرگوار کے دم سے نہ صرف زندہ رہی بلکہ دوسرے علاقوں کے لئے ایک مثال بن گئی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کو اپنی رحمتوں کے آغوش میں خاص مقام عطا فرمائے اور ان کی زندگی بھر کی محنتوں اور قربانیوں کو شرف قبولیت بخشے ان کے درجات بلند فرمائے، اور ان کے والد صاحب کے لگائے ہوئے اور ان کے پروان چڑھائے ہوئے باغ دارالعلوم سبیل الرشاد کو صحیح خطوط پر چلانے اور مزید ترقی دینے کی ان کے وارثین کو توفیق بخشے۔ آمین

....

آہ وزاری کی قیمت:

''بادشاہ کے خزانے میں جو موتی کسی دوسرے ملک سے منگوایا جاتا ہے اس کی قدر خود بادشاہ بھی بہت کرتا ہے، اسی طرح ندامت کے جو آنسو گناہ گار کی آنکھوں سے زمین پر گرتے ہیں وہ بھی اللہ کے خزانے میں قبول ہوجاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے شاہی خزانے میں صرف عزت وجلال ہے وہاں ندامت کے آنسو نہیں ہیں، لہٰذا وہ اپنے بندوں کے ندامت کے آنسوؤں کو دنیا سے برآمد کرکے بے انتہا قدر کرتے ہیں اور شرف قبولیت عطا فرماتے ہیں اور شہیدوں کے خون کے برابر وزن فرماتے ہیں'' (حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ)

حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی

(ماخوذ)

30/ربیع الاول 1438ھ مطابق 30/دسمبر 2016ء جمعہ کی شام محدث جلیل حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی نائب شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند نے اپنی زندگی کی آخری ہچکیاں لیں اور جان جان آفرین کے سپرد کی، مولانا مرحوم کے سانحہ ارتحال کی خبر سن کر علمی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی اور ہندوستان کی پوری فضا سوگوار ہوگئی، کیوں کہ وہ شمع بجھ گئی جو پچھلی کئی دہائیوں سے بزم علم وادب میں روشنی پھیلاتی رہی، وہ بلبل ہزارداستاں ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا جس کی مترنم آواز نہ صرف ایشیا کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم دیو بند میں گونجتی تھی، بلکہ ملک کے کونے کونے میں گونجتی رہی، وہ پیر میخانہ اٹھ گیا جس کے دولت کدہ پر علم وآگہی کے رندان قدح خوار جمع ہوتے تھے، وہ معالج اور طبیب رخصت ہوگیا جس کے اثر انگیز مواعظ اخلاقی بیماریوں کے لیے نسخہ اکسیر ہوتے تھے، ملت کا وہ حدی خواں اٹھ گیا جو کارواں کو منزل مقصود کی جانب محو سفر رکھتا تھا۔

مولانا مرحوم 6/رجب 1345ھ مطابق 10/جنوری 1927ء پیر کے روز جگدیش پور- جو اعظم گڑھ کے مضافات میں واقع ہے- پیدا ہوئے، 6/سال کی عمر ہی میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور والد ماجد کی پدرانہ شفقتوں سے محروم ہوگئے، والد صاحب کے انتقال کے بعد آپ جون پور کے مشہور عالم دین مولانا محمد مسلم صاحب کی کفالت میں رہے، ابتدائی تعلیم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر۔۔۔جس کا سنگ بنیاد عالم ربانی، حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھول پوری نے رکھا ہے۔۔۔میں حاصل کی، وہاں آپ نے نحو، صرف، منطق اور فقہ کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر یوپی کی مشہور ومعروف اور بافیض دینی درس گاہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں مشکاۃ تک زیر تعلیم رہے، پھر آپ نے برصغیر کی شہرہ آفاق یونی ورسٹی دارالعلوم دیو بند: جس کی وجہ سے ہندوستان کے خزاں رسیدہ چمنستان علم وادب میں بہار آئی اور اس کے برگ وبار کو بالیدگی عطا ہوئی اور جس کے فیض لہر سے آج تک دنیا کا چپہ چپہ سیراب ہورہا ہے۔۔۔۔۔کا قصد کیا اور وہاں ماہر اور متبحر اساتذہ سے حدیث کی کتابیں پڑھیں، آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، جامع المعقولات

والمنقولات علامہ ابراہیم بلیاویؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا فخرالحسن صاحب مرادآبادیؒ، شیخ ظہور احمد دیوبندیؒ خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ان حضرات کی علمی سرپرستی نے آپ کی شخصیت میں نکھار پیدا کیا اور علمی، ادبی اور فکری غذا مہیا کی، چناں چہ کچھ ہی سالوں کے بعد چشم فلک نے دیکھا کہ وہ آسمان دین ودانش پر ماہ وپروین بن کر جلوہ گر ہوئے، جس کی تابانی اور ضیا پاشی سے راہ علم کے مسافر نہ صرف مستفید ہوئے؛ بلکہ وہ کاروان علم کے راہ نما اور راہ بر بن گئے۔

درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ مدرسہ مطلع العلوم بنارس، مدرسہ حسینیہ جون پور اور دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں تدریسی خدمات بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، زیادہ تر حدیث کی کتابیں پڑھانے کا آپ کو موقع ملا، پھر 1402ھ مطابق 1982ء میں دارالعلوم دیوبند میں خصوصا بخاری شریف پڑھانے کے لیے بلایا گیا اور تادم مرگ دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف جلد ثانی کا برابر درس دیتے رہے اور دارالعلوم دیوبند کے بام ودر کو خیرالبشر کے عطر بیز دہن سے جھڑے ہوئے موتیوں سے جگمگاتے رہے، آپ ایک کام یاب اور مقبول مدرس تھے، مفوضہ کتابیں بڑی خوش اسلوبی اور عمدگی سے پڑھاتے تھے، آپ بڑے باہمت اور اوقات درس کے بہت پابند تھے، آپ کا درس نہایت جامع اور پرمغز ہوتا تھا، طریق استدلال اور تفہیم مقال کا انداز نرالا اور دلنشیں تھا، ایک طرف مولانا مرحوم حدیث کے مضمون کو عام فہم اور سادہ انداز میں بیان کرنے پر قدرت رکھتے تھے تو دوسری طرف باہم متعارض احادیث میں تطبیق دینے اور ہر حدیث کا صحیح محمل متعین کرنے میں محدثانہ اور عالمانہ شان کے مالک تھے، مولانا مرحوم کا درس خشک اور بے کیف نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ دوران درس گاہے بہ گاہے مزاحیہ جملے اور ظرافت آمیز نکتے بھی بیان کرتے، کبھی اکابر دیوبند کے واقعات اور اپنی طویل زندگی کے خوش گوار تجربات بڑے لطف اور مزے لے کر سناتے؛ جس کی وجہ سے درس کا مزہ دوبالا ہوجاتا اور طلبہ بڑے ذوق وشوق اور اہتمام سے آپؒ کا سبق سماعت کرتے، کائنات کی بہترین ہستی کے ارشادات وفرامین سے آپ ? کی محبت وشیفتگی کا یہ عالم تھا کہ آپ پورے نشاط کے ساتھ گھنٹوں حدیث کا درس دیتے اور درازی عمر کے باوجود آپؒ کے چہرے پر تھکن اور اضمحلال کے آثار ظاہر نہیں ہوتے تھے، حدیث شریف سے آپؒ کے قلبی لگاؤ اور غایت ادب کا یہ حال تھا کہ عشاء کے بعد جب بخاری شریف کا درس دینے کے لیے آتے تو پہلے غسل فرماتے، صاف کپڑے زیب تن کرتے اور دارالحدیث کا رخ کرتے، مولانا کا یہ معمول کئی سالوں تک رہا، بعد کو جب پیہم امراض اور بیماریوں کے ہجوم نے ضعیف ولاغر کر دیا تو یہ معمول باقی نہ رہ سکا۔

آپ ایک جلیل القدر محدث، بلند پایہ فقیہ اور مادر علمی دار العلوم دیو بند کی پیشانی کا جھومر تھے اور علمی کمالات اور گونا گوں امتیازات وخصوصیات کی وجہ سے مولانا مرحوم اپنی مثال آپ تھے، چناں چہ جس طرح سورج کی روشنی پھیل کر تیز ہو جاتی ہے اور شمیم گل باغ سے نکل کر عطر فشاں بن جاتی ہے، اسی طرح مولانا کے مختلف علوم وفنون پر دست رس اور ان کے علمی کمالات کا آوازہ دار العلوم دیو بند کی چہار دیواری تک ہی محدود نہیں رہا؛ بلکہ دار العلوم دیو بند کی چہار دیواری سے نکل کر صرف ہندوستان ہی نہیں ؛ بلکہ پورے برصغیر کے چپہ چپہ میں آپ کی تگ وتاز پہنچی ، اور برصغیر کے گوشہ گوشہ میں بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث کا درس دینے کے لیے بلایا گیا اور اس کے لیے آپ ؟ نے دسیوں ممالک کا سفر بھی فرمایا۔

مولانا مرحوم جہاں ایک عظیم محدث اور مقبول استاد تھے وہیں ایک خوش بیان واعظ بھی تھے، وعظ ونصیحت کی غرض سے آپ کو اصلاحی جلسوں میں ملک کے اطراف واکناف سے مدعو کیا جاتا، آپ اپنی گونا گوں مصروفیات اور امراض کے ہجوم کے باوجود دعوتی اسفار فرماتے، اور خلق خدا کو اپنے قیمتی نصائح سے مستفید فرماتے، آپ کے مواعظ ونصائح دل بے تاب اور شب بے خواب کا ترجمان ہوا کرتے تھے اور آپ کے مواعظ ونصائح سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ اپنے جذبات کو عشق کے پیالہ میں رکھ کر خون جگر اور درد دل کی شراب طہور ملا کر سامعین کے دلوں میں اتار دینا چاہتے ہیں۔

آپ کی زندگی کا ایک امتیازی اور اہم وصف یہ تھا کہ آپ طلبہ پر بے حد شفیق اور مہربان تھے اور طلبہ سے بے پناہ محبت اور ہمدردی رکھتے تھے، درازی عمر اور بوڑھاپے کی وجہ سے مزاج میں تھوڑا سا چڑ چڑا پن اور سختی آ گئی تھی؛ جس کی وجہ سے بسا اوقات طلبہ پر جلدی خفا ہو جاتے ؛لیکن بہت جلد ہی مان جاتے اور ناراضگی کا اثر دور ہو جاتا تھا، حضرت مولانا مرحوم ایک خوش مزاج ،ملن سار، ہر دلعزیز اور بلند حوصلہ انسان تھے ، نزاعی امور سے مولانا مرحوم اپنے کو دور رکھتے تھے،تعصب وتحزب اور حسد وعداوت سے مولانا کا دل آئینہ کی طرح صاف وشفاف تھا، آپ کی پوری زندگی ریاضت ومجاہدے اور مسلسل جدوجہد سے عبارت تھی ،کم ہمتی اور سستی وکاہلی کو کبھی آپ نے راہ نہ دی ،کبھی کسی عہدہ اور منصب کی نہ طلب رہی اور نہ داد وتحسین کی پروا؛ بلکہ زندگی بھر بے لوث اور مخلصانہ خدمات انجام دیتے رہے۔

گزشتہ کئی سالوں سے مولانا مرحوم ضعف ولاغری کے علاوہ کئی بیماریوں کے شکار تھے،طاقت وقوت کی فصل بہار رخصت ہو رہی تھی ،زندگی کی شمع فروزاں جھلملا رہی تھی ،لیکن چشم فلک گواہ ہے کہ بیماریوں کے ہجوم اور ضعف ولاغری سے دل برداشتہ ہو کر ان کے سفینۂ حیات نے کوئی ساحل عافیت تلاش

نہیں کیا؛ بلکہ آخری سانس تک علم حدیث کی آب یاری کرتے رہے، یہ ٹھیک ہے کہ موت کے بے رحم پنجہ نے مولانا مرحوم کو موت کی ابدی نیند سلا دیا؛ لیکن مولانا مرحوم کی مخلصانہ خدمات و کارنامے اوران کی صفات وخوبیوں کا گلشن ہمیشہ سرسبز وشاداب اور سدابہار رہے گا اوراس کی خوش بو اور مہک صدیوں تک قلب ودماغ کو معطر کرتی رہے گی اور رفتار زمانہ اور گردش لیل ونہار کی وجہ سے اس گلستاں پر خزاں کا سایہ نہیں پڑے گا۔

آپ ایک مختصر سی بیماری کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، آپ کو 29 / دسمبر 2016ء ؁ کو پیٹ میں انفکشن کی شکایت ہوئی اور دیوبند میں واقع ڈی کے جین ہاسپٹل میں داخل ہوئے، جہاں دوسرے روز یعنی 30 / دسمبر 2016ء ؁ کو 89 / برس کی عمر میں عشاء ؁ کی اذان کے بعد دل کا دورہ پڑنے سے رب العالمین سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون، دوسرے دن سنیچر 31 / دسمبر 2016ء ؁ کو نماز جنازہ ادا کی گئی اور قاسمی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے، جنت کے اعلی علیین میں ان کو ٹھکانہ نصیب فرمائے، اوران کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

....

موت کا پیچھا

وہ ایک نوجوان نشانے باز تھا، اس کا نشانہ کبھی خطا نہ کرتا تھا، ایک باغ سے گزر رہا تھا کہ اچانک چیخنے کی آواز سنی، جس درخت سے آواز آرہی تھی اس نوجوان نے وہاں دیکھا، ایک خوفناک سانپ پھن پھلائے ایک شخص کو ڈسنے کی کوشش کر رہا تھا، نشانے باز نوجوان نے اپنی بندوق سے نشانہ سادھا، فائر کر دیا، نشانہ صحیح تھا، سانپ کا سر چکنا چور ہو گیا......اچانک وہ شخص اوپر سے نیچے آیا اور مر گیا...... ہوا یہ کہ زہریلے سانپ کا ایک دانت فائر کے باعث اچھلا اور شخص مذکور کے منہ میں جا گرا اس کے زہر کی تاثیر سے وہ شخص بھی مر گیا......انسان! تو سوچ! کہ کہاں بھاگ رہا ہے اور کس سے بھاگ رہا ہے۔ حال یہ ہے کہ قرآن کی پکاریں تو بار بار پکار رہی ہیں: اینما تکونوا یدرککم الموت (تم چاہے جہاں رہو موت تم آ پکڑے گی) (افکار ناصر سے انتخاب)

مولانا سلیم اللہ خانؒ کی اللہ کے حضور میں حاضری

مفتی ناصر الدین مظاہری

۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء تاریخ اسلام میں اس لئے بھی یاد رکھی جائے گی کہ اس دن عالم اسلام کی قابل فخر ہستی مملکت خداداد کے عظیم ترین عالم دین، وفاق المدارس العربیہ کے صدر نشین، ہزاروں قلوب کی دھڑکن اور لاکھوں مسلمانوں کی تمناؤں، عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز ومحور، دارالعلوم دیوبند کے فاضل افضل، مفتاح العلوم جلال آباد کے استاذ جلیل، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید، مفتی محمد رفیع عثمانی اور مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم جیسی بیشمار ہستیوں اور ہزاروں اساطین امت کے لائق فائق قابل فخر استاذ ومربی، اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کے سربراہ، جامعہ فاروقیہ کے مدارالمہام، شیخ جلیل، مرد خلیل، فقیہ نبیل، رئیس الامت شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ عمر عزیز کی ۹۱؍بہاریں دیکھ کر ہمیشہ ہمیش کے لئے مولائے حقیقی سے جاملے۔ **اناللّٰہ وانا الیہ راجعون**

نرگس اپنی بے نوری پہ ہزاروں نہیں لاکھوں سال روتی رہے، زمین چاہے جتنے چکر لگالے، شمس وقمر کا طلوع وغروب اور لیل ونہار کی گردشیں مولانا کا نعم البدل پیش کرنے میں ناکام ہوں گی کیونکہ مولانا وہ آفتاب درخشاں تھے جس کی تابانیوں میں حضرت مدنیؒ کی تعلیمی روح موجود تھی، مولانا وہ نیر تاباں تھے جس کی نورافشانیوں میں حضرت مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادیؒ کی تربیت کا عنصر غالب تھا، مولانا نے تقریباً ایک صدی قبل اس جہانِ رنگ وبو میں آنکھیں کھولی تھیں جب امت کا سواد اعظم موجود، ملت کا قیمتی اثاثہ محفوظ اور تہذیب اسلامی مامون ہی نہیں چار دانگ عالم پر اپنی حکومت وحکمرانی بلکہ مکمل شوکت وحشمت، رعب ودبدبہ اور زور بازو سے عالم کفر وشیطنت میں زلزلہ برپا کئے ہوئے تھی۔ افسوس کہ مولانا ہم سے ایسے وقت میں وداع ہوئے جب طالوت اپنی مٹھی بھر نفری کے ساتھ جالوت کی فوج سے نبرد آزما ہے، جب شیطان اور شیطانی بندے رحمٰن کے بندوں کو بیخ وبن سے اکھاڑ کر روئے زمین کو اللہ کے نام پاک سے محروم کردینے کے لئے آمادہ وکمر بستہ ہوچکے ہیں، جب فراعنہ وعمالقہ ایک ہوکر موسوی طائفہ اور عیسوی جماعت کی شاندار و بے مثال جامع ''مصطفوی فوج'' کے پیر اکھاڑنے پر تلی ہوئی ہے، جب شرار بولہبی اپنی تمام تر منصوبہ بندیوں، سازشوں، کمینی حرکتوں اور ناپاک ونجس طبیعتوں سے خوان اسلام کو آلودہ کرنے کے درپے ہے۔

متوسط قامت، ستواں ناک، کشادہ پیشانی، پیشانی پر نشان سجدہ، فکر میں ڈوبی آنکھیں، عمامہ

پوش، سفید ریش، بارعب چہرہ، گفتگو میں بزرگانہ انداز، کم گو، خوش صفات ان علامات سے ذہن وفکر کے کینوس پر جو تصویر ابھرتی ہے اس کا نام ہے حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ۔

آپ نے ۲۵/دسمبر ۱۹۲۶ء کو مظفر نگر کی معروف بستی حسن پور لوہاری میں آنکھیں کھولیں، یہی وہ بستی ہے جس کو حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے پیرومرشد حضرت میانجی نور محمد جھنجھانویؒ نے تاحیات روح وروحانیت سے مالا مال رکھا، ابتدائی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں حاصل کی ،۱۹۴۲ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم سے امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے، مفتاح العلوم کے روح رواں اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ آپ کی سنجیدگی ومتانت اور آگے چل کر دین کی عظیم الشان خدمات انجام دینے کی صلاحیت کو محسوس کر چکے تھے کیونکہ یہ اللہ والے آنکھوں سے نہیں اللہ کے نور سے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ **اتقوا من فراسة المؤمن فانہ ینظر بنور اللّٰہ**

حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ چونکہ آپ کے استاذ بھی تھے اس لئے آپ کو حکم دیا کہ مفتاح العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں، چنانچہ آپ نے آٹھ سال تک جلال آباد میں تعلیم دی،

ان آنکھوں نے بہت سی خدارسیدہ برگزیدہ ہستیوں کو دیکھا ہے، میں نے عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید علی میاں ندویؒ، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین مظاہریؒ، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ وغیرہ درجنوں صاحبانِ علم وتقویٰ کی خدمات اور لازوال شخصیت پر خامہ فرسائی کی ہے لیکن سچائی یہ ہے کہ اُن حضرات کی رحلت اور جدائی کے موقع پر امت میں بکثرت ایسی شخصیات موجود تھیں جن کی صحبت اور خدمت سے بندگان الٰہی کو خدا کا راستہ ملتا تھا، ایک گیا تو کوئی موجود ہوتے تھے، جیسے سورج کے جاتے ہی چاند آموجود ہوتا ہے، چاند کی روشنی مدھم پڑتے ہی ستاروں کی روشنی سے راستوں کا تعین آسان ہوجاتا ہے، مگر یہ کیا موت ہے کہ روشنی ختم ہوگئی، چراغوں نے کثرت کے باوجود اپنی معنویت کھودی، جولوگ کل تک حدی خواں تھے آج مرثیہ خواں ہوگئے، تپتی، سلگتی اور آگ برساتی تیز دھوپ میں ہم جس شجر سایہ دار کے نیچے دم بھر ستانے کے لئے رکے تھے افسوس کہ وہی پیڑ اکھڑ گیا اور۔ ع

وہی چراغ بجھا جس کی لو قیامت تھی

میں غور کرتا ہوں تو سائنس دانوں، فلکیات کے ماہرین اور ذاتی تجربوں میں اس حقیقت کو پالیتا ہوں کہ سورج اور چاند کی تیز روشنی میں ستارے ڈوبتے نہیں چھپ جایا کرتے ہیں، ڈوبتا تو سورج ہے جو روشنی بھی

دیتا ہے اور دوسری طرف فصلوں کو پکنے کا بہترین موقع بھی فراہم کرتا ہے، ڈوبتا تو چاند ہے جو رات کی تاریکیوں کو کافور کرتا ہے تو فصلوں میں مٹھاس اور چاشنی کا موقع بھی دیتا ہے، ستارے کیا ڈوبیں اور کیا ڈبوئیں؟ آپ پھل دار شاخ کو ہی دیکھ لیجئے جو پھل دینے کے لئے جھکتے جھکتے بسا اوقات ٹوٹ جایا کرتی ہے، سایہ دار درخت پر خزاں کا موسم اثر انداز ہوجاتا ہے مگر وہ پیڑ جو سایہ دار نہیں یا پھل دار نہیں تیز و تند ہواؤں اور موسم کی شدت وحدت میں بھی نہیں گرتے کیونکہ بے فیض ہوتے ہیں۔ پھر غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں پھل دار درختوں پر پتھر پھینکے جاتے ہیں اور بدلے میں وہ درخت پھل واپس کرتے ہیں۔ مزید غور کریں تو صبح صبح مالی گلستان میں جا کر پھول توڑ لاتا ہے لیکن گلستان نہ تو آہ بھرتا ہے نہ ہی پھولوں کے زباں پر حرف وحکایت اور شکوہ شکایت کرتا ہے۔ رات گزرتے ہی تازہ دم ہوکر نئے برگ وبار اور نئے پھول اور پتوں کے ساتھ لہلہانے لگتا ہے۔ یہ اللہ والے بھی ایسے ہی ہوتے ہیں یہ گولیاں کھا کر بھی گالیاں نہیں دیتے، یہ الزام تراشیوں پر کان نہیں دھرتے، یہ گالیاں دینے والوں کو بھی گلے سے لگالیتے ہیں، یہ ستم گروں کے حق میں بھی دعائے خیر کرتے نظر آتے ہیں، کیونکہ ان کے نبی کی بھی پوری زندگی عفو ودرگزر سے عبارت ہے۔

عاجزی اور انکساری ان کی طبیعت میں ایسی رچ بس جاتی ہے کہ طبیعت میں علو نام کی کوئی چیز نہیں رہ جاتی، علم اور عمل صالح کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں، ہر شخص کو اس کے مناسب حال عرفان کی دولت سے نوازتے ہیں اور تواضع میں اس صراحی کی طرح بچھے چلے جاتے ہیں جو خود تو پانی سے لبالب بھری ہے مگر تشنہ شخص کو جھک کر پانی پیش کرنے میں کوئی جھجک، کوئی عار اور کوئی ندامت محسوس نہیں کرتی۔

تواضع کا طریقہ سیکھ لو لوگو! صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

انہوں نے حالات کی ناموافقت اور ماحول کی نامساعدت کے باوجود جن کمالات عالیہ اور جمالات غالیہ سے نئی نسلوں کو روشناس کرایا وہ تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے، انہوں نے موسم باراں میں خود کو تیار کیا، موسم خزاں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ کر اپنوں وبے گانوں کو خوب خوب نوازا اور پوری زندگی ایسے انداز سے گزار گئے کہ دیکھنے والا بے تکلف گنگنانے لگتا ہے۔ ؎

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل سبحانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
ان ہی کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

کیا بتاؤں اور کیسے بتاؤں کہ بات کہیں سے کہیں چلی جاتی ہے ، یادیں ہیں کہ سمٹنے کا نام نہیں لیتیں، مولانا کی خدمات کے انمٹ نقوش ہیں کہ کتابوں کے دامن تنگ نظر آتے ہیں، ان کی بے پناہ ملی ہمدری ،امت کی فلاح وکامرانی کے لئے ان کا سوز دروں، دینی مدارس کے قدیم تعلیمی نصاب میں دورحاضر کی کلیدی اور بنیادی ضرورتوں کو داخل کرنے کی امنگ ان کے دل میں ابتداء ہی سے موجزن تھی مگر بڑوں کے سامنے بولنا گستاخی اور بلا اجازت ازخود کچھ کرنا جرم تصور کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ آپ اور آپ کے رفیق حضرت مولانا علامہ رفیق احمد بھیسانویؒ دونوں نے آٹھ سال تک مفتاح العلوم کی شاندار تدریسی خدمات انجام دیں کہ دارالعلوم دیوبند اور دیگر بڑے مدارس کے طلبہ مفتاح العلوم کا رخ کرنے لگے، یہی نہیں مفتاح العلوم کے تعلیم یافتہ طلبہ کا مرکزی ادارے ترجیحی بنیادوں پر داخلہ لینے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔

آٹھ سال بعد آپ نے پاکستان کے مشہور تعلیمی مدرسہ دارالعلوم ٹنڈ والہ یار سندھ کو منتخب کیا مگر وہاں صرف تین سال ہی پڑھایا پھر دارالعلوم کراچی پہنچے اور آن بان شان کے ساتھ دس سال تک درس نظامی کی مختلف کتابیں پڑھاتے رہے۔حضرت علامہ یوسف بنوریؒ نے دارالعلوم کراچی کی تدریس کے دوران آپ سے اپنے دارالعلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں خارجی اوقات میں پڑھانے کی خواہش کا اظہار کیا تو وہاں بھی بعض اسباق پڑھاتے رہے۔ان خدمات کے باوصف اندر اندر آپ بےکیفی و بےچینی محسوس کرتے رہتے کہ میں امت کی جس انداز میں خدمت انجام دینا چاہتا ہوں اس میں کامیاب نہیں ہوں اور کامیابی کے لئے ضروری تھا کہ اصول وضوابط کی قید نہ ہو، لگے بندھے قاعدہ وقوانین سے آزادی میسر ہو، مخالفت کا شائبہ نہ ہو اور کسی بھی مدرسہ میں کسی کے زیر انتظام رہ کر اِن افکار کو عملی جامہ پہنانا تقریباً ناممکن ہے اس لئے مولانا نے ایک بڑا فیصلہ کیا اور وہ تھا ''جامعہ فاروقیہ'' کا قیام۔

۲۳رجنوری ۱۹۶۷ءکو آپ نے جامعہ فاروقیہ کی بنیاد رکھی، مخلصانہ کوششیں جاری رہیں، مجوزہ نصاب تعلیم جاری کیا اور اس میں سوفیصد کامیاب ہوئے۔آج جامعہ فاروقیہ کم عمری کے باوجود ایک یونیورسٹی بنا ہوا ہے ،تعلیمی وتعمیری میدان میں اس نے حیرت انگیز اور مسرت خیز ترقی کی ہے۔

نسل نو کے لئے کچھ نیا کرنے کا جذبہ اور اس میں خاطر خواہ کامیابی ،تدریسی میدان میں آپ کی پختہ استعداد اور صلاحیت اور قلیل عرصہ میں ملک ہی نہیں دنیا کے گوشہ گوشہ میں آپ کے جامعہ کی مقبولیت نے علماء دین کو مجبور کیا کہ آپ کو وفاق المدارس العربیہ کا ناظم اعلیٰ بنایا جائے۔چنانچہ اس عہدہ پر رہتے ہوئے آپ نے وفاق کے نصاب کو نیا رنگ وآہنگ دیا، امتحان کی ترتیب میں شفافیت پیدا کی ، بے ضابطگیوں کو دور کیا، صرف دورہ کے بجائے دیگر بہت سے درجات کا امتحان لازمی قرار دیا، تمام امتحان میں کامیاب افراد کے لئے

خوشنما، دیدہ زیب سندات طبع کرائیں، وزارت تعلیم سے پے درپے مذاکرات کرکے بلا کسی نئے امتحان کے مختلف درجات کو ایم اے، بی اے، انٹر، میٹرک، مڈل اور پرائمری کے مساوی قرار دیا گیا۔ اسی طرح وہ قدیم فضلاء وفارغین جو وفاق کی اسناد کے معادلہ کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فوائد سے محروم تھے ان کے لئے خصوصی امتحانات کا اہتمام کرایا تاکہ انھیں بھی وفاق کی سندیں فراہم کی جاسکیں۔

آپ سے پہلے وفاق سے الحاق کرنے والے مدارس کی تعداد نہایت کم تھی لیکن آپ کے آنے کے بعد بہت سے قابل ذکر مدارس کا الحاق ہوا اور اب یہ تعداد پندرہ ہزار مدارس سے بھی تجاوز کرچکی ہے۔

آپ کے کارناموں میں سے ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ ان تمام مدارس میں ایک ہی نظام اور ایک ہی نصاب پڑھایا جارہا ہے اور اب کسی بھی مدرسہ کا کوئی بھی طالب علم کسی بھی مدرسہ میں داخلہ لے لے اس کی کوئی کتاب ترک نہیں ہوگی۔

مولانا بڑی خوبیوں کے مالک تھے، آپ کی ان ہی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے ۱۹۸۹ء میں وفاق کے نظامت علیا سے منصب صدارت پر متمکن کئے گئے اور الحمدللہ تادم آخر آپ اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔

آپ فصیح وبلیغ زبان پر قدرت رکھتے تھے، کم الفاظ میں پوری بات کرنے کے عادی تھے، مشکل ترین ابحاث کو چٹکیوں میں حل کرنے کا ہنر جانتے تھے۔

آپ کے دروس بخاری شریف پر مشتمل ''کشف البــاری'' کی اب تک ۱۶؍جلدیں طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں۔ اسی طرح مشکوۃ شریف کے دروس کا مجموعہ ''نـفـحـات التنقیح'' کے نام سے شائع ہوکر مقبول ہوچکا ہے۔

۲۰۰۰ء میں مظاہر علوم (وقف) سہارنپور بھی تشریف لائے تھے، اُس وقت فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ مدرسہ کے منتظم تھے، مولانا کے ہمراہ ایک جماعت تھی، آپ کے صاحب زادے نے دفتر والی مسجد میں نماز بھی پڑھائی، مظاہر علوم (قف) کی زیارت کی، کتب خانہ بھی دیکھا جہاں تین لاکھ سے زائد کتابیں موجود ہیں، مخطوطات بھی دیکھے اور خوشی کا اظہار کیا۔

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ سے مولانا کو کئی نسبتوں کی وجہ سے تعلق اور محبت تھی مثلا دونوں حضرات کا سلسلہ ایک ایک واسطے سے حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے جاملتا ہے۔

دوسرے مظاہر علوم (وقف) کے موقف کی زوردار تائید میں حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ کے استاذ گرامی حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ نے ایک مدلل کتاب تحریر فرمائی چنانچہ آپ بھی اسی کی حمایت فرماتے تھے۔

آپ کے رفیق غار حضرت مولانا علامہ رفیق احمد بھیسانویؒ اخیر عمر میں مظاہر علوم (وقف)

سہارنپور تشریف لے آئے تھے، یہاں ان کے دم قدم سے نورانی فضا اور ملکوتی ماحول بن گیا تھا وہ مظاہر علوم (وقف) کے صرف استاذ حدیث ہی نہیں بلکہ ترجمان بھی تھے اور دلچسپی و دلجمعی کے ساتھ مدرسہ کی ترجمانی اس شان اور آن بان سے فرمائی کہ تاریخ ان لمحات کو کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔

مولانا سلیم اللہ خانؒ کو مظاہر، اہل مظاہر حتی کہ یہاں سے بالواسطہ نسبت رکھنے والے سے بھی بے انتہا پیار تھا جس کا اظہار آپ کے پاس جانے والوں اور ملاقات کرنے والوں کی زبانی وقتاً فوقتاً سننے میں آتا رہتا۔

۱۵ر جنوری کی صبح بذریعہ واٹسپ جب آپ کی رحلت کی اطلاع پڑھنے کو ملی تو دل جس رنج و کرب سے دوچار ہوا اس کا اظہار لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہے۔اب جب کہ حضرت والا ہمارے درمیان نہیں رہے تو ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم ان کے لئے ترقی درجات کی دعا کریں، ان کے لگائے ہوئے علمی پودوں کی آبیاری اور ان کے قائم فرمودہ اداروں کی بادبہاری کے لئے دست بہ دعا ہو جائیں ......کیونکہ بگڑے کام بنانے والی......اور......بنے بنائے کام بگاڑنے والی......ہست کو بود......اور......بود کو ہست کرنے والی......ایک ہی تو ذات ہے......جس کو موت نہیں......جس کو زوال نہیں......جس کو فنا نہیں......حاکمیت اسی کو زیبا اور خالقیت اسی کو مناسب۔ **ربنا اغفر لنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان**

فتنے اور حکمراں

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے حاکم نیک و پسندیدہ ہوں، تمہارے مالدار کشادہ دل اور سخی ہوں، تمہارے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہوں تو تمہارے لئے زمین کی پشت اس کے پیٹ سے بہتر ہے (یعنی مرنے سے جینا بہتر ہے) اور جب تمہارے حاکم شریر ہوں......تمہارے مالدار بخیل ہوں......اور......تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں (جب عورتوں کی رائے ہی کو حرف آخر کا درجہ دیا جانے لگے) تو تمہارے لئے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے (ایسی زندگی سے مرجانا بہتر ہے)

(گہر ہائے تابدار)

حضرت اقدس مولانا نسیم احمد غازی مظاہری

مفتی زعیم احمد قاسمی شیخ الحدیث جامعہ احسن البنات دہلی روڈ مراد آباد

دنیا ایک گزر گاہ ہے جس میں روز اول سے انسانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے پھر آنے والے بھی مختلف کوئی تو دنیا کی رنگینی اس کی حسن و زیبائش میں گھرے ہوئے ہیں، مال و اسباب کی کثرت کی باعث عیش و آرام میں خوگر، مال میں اضافہ کیلئے دن رات ایک کئے ہوئے اور کوئی طاق و قوت کے سہارے اقتدار پر جما ہوا ہے اپنی کمال ہوشیاری سیاسی معرفت سے دنیا کو حیرت میں ڈالے ہوئے ہے انھیں میں سے بعض اللہ کے بندے انسانوں کی ہمدردی و خیر خواہی میں مشغول عوام کی رہبری اور ہدایت کیلئے فکر مند معاشرہ سے ناخواندگی مٹانے اور دین کی اشاعت میں ہمہ وقت مصروف مگر جانا سبھی کو پڑتا ہے۔لیکن کچھ جانے والے اپنے پیچھے یادگار لمحات کا ایسا تسلسل چھوڑ جاتے ہیں جو بعد والوں کیلئے سامان وسکون اور عبرت و مواعظت کا عنوان بن جاتا ہے، ایسی ہی نمایاں شخصیات میں غازی اسلام شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری نوراللہ مرقدہ تھے،

پیدائش:

ولادت باسعادت شعبان المعظم ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء کو مردم خیز علاقہ تھے پور ضلع بجنور یوپی میں صدیقی النسب خانوادے میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم:

ابتدائی تعلیم اردو ہندی دینیات ناظرہ قرآن پاک اپنے قریہ میں رہ کر حاصل کی

عربی کی ابتدائی تعلیم:

فارسی اور عربی کی کتابیں کافیہ تک مدرسہ حسینیہ قاسم العلوم پہاڑی دروازہ دھامپور میں حاصل کی۔ اس کے بعد شوال المکرّم ۱۳۷۲ھ آپ نے مظاہر علوم میں داخلہ لیکر شرح جامی، کنز الدقائق، اصول الشاشی وغیرہ سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔اس کے بعد ۱۳۷۷ھ میں فراغت حاصل کی۔

اصلاحی تعلق:

سب سے پہلے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ رامپوری ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، اس کے بعد شیخ المشائخ حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، پھر فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، پھر حضرت مولانا عبدالجبار صاحب نور اللہ مرقدہ شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد، اس کے بعد حضرت مولانا الشاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ تھے پور ضلع بجنور سے اصلاحی تعلق تھا۔ آخر کے تینوں حضرات سے خلافت واجازت بیعت بھی حاصل تھی۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد مختلف مقامات پر دینی خدمات انجام دی، اس کے بعد تقریباً ۶/ ماہ مدرسہ کاشف العلوم چھٹملپور، پھر ۶/سال مدرسہ رشیدیہ اشرف العلوم گنگوہ میں، مدرسہ حیات العلوم مرادآباد میں ۶/سال، پھر مدرسہ امدادیہ مرادآباد ۳/سال، پھر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں ۳/سال۔ اس کے بعد تاحیات تقریباً ۴۲/سال دارالعلوم جامع الہدیٰ میں خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ مرکز والی مسجد سرائے پختہ میں تقریباً ۴۶/سال بے مثال امام وخطیب کا فریضہ انجام دیا۔

تصنیفات وتالیفات:

آپ کے گہر بار قلم سے مطبوعہ وغیر مطبوعہ ۷۰/سے زائد تصنیفات وتالیفات منصۂ شہود پر آکر علم و ادب کی دنیا میں اپنا مقام بنا چکی ہیں، یہ کتابیں جو علمائے اسلام میں بہت مقبول ومعتبر ہیں جیسے درسی تفسیر پارہ ۲۹، ۳۰، مراۃ الانوار شرح مشکوٰۃ الاثار، اخلاص للّٰہیت (بخاری شریف کی پہلی حدیث)، بخاری شریف کی آخری حدیث، حیات اسعد، مجموعہ بیان رمضان، مجموعہ تحفۃ النساء، محرم پر ماتم، حدیث جبریل، تحفۂ عید رمضان، مجموعہ انوار حیات، مجموعہ اسرار حیات، مجموعہ فیضان حرم، مجموعہ اشکوں کی بارشیں، مجموعہ نغمات سرور وغم، علماء کا ادب واحترام، عباد الرحمٰن (اللہ کے خاص بندوں کی پہچان) تبلیغی چہل حدیث، ارشاد السالکین، دلچسپ مکالمات اول دوم، خلاصۂ تورات، مشعل حیات وغیرہ وغیرہ۔ طالبان علوم دینیہ نے ان سے مکمل استفادہ حاصل کر رہے ہیں۔

تقریر وخطابت:

فن خطابت میں آپ کو بے مثال مہارت حاصل تھی، علمائے عصر میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا بے باکی کے ساتھ حق گوئی اور اللہ اور اس کے رسول کا پیغام بلا خوف وخطر عوام وخواص تک پہنچانا آپ کی خاص صفت تھی گویا کہ ایک موجے مارتا بیکراں سمندر تھا، بیان ایسا موثر و دلپذیر اور دلچسپ وشیریں کہ سامعین کئی کئی گھنٹے سراپا گوش ہوکر محظوظ ولطف اندوز ہوتے آپ کے بیان سے عوام وخواص جدید و قدیم تعلیم یافتہ اور امت کا ہر طبقہ یکساں موثر ہوتا۔ جمعہ کے روز ہونے والا بیان سننے کیلئے مقامی افراد کے علاوہ قرب و جوار کے بڑی تعداد میں افراد وائمہ شرکت کرتے۔آپ کے بیانات میں توحید عشق رسول ﷺ اور محبت الٰہی صاف ظاہر ہوتا تھا۔آپ اپنے بیانات میں اکثر یہ شعر کہا کرتے تھے۔

تو نہ چھوٹے مجھ سے یارب تیرا چھوٹنا ہے غضب
یوں میں راضی ہوں چاہے زمانہ مجھے چھوڑ دے

شاعری:

آپ جس طرح بے مثال خطیب تھے اسی طرح بے نظیر شاعر بھی تھے جب شعر گوئی پر آتے تو طویل نعتیں، نظمیں، رخصتیاں اور مراثی کہہ ڈالتے ،آپ کے منظوم کلام کے پانچ مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ہر ایک منظوم مجموعہ سات رسائل پر مشتمل ہے اور ''نغمات سرور وغم'' آٹھ منظوم رسائل پر مشتمل ہے اس طرح کل منظوم رسائل کی تعداد ۳۶ / ہے۔

شعر میں چلتا ہے غازیؔ آپکا ایسے قلم
فین جیسے چل رہا ہو ریگو لیٹر کے بغیر

(اسرار حیات ص۱۴)

مشغلہ:

گنگوہ کے چھ سالہ زمانہ قیام سے تاحیات جاری رہا۔درس و تدریس وعظ و خطابت،ارشاد و اصلاح، بیعت وسلوک، تصنیفات وتالیفات اور درس قرآن کریم جیسے مبارک اور قیمتی اعمال سے معمور رہے۔ان اعمال حسنہ میں تین معمولات ایسے ہیں جو غازی اسلام کی زندگی میں طلب علم کے دور سے تا دم آخر جاری ہے۔(۱) امامت (۲) تفسیر کلام پاک (۳) نماز جمعہ سے قبل تقریر اور وعظ ونصیحت۔

مرا ہے مشغلہ قرآن و سنت
میں دائم طالب علم نبی ہوں
ہوں طلاب علوم دین کا خادم
میں دیتا ان کو درس آگہی ہوں

(انوار حیات ص ۱۱)

فیوض و برکات :

حضرت غازی اسلام نے جس طرح تدریس وتصنیف وتالیف کے ذریعہ علوم نبویہ کی بے مثال خدمات انجام دی ہیں اسی طرح آپ نے تصوف وسلوک کے ذریعہ بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں، آپ کے فیوض بیعت وصحبت اور آپ کے تعلق کی برکت سے ہزاروں انسانوں کو ہدایت میسر آئی بے شمار لوگوں کو آپ کی برکات سے فیضیاب ہونے کا موقع میسر آیا اور سینکڑوں لوگوں کو دین برحق کی رہنمائی ملی آپ سے خلعت خلافت واجازت بیعت کے بعد وہ باطنی علوم اور نسبت سلوک کے افادے وافاضے میں مصروف ہوئے۔ حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی ذات گرامی سے علوم ظاہری و باطنی کے بے شمار چشمے جاری فرمائے، جو انشاء اللہ تا قیامت تشنگان وطالبان امت کو سیر وسیراب کرتے رہیں گے۔

باقیات الصالحات:

حضرت والا اپنے بعد ہزاروں مریدین متوسلین، مجازین اور تلامذہ، خدام دین کے علاوہ اپنی صلبی اولاد بھی چھوڑی ہیں (حضرت غازی صاحب کی دو بیویاں تھیں ایک بیوی کا چند سال قبل انتقال ہو چکا ہے) حضرت کے ۶/صاحبزادے مولانا نعیم احمد مظاہری امام وخطیب جامع مسجد یمنا وہار دہلی مولانا فہیم احمد مظاہری امام وخطیب مدینہ مسجد مبارک پور دہلی، مفتی زعیم احمد قاسمی شیخ الحدیث جامعہ احسن البنات دہلی روڈ مرادآباد، مولانا قاری جسیم احمد نسیمی امام وخطیب مرکز والی مسجد سرائے پختہ مرادآباد، حافظ تمیم احمد نسیمی منڈل بیورو چیف روز نامہ انقلاب مرادآباد، مولوی نجیم احمد نسیمی متعلم دار العلوم جامع الہدیٰ مرادآباد اور ۹/صاحبزادیاں ہیں ایک بیوی اور ۵/بیٹیاں حافظہ ہیں۔

وفات حسرت آیات :

۱۳/شوال المکرّم ۱۴۳۸/ھ مطابق ۸/جولائی ۲۰۱۷/بروز ہفتہ پونے دس بجے شب میں یہ علم و

فضل کا آفتاب غروب ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون نماز جنازہ مرادآباد عیدگاہ کے وسیع میدان میں فرزند اکبر مولانا قاری جسیم احمد نسیمی کی اقتداء میں صبح ۱۰ ربجے لاکھوں محبین متعلقین ومتوسلین نے ادا کی۔اس علوم ومعارف اوراسرار وحکم کے گنجینہ کواسلام نگر کرولہ پر واقع مسجدِ غازی سے ملحق قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے،قبر کو پرمنور کرتے ہوئے کروٹ کروٹ سکون عطاء فرمائے اور پسماندگان ومتوسلین کوصبر جمیل عطاء فرمائے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

....

حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری

صدق وصداقت کے علم بردار،حق گوئی اور بیباکی کے کوہسار،تفسیر وحدیث کے جید عالم دین، مصنف،مؤلف،انشاء پرداز،صاف گو،راست گو حق جو،اپنی دنیا آپ پیدا کرنے والے غیرت مند باحمیت نیک وصالح عالم باعمل،دل کے صاف،دماغ کے حاضر،زبان کے پکے،صلاح واصلاح،فلاح ونجاح اورتقریر وتحریر کے شناور،سیکڑوں خوبیاں ان کے اندر مثل نگینہ جڑی ہوئی تھیں۔

وہ راہ شریعت سے سرموانحراف نہ کرنے والے ایسے عالم تھے جن کوسرکاری آفیسران بھی مرعوب نہ کرسکے،بڑے بڑے علماء ان کے سامنے دوزانو بیٹھنے میں فخر محسوس کرتے......مظاہر علوم کے بافیض فارغ وفاضل......حضرت شیخ محمد زکریاؒ سے بیعت،حضرت مفتی مظفر حسینؒ کے مجاز،اشرف العلوم گنگوہ، کاشف العلوم چھٹملپور کے استاذ گرامی،مدرسہ شاہی مرادآباد اور جامع الہدیٰ مرادآباد کے شیخ الحدیث، مظاہر علوم (وقف) کے رکن شوریٰ،درجنوں کتابوں کے مصنف اور ہزاروں علماء کے استاذ گرامی،نظم ونثر پر یکساں قدرت رکھنے والے،کئی برگزیدہ شخصیات کے پیرومرشد اور''حیات اسعد''کے مرتب تھے،ان کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ انہوں نے تاعمر خدمت حدیث وتفسیر کی،ہمیشہ شاگردوں کوراہ ہدایت سجھائی،مرکز والی مسجد سے اپنی خطابت کے جوہر دکھائے اور علماء وصلحاء کے درمیان ایک عالم اور مصلح نظر آئے۔(ناصرالدین مظاہری)

حضرت غازی مظاہری اور عشق رسول ﷺ

ازقلم: مولانا تمیم احمد نسیمی نمائندہ انقلاب مراد آباد

بعد از خدا مرتبہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا ہے۔روز نامہ انقلاب نے اس عظیم کارنامہ کوروح بخشی ہے جو قابل ستائش اور قابل تحسین ہے۔یہ ضمیمہ عوام الناس کیلئے سودمند ثابت ہوکر بارگاہ الٰہی میں شرف مقبولیت سے سرفراز ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک اور آپ کے شمائل واوصاف عالیہ کا بیان خواہ نثر میں ہو یا نظم میں یہ سب نعت رسول مقبول ﷺ کے زمرہ میں داخل ہیں۔مگر باعتبار عرف نعت کا اطلاق منظوم کلام پر ہونے لگا اکابرین دیوبند کی نمایاں خصوصیات میں ایک ممتاز خصوصیت رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے والہانہ شیفتگی ہے جس کا اظہار ان کی نظم ونثر میں بکثرت ہوااور عملی زندگی بھی اس شیفتگی کے اعلیٰ مظاہر سے بھر پور ہے۔حضرت نانوتویؒ، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ حضرت مولانا سید محمد بدر عالم مہاجر مدنیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا الشاہ اسعد اللہ صاحبؒ کی نبی کریم ﷺ سے والہانہ عشق ومحبت میں شاعری کرنے والوں کی فہرست میں شیخ الحدیث حضرت مولانا نسیم احمد صاحبؒ غازی مظاہری کا نام بھی کسی سے پوشیدہ نہیں اور علمی وادبی اور سماجی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔اگر آپ غور کریں تو جتنے بھی اہل دل، اصحاب باصفا اور حاملین علوم ومعرفت شعروسخن کی بزم کے آفتاب و ماہتاب ملیں گے انھیں آپ فن شاعری کے حصول کی زحمت سے بے نیاز و بیزار ہی پائیں گے شاید اسلئے کہ ذکر محبوب سے ان کے قلوب اس قدر مجلی اور پر کیف ہوجاتے ہیں کہ دلی جذبات واحساسات خود بخود اسھی والہامی طور پر زبان کی لطافت وحلاوت اوزان وقوافی کی رعایت کے ساتھ شعری پیکر میں ڈھل جاتے ہیں شاعری کے محرکات میں جہاں مختلف قسم کے ظاہری احوال وعوامل کو دخل ہے اس سے کہیں زیادہ عشق حقیقی کی سرمستی وشیفتگی سے اس کا رشتہ ہے جو علماء صلحاء اور اللہ والوں کی شاعری کے اصل واساس اور بنیاد ہیں۔سرکار دوعالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنا اور آپ کی تعظیم وتوقیر دل میں بیٹھانا اسلام کا جز ہے اس کے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جاسکتا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں سے کوئی شخص اس وقت

تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میری ذات اس کی نظر میں اس کی اولاد اس کے والدین اور تمام جہاں کے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جائے۔اس معلوم ہوا کہ محبت رسول ﷺ روح ایمان ہے جس شخص کا دل اس محبت سے خالی ہو وہ روح ایمانی سے محروم ہے۔لہذا یہ ناممکن ہے کہ آدمی مومن بھی ہو اور اس کا دل عظمت محمد ﷺ سے معمور نہ ہو۔

حضرت غازیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری بارگاہِ حق کی طرف سے ایک ایسا الہامی عطیہ تھا جو ان کے منور دل کی گہرائیوں سے نکل کر زبان وقلم کی نعمت وعظمت سے آشنا ہو جاتا، جہاں نہ شاعرانہ تکلف کی زحمت تھی نہ لفظوں کی سوداگری کا خیال اور نہ ہی شعراء صناعی و پرکاری کی کوشش تھی بلکہ جذبہ دروں کا بے خدی میں ڈوبا ہوا ایک ساز تھا ان کا کہنا تھا کہ شاعری نہ میری زندگی کا مقصد ہے نہ مشغلہ نہ وجہ افتخار:

میرا تو مشغلہ ہے ذکر جاناں
نہیں مقصود میرا شاعری ہے
مجھے دنیا سے کیا مطلب ہے غازی
پئے عشق نبی یہ زندگی ہے

حضرت غازیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی دراصل شاعری حق سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر وفکر اور رحمت عالم ﷺ کے عشق ومحبت سے عبارت ہے۔وہ اپنی تصنیف فیضان حرم میں رقم کرتے ہیں۔

خدا کی حمد پھر نعت محمد مصطفیٰ غازیؔ
میری گفتار کا اکثر جلی عنوان ہوتا ہے

حضرت غازیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر زندگی کا حصہ ذکر وفکر وعظ وتذکیر، احقاق حق تردید باطل تدریس احادیث وتفسیر وتالیف وتصنیف میں گذرا ہے۔کبھی کبھی تمام تر علمی فضیلت کے باوصف انسان سرورِ عشق کی لذت وکیفیت کو الفاظ کے دامن میں سمیٹنا چاہیں تو اسے تنگ دامنی کا احساس یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ

میں سرورِ دل بیاں کیسے کروں
کر نہیں سکتی زبان یہ آشکار

ان کا کہنا تھا کہ ایک طرف حال وقال کا عالم یہ ہے کہ اظہار عشق کیلئے الفاظ ساتھ نہیں دیتے تو دوسری طرف لوگ ہم عاشق رسول ہیں کا نعرہ لگاتے پھر رہے ہیں۔اس تصور کو ذہن میں رکھ کر مولانا کی شاعرانہ زبان کے لطافت دیکھئے اور اس کیفیت کو محسوس کیجئے کہ خون جگر کے بغیر عشق کا دعویٰ سودائے

خام سے زیادہ کچھ نہیں۔

عشق میں پورا اترنا ہی دلیل عشق ہے
یہ بہت دشوار ہے دعویٰ بہت آسان ہے

دوسری جگہ اسی مفہوم کو انتہائی سادا اور آسان زبان میں اس طرح بیان فرمایا ہے

بہت آسان ہے اظہار حب مصطفےٰ لیکن
بہت مشکل سے آقا کا صحیح عرفان ہوتا ہے۔
محبت ہے فانی کی فانی محبت
محبت میں باقی کی پایندگی ہے
محبت خدا کی محبت نبی کی
یہی اصل میں مقصد زندگی ہے

آگے فرمایا کہ اور یہ بھی بجا ہے کہ خدا اور رسول کی محبت کا حق اس عاجز و ناتواں سے ہزار کوشش کے باوجود بھی ادا نہیں ہوسکتا پھر بھی انسان اپنی تمام کوششوں کے سوا ان کے ذکر وفکر ان کی حمد وثناء میں کودکو رطب اللسان رکھے کہ اتنا بھی کم نہیں بلکہ یہ دولت بھی پیش بہا دولت ہے۔

ہزاروں حسن والے ہیں جہاں میں
مگر ان سا حسیں کوئی نہیں ہے
تو ان کا نام لیتا ہے جہاں میں
نسیم احمد یہ دولت کم نہیں ہے

زندگی کا ہر لمحہ، دل کا ہر گوشہ اور شاعرانہ زبان کا ہر جملہ جب آپ کی ذات سے ہمہ وقت سرگوشی میں مصروف ہو تو پھر سوچئے کہ اس والہانہ محبت کا فطری تقاضا کیا ہوسکتا ہے، مرحلے اور فاصلے سمٹ جائیں، دوری مجبوری ختم ہو اور قرب وحضوری کی منزلیں آسان ہو جائیں اس کا اظہار حضرت کی شاعری میں ملتا ہے۔

حضرت غازیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر وحدیث وغیرہ مختلف موضوعات وفنون پر بہت سی وقیع ومقبول تصنیفات وتالیفات ہیں جن میں سے متعدد کتب ہندو پاک میں شائع بھی ہو چکی ہیں اور امت ان سے مستفید ہو رہی ہے حضرت غازیؔ رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن ہی سے شعر گوئی کا مزاج رہا ہے، جس کو حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد الشاہ اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ نے نکھارا ہی نہیں بلکہ بام عروج پر پہنچا

دیا تھا۔حضرت غازیؔ رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ حضرت حجۃ الاسلام نے حدیث مسلسل بالشعراء کی اجازت کیا دی ذوق شاعری بھی عطاء فرمادیا۔وہ اپنی تصنیف فیضان حرم میں تعارف بقلم خود کے تحت اس عطیہ کواس طرح بیان فرماتے ہیں۔

ملا پروانہ شمع رسالت کی نگاہوں سے
میرے ذوق سخن میں ہے نہا ایک شان اعجازی

حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا الشاہ اسعداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اورحضرت غازیؔ رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان نہایت قریبی تعلق تھا،اس پروانہ شمع رسالت کا مصداق حضرت حجۃ الاسلام ہی ہیں۔حضرت غازیؔ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے پانچ حصے فیضان حرم، انوار حیات، اسرار حیات ،اشکوں کی بارشیں اورکلام غازی حصہ پنجم نغمات سرور وغم منظر عام پر باذوق افراد کے ہاتھوں میں جا کرمقبولیت سے سرفرازی کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔۱۲ر ہزاراشعار پر مشتمل ۷۔۷رسائلِ منظومہ کے تین مجموعہ فیضان حرم،انوارحیات،اسرارحیات کے نام سے اہل ذوق وقدرداں حضرات سے خراج داد وتحسین حاصل کر چکے ہیں۔جن میں حمدوں،نعتوں،منقبتوں،پند ونصائح اسرار وحکم مفید تجربات اورعمدہ ہدایات ہیں جو اسلامی شاعری کا جیتا جاگتا کامیاب نمونہ وشاہکار ہے۔کلام غازی کا چوتھا حصہ ان ۸رمرثیوں کا مجموعہ ہے جوعلمائے راسخین اورخدام دین متین کی وفیات سے متاثر ہوکر وجود پذیر ہوئے جس کا نام اشکوں کی بارشیں تجویز کیا گیا۔اس مجموعہ میں ہر مرثیہ سے پہلے متعلق بزرگ کی مختلف سوانح حیات بھی ان کے تعارف کیلئے منسلک ہے۔راقم الحروف کااس سے مقصد صرف اہل اللہ بزرگان دین اورخدام اسلام سے تعلق اپنے دلی جذبات وتاثیرات کا اظہاراوران سے محبت رکھنے والوں کی تعزیت وتسلی تھی۔

تفصیلی تبصرہ کی تو اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں بس اتنا عرض ہے کہ وہ خوش گواور پر گوایک بہترین شاعر اسلام تھے وہ ایک خوشک مضمون کو ملاحت وحلاوت سے بھر کر پیش کرنے میں زبردست مہارت رکھتے تھے، وہ ایک ہی زمین ایک ہی ردیف وقافیہ پر سینکڑوں اور ہزاروں اشعار تسلسل کے ساتھ کہنے کی بھی قدرت رکھتے تھے، وہ جب کہنے پر آتے تو سینکڑوں اشعاراس طرح کہہ ڈالتے تھے کہ کہیں اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی، فصاحت و بلاغت زبان کی پاکیزگی وشستگی اور برجستگی ان کی شاعری کے خاص اوصاف تھے۔معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ ومحاورات اورتعبیرات ان کے آگے دست بستہ حاضر ہیں ان کے کلام کے مجموعوں کا مطالعہ آپ کو ہماری تحریر کی تصدیق وتائید پر آمادہ کر دیگااور آپ یہ کہنے پر مجبور

ہو جائیں گے کہ دور حاضر میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے زیر اہتمام ''ندائے شاہی نعت النبی ﷺ نمبر سے موسوم کتاب'' شائع ہونے کے بعد جب حضرت غازی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی گئی اس وقت حضرت نے اس کا گہرائی سے حرف بہ حرف مطالعہ کیا اور متعدد اشعار و بہت سی نعتوں پر لال قلم یہ عرض کرتے ہوئے چلایا کہ اس میں شرک کی بو آ رہی ہے، چنانچہ ذمہ داران نے اس کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے اس پر عمل کیا اور ان اشعار و نعتوں کو اس مجموعے سے رخصت کر دیا۔ جس کا تذکرہ نعت النبی ﷺ نمبر میں بھی کیا گیا ہے۔

حضرت غازی رحمۃ اللہ علیہ کو عشق رسول میں والہانہ شاعری کی بدولت یہ شرف بھی حاصل تھا کہ متعدد بار حضرت غازی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں وہ افراد جو متبع سنت تھے، آقا کی ایک ایک سنت پر پابندی سے عمل پیرا رہتے تھے حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کو سرور کونین جناب محمد الرسول اللہ ﷺ نے سلام کہا ہے۔ ایک مرتبہ یہ درود و سلام جو روزنامہ انقلاب میں شائع بھی ہوا ہے ایک قاری صاحب نے جلسہ میں پڑھا اس کے بعد حضرت غازی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ رات مجھے خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ غازی کو میرا سلام کہنا۔ ایسے واقعات حضرت کی زندگی میں کئی مرتبہ پیش آئے، چنانچہ اس دار فانی سے رخصت سے ایک دو روز قبل بھی آپ پوری پوری رات سوئے نہیں بلکہ عربی زبان میں آقائے نامدار جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کی شان شاعرانہ کلام پیش کر کے زار و قطار روتے رہے۔ یہی حال آپکا اس وقت رہتا جب کوئی سلام لیکر خدمت میں حاضر ہوتا تب بھی آپ خوشی میں اشک بار ہو جاتے اور ایک طویل وقت اسی لمحہ کو یاد کر کے گزارتے، دوران وعظ بھی سامعین یہ نظارہ بارہا دیکھ چکے ہیں۔

حضرت غازی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت شعبان المعظم ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء کو مردم خیز علاقہ تھے پور ضلع بجنور یوپی میں صدیقی النسب خانوادے میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اردو ہندی دینیات ناظرہ قرآن پاک اپنے قریہ میں رہ کر حاصل کی اور مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد مختلف مقامات پر دینی خدمات انجام دیں۔ اخیر میں تاحیات تقریباً ۴۲ رسال دار العلوم جامع الہدیٰ میں ایک بہترین و مکمل محدث کی ذمہ داری ادا کی۔ اس کے علاوہ مرکز والی مسجد سرائے پختہ میں تقریباً ۴۶ رسال بے مثال امام و خطیب کا فریضہ مع قیادت شجاعت و بہادری سے انجام دیا۔ آپ کے

گہر بار قلم سے مطبوعہ وغیر مطبوعہ ۷۰ر سے زائد تصنیفات وتالیفات منصۂ شہود پر آکر علم وادب کی دنیا میں اپنا مقام بنا چکی ہیں، تمام کتابیں علمائے اسلام میں بہت مقبول ومعتبر رہیں۔ جس طرح فن خطابت میں آپ کو بے مثال مہارت حاصل تھی، علمائے عصر میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا بے باکی کے ساتھ حق گوئی اور اللہ اور اس کے رسول کا پیغام بلاخوف وخطر عوام وخواص تک پہنچانا آپ کی خاص صفت تھی گویا کہ ایک موجے مارتا بیکراں سمندر تھا، بیان ایسا موثر ودلپذیر اور دلچسپ وشیریں کہ سامعین کئی کئی گھنٹے سراپا گوش ہوکر محظوظ ولطف اندوز ہوتے آپ کے بیان سے عوام وخواص جدید وقدیم تعلیم یافتہ اور امت کا ہر طبقہ یکساں موثر ہوتا۔ جمعہ کے روز ہونے والا بیان سننے کیلئے مقامی افراد کے علاوہ قرب وجوار کے بڑی تعداد میں افراد وائمہ شرکت کرتے۔ آپ کے بیانات میں توحید عشق رسول ﷺ اور محبت الٰہی صاف ظاہر ہوتا تھا۔ اسی طرح آپ نے عشق نبی ﷺ میں شرابور ہوکر منظوم کلام کے پانچ حصہ لکھ ڈالے۔

سب سے پہلے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ رامپوری ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، اس کے بعد شیخ المشائخ حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، پھر فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، پھر حضرت مولانا عبدالجبار صاحب نور اللہ مرقدہ شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد، اس کے بعد حضرت مولانا الشاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ تھے پور ضلع بجنور سے اصلاحی تعلق تھا آخر کے تینوں حضرات سے خلافت واجازت بیعت بھی حاصل تھی۔

۱۳ر شوال المکرّم ۱۴۳۸ھ مطابق ۸ر جولائی ۲۰۱۷ء بروز ہفتہ پونے دس بجے شب میں یہ علم و فضل کا آفتاب غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون نماز جنازہ مرادآباد عیدگاہ کے وسیع میدان میں فرزند اکبر مولانا قاری جسیم احمد صاحب کی اقتداء میں صبح ۱۰ر بجے لاکھوں محبین متعلقین ومتوسلین نے ادا کی۔ اس علوم ومعارف اور اسرار وحکم کے گنجینہ کو اسلام نگر کرولہ پر واقع مسجدِ غازی سے ملحق قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے، قبر کو پر منور کرتے ہوئے کروٹ کروٹ سکون عطاء فرمائے اور پسماندگان ومتوسلین کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔

شیخ محمد یونس جونپوریؒ

مفتی ناصرالدین مظاہری

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ......فن حدیث میں چمکتا دمکتا......رخشندہ ودرفشندہ نام......! علوم واعمال کا وہ کوہ ہمالہ......جس کی بلندی دیکھنے میں ٹوپیاں گرنے اور جس کی پیمائش میں پیمانے ٹوٹنے لگیں...... فقہ وحدیث کی دنیا کا وہ عظیم شناور......جنھوں نے اپنی شناوری سے وہ وہ یواقیت وجواہر نکال لئے......جو رہتی دنیا تک اس فن سے شغفت رکھنے والوں کے لئے مفید وکارآمد ثابت ہوں گے۔

بہتوں نے لکھا اور بہت سے لکھ رہے ہیں...... کہ......حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس غریب گھرانے کے چشم وچراغ تھے......پسماندگی اور ناخواندگی کی ان کے گھر میں حکمرانی تھی......حالانکہ...... ایسا نہیں ہے......ان کے والد ماجد محترم شبیر احمدؒ......عصری تعلیم یافتہ......بہترین انگریزی داں......ایک ملک میں ایک بڑی کمپنی میں بڑے عہدے پر فائز......اس سروس کی وجہ سے آپ کے گھریلو حالات خوش حالی اورفارغ البالی کا نمونہ ......لیکن...... افسوس ......! برا ہو بدخواہوں کا......منہ کالا ہو بری نظر والوں کا......عبرت ماک انجام ہو دوسروں کو تکلیف دینے والوں کا......روسیاہ ہوں ایسے لوگ دنیا میں ......اور......رسوا ہوں عقبیٰ میں......کسی بدخواہ نے اتنا شدید سحر آپ کے والد ماجد پر کیا کہ ایک دو سال نہیں پورے نو دس سال تک اسی حالت سحر میں صاحب فراش رہے......اس مرض وعلالت کی وجہ سے نوکری ختم ہوگئی......آمدنی کے ذرائع ہوئے پھر بالکل ہی مسدود ہوگئے......شیخ الحدیث اوران کے ایک چھوٹے بھائی ابھی بچے تھے......بہت جلد یہ مکتب ومدرسہ میں جانے کے لائق ہو رہے تھے...... اور......اِدھر ان کے گھریلو حالات اور روزمرہ کے خانگی اخراجات اس کے متحمل نہیں تھے ......نتیجہ یہ ہوا کہ کبھی آپ اپنی نانی کے یہاں پرورش پاتے ہیں......تو کبھی ماموں جان کے ساتھ ان کی پشت پر لد کر اور کندھوں پر سوار ہوکر مکتب جاتے نظر آتے ہیں......ماں کا سہارا اُس وقت ہی جدا ہوگیا تھا جب آپ کو ماں کی جدائی کی سنگینی کا بھی اندازہ نہیں ہوسکا تھا......ہوش میں پختگی آتی گئی ......اور...... اِدھر گھریلو حالات بگڑتے گئے...... اور پھر یہ ہوا کہ مکتب سے آتے تو کبھی گھر کی بھینسیں

چراگاہوں میں چراتے،کبھی ان کے چارے کا نظم کرتے ......گھاس کھودتے گوبر اور طویلہ کی صفائی کرتے وقت ہونے پر بھاگم بھاگ مدرسہ جاتے ......مدرسہ بھی ضیاء العلوم جو مانی کلاں میں واقع ہے ......مانی کلاں چوکیہ سے پورے پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے......تصور کیجئے پیدل کا راستہ......سڑکیں آج بھی ناقابل بیان حد تک خستہ ہیں...... اُس وقت کیا عالم رہا ہوگا......؟ عمر عزیز کی بارہویں یا تیرہویں سیڑھی پر بمشکل پہنچے ہوں گے کہ ایک نئی پریشانی نے پریشان کردیا......آپ کے پیٹ کے زیریں حصہ میں درد شروع ہوگیا جو بڑھتا رہا......شیخ صاحب اس درد کی وجہ سے ماہی بے کی طرح تڑپتے تھے......راقم الحروف سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوریؒ کے مظاہر علوم کے دورۂ حدیث کے رفیق اور مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں کے موجودہ ذمہ دار حضرت مولانا عبدالعلی مدظلہ نے مانی کلاں کے مدرسہ ضیاء العلوم میں بیان کیا کہ مولانا یونس یہاں ضیاء العلوم میں پڑھتے تھے......گھر والوں کی مرضی کے بغیر آپ نے پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا......اس لئے یہیں پڑھتے اور پھر یہیں پڑ جاتے......قیام مدرسہ میں رہتا......کھانا حضرت مولانا ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وساطت سے کسی گھر میں جاری کرادیا تھا...... جب بیماری نے طول پکڑا تو مولانا نے فرمایا کہ گھر چلے جاؤ! مگر شیخ محمد یونس گھر جانے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوئے...... کیونکہ انھیں اسباق میں ناغہ بالکل منظور نہ تھا......تمام طلبہ رات کو اپنے اپنے بستر پر لیٹ جاتے اور مولانا یہاں صحن میں درد کی شدت سے گویا لوٹ جاتے......روتے رہتے ......پوری پوری رات روتے رہتے......پھر حضرت مولانا ضیاء الحق ؒ نے مولانا کو ڈاکٹروں کو دکھایا......ڈاکٹروں نے مثانہ میں پتھری بتائی ......سوائے آپریشن کوئی متبادل علاج نہیں تھا......ادھر مولانا ضیاء الحق خود نہایت غریب ......مختلف غریب بچوں خاص کر مولانا شیخ محمد یونس کی حتی المقدور کفالت کے باعث عسرت میں ہی رہتے تھے...... پھر بھی جیسے تیسے شیخ محمد یونس کا آپریشن کروایا اور سو گرام سے بڑا پتھر بذریعہ آپریشن نکالا گیا......شیخ کو سکون مل گیا......تعلیم جاری رکھی اور جب مولانا ضیاء الحق کی گنجائش سے باہر ہوگیا تو انتہائی تعلیم کے لئے تین ساتھیوں کو مظاہر علوم بھیجا، وہاں بھی بڑی تنگی کے ساتھ تعلیم پاتے رہے......بقرعید کا موقع آیا......عید کی خوشی میں تمام طلبہ سرشار تھے......مگر مولانا محمد یونس پریشان کیونکہ ان کے پاس کرایہ کے پیسے نہیں تھے...... حالانکہ اس وقت بمشکل ڈیڑھ روپے کرایہ تھا......ہم لوگوں نے مولانا یونس سے کہا کہ اگر طبیعت چاہتی ہو تو ہمارے ساتھ چلو......کرایہ کسی سے اُدھار لے لیتے ہیں مگر وہ اُدھار لینے پر بالکل تیار نہیں ہوئے ......تو ہم لوگ

انھیں مدرسہ میں چھوڑکر ریلوے اسٹیشن پیدل پہنچے ......گاڑی میں سوار ہوئے ہی تھے کہ دیکھا مولانا محمد یونس افسردہ چہرے......اور...... بجھے دل کے ساتھ ریلوے اسٹیشن پر نظر آئے......ہم نے پھر کہا کہ جب تمہیں جانا نہیں ہے...... تو یہاں کیوں آئے ......ہو؟ ان کی خاموش حالت اور ظاہری و باطنی کیفیت دیکھ کر ہمیں بڑی تکلیف پہنچی کیونکہ ایک طرف تو وطن جانے کی خوشی، قربانی کی تعطیل، کم عمری و نوعمری دوسری طرف کرایہ نہ ہونے کا غم......غربت کا عالم......ہم لوگ ریل سے اتر کر پھر مدرسہ آگئے ......کسی نے حضرت مفتی مظفر حسینؒ کو خبر کردی کہ محمد یونس جونپوری غریب ہے اور کرایہ نہ ہونے کی وجہ سے گھر نہیں جارہا ہے...... تو مفتی صاحبؒ نے مولانا یونس صاحب کو بلوایا، حقیقت معلوم کی......اور پھر مفتی صاحب نے اپنی سرپرستی اور کفالت میں مولانا محمد یونس کو لے لیا......اس زمانے میں مفتی صاحب بھی کوئی اتنے مالدار نہیں تھے لیکن عیالدار بھی نہیں تھے......نہ بیٹا، نہ بیٹی ......لاولد...... انہوں نے بالکل اپنے بیٹے کی طرح مولانا محمد یونس کے نازنخرے اٹھائے ہیں...... بچے کی طرح خیال رکھا ہے......روپے پیسے میں...... چیزوں ...... برتنوں......بستروں......چادروں حتی کہ تمام فرمائشیں مفتی صاحبؒ اس طرح پوری فرماتے تھے جیسے اپنے بیٹے کی۔

حضرت مولانا عبدالعلی مدظلہ نے (اللہ انھیں صحت وسلامتی عطا فرمائے) ضعف، نقاہت، پیرانہ سالی، امراض واسقام اور مختلف عوارضات کے باجود ایسی ایسی حیرت انگیز باتیں بتائیں اور لکھوائی ہیں جن کو ''صدائے حق ''کے اِن محدود صفحات میں لکھنا اور سمیٹنا مشکل ہے ایک لمبی داستان ہے......گھریلو حالات کی طویل کہانی ہے......اور خورد وکلاں کے ان تمام بیانات سے آگہی کے لئے طویل تحریر ناگزیر ہے...... البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ احسان فراموشی کے اس دور میں ''**ھل جزاء الاحسان الاالاحسان**'' کی تصویر بنے رہے، ایک ایک محسن کو یاد رکھا، ان کے لئے صدقات دینے کا معمول بنایا، خود حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کے تو گویا عاشق ودلگیر تھے، کوئی مجلس ان کے ذکر سے خالی نہ ہوتی تھی، بات بات میں ان کا ذکر کرتے، احسانات گنواتے، دعائیں کرتے، ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کرتے اور کوشش کرتے کہ حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرکے ان کی خوب خوب دعائیں سمیٹی جائیں چنانچہ حضرت مولانا ضیاء الحقؒ ہی کا زمین سے متعلق کوئی مسئلہ تھا، حضرت شیخ نے اپنے بے تکلف رفیق حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ سے فرمایا کہ ممکن ہے زمین کے اِس معاملہ میں مولانا ضیاء الحقؒ حق پر ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ حق پر نہ ہوں اور اِسی حال

میں دنیا سے چلے گئے ہوں؟ تو آدھے پیسے تو لائے گا اور آدھے کا نظم میں کروں گا، چنانچہ حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کے فریق کو اُن کے مطالبہ کے مطابق تمام رقم حضرت شیخؒ نے اپنی طرف سے ادا فرمائی۔

حضرت مولانا برہی ضلع فیض آباد کے رہنے والے تھے، میونسپلٹی والوں نے بجلی کا ایک کھمبا حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کے گھر سے متصل کسی ایسی جگہ گاڑ دیا جس سے کسی ناگہانی خطرہ وواندیشہ تھا، مولانا نے اپنے طور پر اس کھمبے کو وہاں سے ہٹوانے کی کوشش کر لی مگر کھمبا نہ ہٹا (اور سرکاری کھمبا لگنے کے بعد ہٹوانا بہت مشکل ہوتا ہے) حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کسی ذریعہ سے اس کی اطلاع اپنے تلمیذ رشید تک پہنچائی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونسؒ نے اپنے اثر ورسوخ کا استعمال فرمایا اور جذبات میں یہاں تک فرما دیا کہ ''وہ کھمبا ہر حال میں ان شاء اللہ وہاں سے ہٹوانا ہے'' چنانچہ الحمدللہ حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کی خواہش اور شیخ الحدیث کی کوشش پوری ہوئی۔

احسان کا بدلہ احسان کا ایک اور نمونہ بتا تا چلوں، اِن ہی حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کا جو گھر ''برہی'' میں تھا وہ پرانا، کچا اور بوسیدہ تھا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ کی خواہش تھی کہ ان کے سب سے پہلے مربی اور محسن کا گھر ان کی شایان شان ہو، چنانچہ ان کے قدیم گھر کی تجدید وتوسیع خود حضرت شیخ الحدیثؒ نے کرائی۔

کبھی کبھی حضرت شیخ الحدیثؒ مولانا محمد یونسؒ اپنے بارے میں فرماتے ''یہ ضیاء کی ضیاء ہے''، یعنی حضرت مولانا محمد یونس کی عندالناس محبوبیت اور عنداللہ مقبولیت کو اپنے استاذ گرامی قدر کی طرف ہی مبذول کرتے تھے اور فرماتے کہ مجھ پر جتنے احسانات حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کے ہیں اتنے کسی کے نہیں۔

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے بارے میں بھی ان کے بے شمار دعائیہ جملہ، تأثرات اور مثبت خیالات ہیں جن کو اگر لکھا جائے تو شاید ان سطور کی ضخامت بڑھ جائے اس لئے اس کے لئے پھر کسی نئی بزم اور انجمن میں پیش کرنے کی ان شاء اللہ سعادت حاصل کروں گا۔

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ ناظم مظاہر علوم سہارنپور اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اور ان دونوں حضرات کے لائق فخر تلمیذ حضرت مولانا عبدالحلیم جون پوریؒ کے بھی بے شمار احسانات اور انعامات آپ سے وابستہ ہیں جن کے بیان کے لئے خاصا وقت اور اچھے خاصے صفحات درکار ہیں۔

مقصوداس تمہید کا یہ ہے کہ ان کابراہل اللہ نے اجتماعی کوشش سے جس پتھر کوتراشا تھاوہ پتھر کوئی عام معمولی پتھر نہ تھا بلکہ ہر موتی سے زیادہ قیمتی، ہر ہیرے سے زیادہ چمدار اور ہر جوہر و گوہر سے زیادہ اہمیت کا حامل بن گیا، جس نے اپنی خداداد فہم وفراشت اور نور بصیرت اور عرفان بصارت سے حدیث شریف کے باب میں وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جو بہتوں کے لئے لائق رشک ہے۔

بقول حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور مدظلہ:

''ان کی پوری زندگی کتاب وسنت اورحدیث نبوی کی حدمت میں گزری، زمانۂ طالب علمی ہی سے جفاکشی اوراساتذہ واکابر کی محبت واطاعت اوروفاشعاری ان کا شعار رہا، طلب علم کے باب میں ان کی محنت ولگن قابل رشک تھی، وہ اسلاف کے سچے پیروکار، اکابر کی یادگار، زہدوقناعت کے پیکر، طلبہ وعلماء کے لئے ایک نمونہ اورعلم وتحقیق کے میدان میں ممتاز تھے''۔

حدیث ان کا مزاج اور بخاری شریف ان کا دستورحیات بن چکی تھی، بلکہ امام بخاریؒ کے تو گویا گرویدہ اور عاشق زار تھے اور کبھی کبھی وجد میں فرماتے تھے کہ

''اگر آج امام بخاریؒ آجائیں تو ہم ان کے دامن سے لپٹ جائیں اوران سے کہیں کہ ہمیں اپنا مرید بنالیں، ہمیں اپنا شاگرد بنالیں''

محترم حضرت مفتی شبیر احمد صاحب استاذِ حدیث دارالعلوم بری، یو۔کے بیان فرماتے ہیں کہ:

''امام بخاری سے ان کو عشق تھا، ایک صاحب سے تو فرمایا کہ تم امام بخاریؒ کی طرف سے صدقہ کیا کرو، خود جب بیمار ہوتے تو طلبہ سے روزے رکھواتے اور پھر ان طلبہ کے افطار اور عشائیہ کا بھی اہتمام فرماتے''

حضرت امام بخاریؒ کا جب بھی نام لیتے تو ہمیشہ اُن کے وقار وعظمت اور جاہ وجلال کا لحاظ رکھتے ہوئے رحمۃ اللہ علیہ کے بجائے ''رضی اللہ عنہ'' کہتے تھے اس ان کا جو ذہنی تعلق اور توافق حضرت امام بخاری سے ہے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اسی ذہنی توافق اور امام بخاریؒ سے عقیدت ومحبت کو کچھ نہیں سمجھ سکے اور اپنی طرف سے طرح طرح کی باتیں گردش کرنے لگیں، حضرت مفتی شبیر احمد صاحب استاذ حدیث دارالعلوم بری، یو۔کے کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''لوگ کہتے ہیں کہ حضرت نے احناف کے خلاف یہ بات کہی، بھائی! جب حضرت علیہ الرحمۃ امام بخاریؒ کی کتاب پڑھائیں گے تو امام بخاری ہی کی زبان سے بولیں گے ؟یا کسی اور کی زبان سے بولیں گے؟''(حضرت مفتی شبیر احمد صاحب استاذ حدیث دارالعلوم بری، یو۔کے)

مولانا عبدالرحیم لمباڈا کہتے ہیں:

''مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ حضرت کو کوئی سلفی کا لقب دیتا ہے تو کوئی غیر مقلد کا، دراصل لوگوں نے حضرت کو پہچانا ہی نہیں ،چونکہ حضرت کا علمی مقام ایسا تھا کہ اس میں بعض دفعہ تفردات ہوجاتے تھے ورنہ حضرت تو بہت پابند تھے، انتہائی درجہ کے متقی اور پرہیزگار انسان تھے اور سب مذاہب کی رعایت کرتے تھے، وضو بھی سارے مذاہب کی رعایت کے ساتھ کرتے تھے، نماز بھی سارے مذاہب کی رعایت کرکے پڑھتے تھے''(بہار نبوت:ص۸۱)

حدیث نبوی سے بھی حضرت شیخ الحدیث کو خصوصی مناسبت ہوگئی تھی، جس کا اندازہ اِس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے:

''حضرت ایک مرتبہ سنانے لگے کہ مجھے پہلے رسول پاک کی خواب میں زیارت ہوتی تھی ،ایک سال میں کئی بار ہوجاتی تھی، ایک بار میری زبان سے کوئی جملہ نکل گیا، تو وہ زیارت بند ہوگئی پھر کافی عرصہ کے بعد میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس کی کیفیت یہ تھی کہ: میں حدیث شریف پڑھا رہا ہوں، میں نے طلبہ کوئی حدیث شریف کی کوئی بات بتائی جوان کی سمجھ میں نہیں آئی تو میں نے طلبہ کو اپنے پیچھے غار حراء کی طرف اشارہ کیا وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شکل میں کھڑے تھے، میں نے طلبہ سے کہا کہ میری بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو انھیں سے پوچھ لو'' حضرت شیخ نے یہ خواب ارشاد فرمایا اور کہا کہ ''اس سے یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نے فہم حدیث کو کھولا ہے، کسی کو سمجھ میں آئے یا نہ آئے''(ایضاً)

ان کو ان کے مسلک سے ہٹا کر کسی اور مسلک سے جوڑنا دانائی کے خلاف ہے ،حضرت شیخ الحدیثؒ نے سلسلۂ چشتیہ کے دو عظیم بزرگ حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ اور حضرت شیخ الحدیث

مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے جرعہ نوش اور میخانۂ سلوک وتصوف کے جام شیریں سے لطف اندوز تھے چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''مجھے جب حضرت ناظم صاحبؒ نے اجازت دی تو میں نے خواب دیکھا کہ میں اجمیر شریف میں ہوں اور ڈول رسی کے ذریعہ پانی کھینچ رہا ہوں'' تو میں نے خود ہی اپنے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ حضرت نے مجھ کو صاحب السلسلۃ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ تک پہنچادیا ہے اور یہ میرے اوپر ہے کہ میں فیض کو جتنا ہوسکے کھینچوں'' (ایضاً)

شیخ الحدیثؒ خالص ''مولوی'' تھے، وہ انٹرنیٹ، سوشل میڈیا، ٹی وی اور موبائل کی لت سے کوسوں دور تھے، صرف پڑھنا اور پڑھانا ان کا مشغلہ تھا پھر بھی وہ شاندار اور جاندار عطر کی طرح دور ونزدیک خوشبو بنکر چمکے، جہاں جہاں سے گزرے لوگوں کو اپنے علوم ومعارف کی نورانیت سے منور اور قریوں، بستیوں اور مکانوں ومکینوں کو معطر کرتے چلے گئے۔

مولانا فیض الحسن ادیب سہارنپوریؒ اور علامہ شبلی نعمانیؒ کے بارے میں جنھیں معلوم ہے ان کیلئے تو شاید اتنی دلچسپی نہ ہو لیکن جو نہیں جانتے وہ جان لیں کہ علامہ شبلی نے لاہور جاکر حضرت ادیب الہند مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ سے جب عربی ادب پڑھنے کی خواہش کی تو اولاً منع کردیا کہ میرے پاس وقت نہیں ہے لیکن جب اصرار کیا تو فرمایا کہ صبح گھر سے (بھاٹی دروازہ) سے اورینٹل کالج تک پیدل جاتا ہے تم اپنی کتابیں لے کر دروازے کے پاس آکر کھڑے ہوجایا کرو، جب گھر سے نکلا کروں تو ساتھ ساتھ چلتے چلتے اسباق پڑھ لیا کرو، اس طرح علامہ شبلی نے ادب کی تعلیم پائی تھی اب سنئے ہمارے اس زمانے میں بھی ایسی نظیریں اگر تلاش کی جائیں تو مل سکتی ہیں چنانچہ مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

''جدہ میں محمد حریری ہیں بہت بڑے پروفیسر ہیں وہ حضرت کو جدہ سے اپنی گاڑی میں سوار کرتے تھے اور خود ڈرائیونگ کرتے تھے اور پھر اس کے بعد کسی اور ڈرائیور کو بٹھا کر راستہ میں، عرفہ کے میدان میں، منیٰ میں، اور دیگر مقامات میں چلتے پھرتے حضرت والاؒ سے پوری صحاح ستہ پڑھی ہیں''

عجیب وغریب شخصیت تھے حدیث پڑھتے پڑھاتے وہ حدیث کے بحر بیکراں میں غواصی کرکے کامیاب اور فائز المرام ہوتے تھے ایک بار فتنوں کی بات چل پڑی تو فرمایا کہ:

''امت اس وقت بہت سے فتنوں میں مبتلا ہے جدھر دیکھو فتنے ہی فتنے۔ ان فتنوں

سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں ہم کو دی تھیں (۱) اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وما کان اللّٰہ لیعذبھم و انت فیھم** (جب تک آپ دنیا میں ہیں اللہ تعالیٰ انھیں عذاب نہیں دیں گے) لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان فتنوں سے حفاظت کے لئے ہیں دوسری چیز دی اور وہ ہے استغفار، چنانچہ فرمایا: **وما کان اللّٰہ معذبھم وھم یستغفرون** (جب تک لوگ استغفار کرتے رہیں گے اللہ ان کو عذاب نہیں دیں گے) پس استغفار کی کثرت کرو، خوب استغفار کرو، رجوع الی اللہ کرو، توبہ کرو، اس کے ذریعہ فتن اور عذابِ خداوندی سے حفاظت ہوگی۔ (بہارِ نبوت: ص ۸۵)

آپ کے بارے میں بھلے ہی مسلکی طور پر طرح طرح کی باتیں مشہور ہوگئی ہوں لیکن آپؒ رخصت پر عزیمت کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے چنانچہ کچھ سال پہلے مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ یہاں رمضان کے اخیر عشرہ میں موجود تھے، ایک شخص نے کہ میں نے شیخ صاحب مدظلہ کو جب یہ نماز پڑھائی تھی تو میں اُس وقت مسافر تھا لیکن میں نے غلطی سے چار رکعت پڑھادی، حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ مفتی شبیر احمد سے پوچھو، اس نے مفتی صاحب سے پوچھا، مفتی صاحب نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، اس لئے کہ حضرت کا مسلک اربع فی اربع کا ہے، یعنی حضرت اس کو راجح سمجھتے ہیں اور اصول احناف پر بھی نماز ہوگئی کہ فریضۂ وقت ادا ہوگیا، یہ امر آخر ہے کہ واجب الاعادہ ہو، یہ واقعہ ظہر کا ہے اس کے بعد عصر کی نماز ہوئی پھر مغرب کی نماز ہوئی پھر عشاء کی نماز ہوئی اس کے بعد تراویح ختم ہوئی حضرت کے یہاں تین پارے کی تراویح ہوتی تھی، حضرت نے مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ شبیر! یہاں احناف کا مجمع ہے، مجھے ایسا لگتا ہے کہ نماز لوٹانی چاہئے، چنانچہ حضرت شیخؒ نے ظہر بھی دہرائی، عصر بھی دہرائی، مغرب بھی دہرائی اور عشاء بھی دہرائی۔

آپؒ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ سے خاص مناسبت تھی اور خود حضرت شیخ محمد زکریاؒ کو آپ سے بے انتہا انس اور تعلق تھا چنانچہ مفتی محمد عبداللہ طارق دہلویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک بار حضرت شیخ محمد زکریاؒ نے فرمایا: اگر یونس میرے سلام کا جواب بھی دیدے تو میں اس کا احسان سمجھوں ہوں“

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے اپنی آپ بیتی میں جگہ جگہ بڑے شفقت آمیز انداز واسلوب میں شیخ محمد یونسؒ کا ذکر خیر فرمایا ہے چنانچہ لگے ہاتھوں چند مثالیں اور نظریں وَپیش خدمت ہیں:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے حضرت رائے پوریؒ کو خط لکھا کہ برائے کرم آپ مجھے بیعت نہ کرنے کی اجازت عنایت فرمادیں تو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے بڑی سختی اورتاکید کے ساتھ خط کا جواب تحریر فرمایا اور حکم دیا کہ بیعت جاری رکھو، یہ واقعہ آپ بیتی میں موجود ہے اور وہاں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ

''یہ واقعات میں مولانا محمد یونس کے شدید اصرار پر لکھوا رہا ہوں''۔(آپ بیتی ۴۳۱ جلد اول)

دارالطلبہ جدید کے اندر موجود دارالحدیث کے افتتاح کا معاملہ تھا، مولانا حکیم محمد ایوب کی سرپرستی میں بنی پرشوکت دارالحدیث کے افتتاحی موقع پر بخاری شریف کا افتتاح بھی طے تھا چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اس ناکارہ کا سفر ملتوی ہوگیا۔ تو مولانا انعام الحسن صاحب نے الوداع کے لئے تشریف لائے ان کی آمد پر حکیم محمد ایوب صاحب کی رائے ہوئی کہ دارالطلبہ جدید کی دارالحدیث کا افتتاح بھی اسی وقت ہوجائے چنانچہ ۲۵/شوال ۸۸ء یوم چہارشنبہ صبح کو اول اس سیہ کار نے بخاری شریف کا سبق شروع کرایا جس کی تجویز تو پہلے سے مولانا یونس صاحب کے متعلق ہوچکی تھی مگران کا بھی اصرار تھا کہ بسم اللہ یہ ناکارہ کرتا جاوے''۔(آپ بیتی ۳۲۴ جلد اول)

ایک اور جگہ تحریر فرمایا کہ:

''دارالطلبہ جدید کی دارالحدیث جناب الحاج حکیم محمد ایوب صاحب نے اپنے اہتمام سے بہت ذوق وشوق سے بنوائی تھی ان کا اصرار تھا کہ زکریا اس کا افتتاح کرے اس لئے ۲۵/شوال چہارشنبہ صبح کو مولوی یونس صاحب اول الحدیث المسلسل بالاولیه پڑھوائی پھر زکریا نے بخاری شریف کی پہلی حدیث حفظ پڑھی کیونکہ آنکھوں میں نزول آب تھا اور پڑھ کر یہ کہا کہ بھائی تقریر تو اس کی بہت لمبی چوڑی ہے وہ تو مولانا یونس صاحب کریں گے تبرکاً بسم اللہ میں نے کرادی ہے''۔(آپ بیتی ۵۴۲ جلد اول)

اسی طرح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی یہ تحریر گرامی لائق مطالعہ ہے:

''زکریا کے سفر کی وجہ سے مظاہر کے تقسیم اسباق میں بھی عجلت کی گئی، ۲۵/شوال

کو اسباق کا افتتاح ہوا، مولوی یونس صاحب شیخ الحدیث نے اول مسلسل بالاولیت پڑھی پھر بخاری شریف کی حدیث پڑھی اور مولانا انعام صاحب نے طویل دعا کرائی'' (آپ بیتی ۱۲۱۰ جلد دوم)

صرف یہی نہیں کہ افتتاحی موقع پر حضرت مولانا محمد یونسؒ اور شیخ و مرشد اور استاذ گرامی کو یاد رکھتے بلکہ بخاری شریف کے اختتام کے مواقع پر بھی اہتمام فرماتے چنانچہ حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:

''اتوار ۲۸/ اگست کی صبح کو سہارنپور واپسی پر معلوم ہوا کہ مولانا یونس صاحب نے بخاری کا ختم روک رکھا ہے اس لئے حسب سابق دوشنبہ کی صبح کو ساڑھے نو بجے زکریا اور ناظم صاحب بھی پہنچ گئے معلوم ہوا کہ ایک حدیث روک رکھی ہے عبارت تو خود مولانا نے پڑھی، دعا کے بعد زکریا اور ناظم صاحب تو واپس آگئے اس کے بعد مولوی یونس صاحب نے سبق ختم کرایا دعا مولوی وقار صاحب نے کرائی اور اس کے بعد ناظم صاحب نے کچھ طلبہ کو نصائح فرمائیں'' (آپ بیتی ۱۱۹۸ جلد دوم)

ایک جگہ اور لکھا کہ:

''مولوی یونس نے بخاری و مسلسلات دونوں روک رکھی تھیں ان کو عشاء کے بعد بلا کر کہا چونکہ طلبہ کو اطلاع نہیں اس لئے صبح کو تین گھنٹہ میں سب کو اطلاع کرادو اور............۱۰/ بجے ۱۲/ اگست ۱۹۷۵ء مطابق ۳/ شعبان ۱۳۹۵ھ بخاری شریف کا ختم ہوا، اول مسلسل بالاولیہ کی حدیث پڑھی گئی اس کے بعد مولوی یونس نے بخاری کی آخری حدیث پڑھی متن دونوں کا زکریا نے پڑھا اس کے بعد کھانا کھایا اور حضرات نظام الدین ایک گھنٹہ لیٹ کر چلے گئے اور زکریا بھی چکنا چور ہو کر لیٹ گیا'' (آپ بیتی ۱۲۴۸ جلد دوم)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ فلاں جگہ عورتوں نے بیعت ہونے کا شدید تقاضا کیا چنانچہ انھیں بیعت کیا گیا تو اس لفظ بیعت پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوریؒ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہ بیعت علی منہاج النبوۃ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بھی سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بیعت اسلام کی حضرت اقدس قطب

العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دست مبارک پر بھی گنگوہ میں سو سے پہلے ایک عورت اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کے حکم سے بیعت ہوئی تھیں۔ حضرت اقدس مدظلہ کی نسبت بھی حضرت گنگوہی قدس سرہ کی نسبت کا عکس ہے کہ جملہ امور تصوف مع مشاغل علمیہ خدمت حدیث تعلیماً وتصنیفاً ظاہر باہر ہے۔ (از یونس: آپ بیتی ۴۳۰ جلد اول)

اسی طرح ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں انبیاء علیہم السلام کے مزارات کا ذکر خیر موجود ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ وہاں تشریف لے جاتے اور مراقب بھی ہوتے، چنانچہ مناسب سمجھتا ہوں کہ پوری تفصیل من وعن آپ بیتی سے آپ بھی پڑھتے چلیں:

''حضرت تھانویؒ نے فرمایا: ہندوستان میں بھی بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مزار ہیں، براس جو ایک جگہ ہے انبالہ سے آگے بنجارے کی سرائے اسٹیشن سے اتر کر وہاں ایک احاطہ ہے اس میں مزار ہیں نشان گُل قبروں کے نہیں، حضرت مجدد صاحبؒ کو مکشوف ہوا کہ یہاں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے مزار ہیں، ہم بھی مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ دیوبند کے ساتھ گئے تھے مولانا نے مراقبہ کیا، ان حضرات کی ارواح سے ملاقات ہوئی، گنتی میں تیرہ حضرات ہیں، ان میں ایک باپ بیٹے بھی ہیں، باپ کا نام حضرت ابراہیم ہے اور بیٹے کا نام حذر ہے (نہ معلوم بالذال ہے یا بالزال) مولانا نے ان کی بعثت کا زمانہ پوچھا تو ایک راجہ کا نام لیا کہ اس کے زمانہ میں ہم تھے، فرمایا حضرت والا نے کہ یہ نام میں بھول گیا پھر یاد آیا کہ راجہ کرن، مگر اتنا یاد ہے کہ تقریباً اب سے دو ہزار برس پہلے ہوا ہے اور فرمایا حضرت والا نے کہ مولانا نے مجھ سے اس مراقبہ کا قصہ بیان نہیں کیا بلکہ اپنے ایک مرید سے بیان کیا اور انہوں نے مولانا کے داماد سے بیان کیا، داماد صاحب نے مجھ سے بیان کیا اور ان مرید صاحب کا نام حاجی حسین، بسی ضلع سرہند اور داماد کا نام ضیاء الحق ہے۔ یہ عبارت حسن العزیز کی میں نے پیش کر دی۔ (آپ بیتی ۱۲۵۷ جلد دوم)

آگے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ لکھتے ہیں کہ

''ہمارے مولانا یونس صاحب مظاہری نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت اقدس تھانویؒ کے ملفوظات میں اور بھی اس کی وضاحت ہے اور غالباً وہاں کے الفاظ یہ ہیں کہ ''جس کو چشم بصیرت ہو وہ آج بھی ان کے انوارات دیکھ سکتا ہے'' (آپ بیتی ۱۲۵۷ جلد دوم)

☆☆☆

مولانا محمد اسلم قاسمیؒ کی شخصیت:

نسبت کا کرشمہ یا قسمت کا اعجاز

مولانا بدرالحسن القاسمی (کویت)

خانوادۂ قاسمی کے گوہر شب چراغ، استاذ حدیث، ممتاز سیرت نگار، بلند پایہ خطیب ومتکلم مولانا محمد اسلم قاسمی دنیائے فانی سے حیات جاودانی کی طرف کوچ کر گئے اور نومبر ۲۰۱۷ء کی ۳۱ تاریخ بروز دوشنبہ اپنے اہل خانہ کے علاوہ ہزاروں شاگردوں اور بے شمار فیض یافتوں کو سوگوار چھوڑ کر رب کریم کی آغوش رحمت میں پہنچ گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

ان کی وفات سے برصغیر کے دینی وعلمی حلقہ میں ایک زبردست خلا پیدا ہو گیا ہے۔

ان کے جد اعلی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور پدر بزرگوار حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند تھے۔ جب انہوں نے دنیا میں قدم رکھا تو دارالعلوم دیوبند کا چشمۂ فیض سامنے تھا اور حضرت حکیم الاسلام کے سایۂ عاطفت کی وجہ سے گھر بھی علم وحکمت کا خزینہ اور رشد وہدایت کا گنجینہ بنا ہوا تھا۔

انہوں نے دارالعلوم میں تعلیم کی تکمیل کے بعد علی گڑھ میں انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی۔

جس وقت ان سے تعارف ہوا وہ ایک انتظامی شعبہ سے وابستہ تھے جبکہ میں پندرہ روزہ عربی جریدہ کی ایڈیٹری کے ساتھ تدریس کی ذمہ داری انجام دے رہا تھا۔ سرراہ ملاقات سلام اور مزاج پرسی تک ہی محدود رہتی کبھی نامور صحافی سید ازہر شاہ قیصر کے ساتھ رسالہ دارالعلوم کے آفس میں ملاقات ہوتی تو قاری عبداللہ سلیم صاحب اور محترم عبداللہ جاوید صاحب وغیرہ بھی ساتھ نظر آتے۔

لیکن جب اجلاس صدسالہ کی تیاریوں کی ذمہ داری ان کو سونپی گئی اور مولانا حامد الانصاری غازی مرحوم کے تیار کردہ وسیع وعریض ماسٹر پلان کو عملی حدود میں لانے اور خاکہ میں رنگ بھرنے کا مرحلہ آیا تو کثرت سے ملاقاتیں ہونے لگیں اور بیشتر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی سرپرستی وشرکت میں میٹنگیں ہونے لگیں اور متعدد بار دارالعلوم کی کسی ضرورت سے یا بعض سفارت خانوں سے مراجعت کے لئے دہلی کے سفر میں ساتھ رہنے کا موقع ملا اور ہر ملاقات میں ان کی شرافت نفس اور اخلاقی عظمت کا نیا نقش دل پر قائم ہوا اور مرور ایام کے ساتھ یہ تاثر گہرا ہوتا گیا وہ قلم کار اور سیرت نگار بھی

تھے۔ ''سیرت جلسہ'' کی ترجمانی کے علاوہ مستقل سیرت کی کتاب بھی لکھی ہے۔ وہ طبعی طور پر ایک خاموش طبع کم گو اور کم آمیز انسان تھے بے تکلف دوستوں کی مجلس اس سے مستثنیٰ ہوسکتی ہے ان کی زبان پر کسی کے بارے میں حرف شکایت مشکل ہی سے آ پاتا تھا اور وہ بھی حیرت واستعجاب کے اظہار کی شکل میں۔

دار العلوم میں جب فتنہ زوروں پر شروع ہوا اور بعض ''مقدس شخصیتیں''، خارجی اثر اور ذاتی مصالح کی وجہ سے فتنہ کو فرو کرنے کے بجائے اسے مزید ہوا دینے میں لگ گئے اور نہایت ہی شاطرانہ انداز پر انتظامیہ کو کمزور کرنے کے لئے میدان میں کود پڑے بلکہ بعض نے تو حضرت مہتمم صاحب کے خلاف مہم کی کمان بھی سنبھال لی اور صورت حال مزید بگڑتی چلی گئی۔

اس زمانہ میں ایک کارڈ یہ بھی کھیلنے کی کوشش کی گئی کہ حضرت مولانا سالم القاسمی صاحب کو کاٹنے کے لئے مولانا محمد اسلم صاحب کا نام پیش کیا جائے اور وہ بھی صرف پروپیگنڈہ کی حد تک ان کا نام استعمال کیا جائے وہ اپنی مرضی کے خلاف اپنے نام کے غلط استعمال سے سخت الجھن میں تھے ایک دن خود ہی فرمانے لگے کہ بھائی میرا حال تو یہ ہے کہ اگر میں مسجد میں کسی جگہ بیٹھ جاویں تو اٹھ کر دوسری اچھی جگہ لینے میں بھی مجھے تکلف محسوس ہوتا ہے اور شرمندگی ہوتی ہے میں اس طرح کے خرخشوں میں پڑنے والا کیسے ہوسکتا ہوں؟!

ظالموں نے اسی پر بس نہیں کیا خود حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کی کردارکشی پر اتر آئے طرح طرح کی الزام تراشیاں کیں ان کی ساٹھ سالہ قربانیوں کو فراموش کر کے ان کو زندہ درگور کرنے کے درپے ہوگئے، اندرون دار العلوم ہنگامہ آرائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ شوری کے اجلاس کے موقع پر ان میں اتنی شدت پیدا کردی جاتی کہ کبھی مہمان خانہ کا گھر اور ہوتا کبھی نشست ڈاک بنگلہ پر منتقل کی جاتی اور کبھی علی گڑھ میں اجلاس منعقد ہوتا یہ سب کرنے والے انقلابی اوران کے ہم نوا بعض ارکان تھے اور الزام حضرت قاری صاحب پر لگایا جاتا۔

مہمان خانہ پر چڑھاؤ کے دوران منظر یہ تھا وہ روم جس میں حضرت حکیم الاسلام صاحبؒ، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحبؒ، حکیم محمد زمان حسینی صاحبؒ اور امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ صلاح ومشورہ میں مصروف تھے اچانک مچھردانی کے ڈنڈے اور لاٹھیوں سے لیس طلبہ کا ایک گروپ نعرہ لگاتے ہوئے داخل ہوا اور درودیوار اور کھڑکیوں کو پیٹ کر خوف ودہشت کا ماحول پیدا کرنے میں مصروف تھا کہ ایک استاذ گرامی منزلت نے آ کر ان اکابر کے سامنے نہایت جذباتی اور دھمکی آمیز تقریر کی اور رخصت ہوگئے۔ اس وقت سبھی ڈرے سہمے تھے اور حضرت قاری صاحب مرحوم کی زبان پر (لا الہ الا

انت سبحانک انی کنت من الظالمین) کا ورد تھا۔

لیکن ''شوریٰ'' کی بالادستی کا دم بھرنے والے بزرگ کا ''صداقت ریز قلم'' بڑی ''عاجزانہ'' معصومیت کے ساتھ حضرت قاری صاحب کے خلاف الزام تراشیوں میں مصروف تھا، ان کو دن کو رات اور سیاہ کو سفید کرنے کا خصوصی ملکہ حاصل تھا اور انہوں نے فتنہ کے دوران اپنی اس صلاحیت کا بھرپور استعمال کیا اور اس کا ان کو کیا صلہ ملا یہ تو رب کائنات ہی کے علم میں ہے اور اب تو ظالم و مظلوم سبھی اس کے دربار میں پہنچ گئے ہیں جہاں ساری فنکاریاں عیاں ہوں گی اور ذرہ ذرہ کا سبھوں کو حساب دینا ہوگا۔

ہماری دینی و ملی تاریخ کا یہ بھی عجیب المیہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت وسلطنت کا زوال ہو یا دینی مراکز اور تعلیم گاہوں کی تباہی و بربادی وہ غیروں کی مداخلت اور دشمنوں کی سازشوں سے کم اور خود آپس کے اختلاف اور باہمی رسہ کشی سے زیادہ اپنے انجام کو پہنچتی رہی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد مبارک کی معنویت شاید مجھ پر اتنی واضح نہ ہوتی اگر میں نے دارالعلوم دیوبند کے اندرونی فتنوں، ہنگامہ آرائیوں اور اسٹرائیکوں کا منظر نامہ خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا۔

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"ما ذئبان جائعان ارسلا فی غنم بافسد من حرص المرء علی المال والشرف لدینه".

یعنی دو بھوکے بھیڑیوں کو اگر بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے تو وہ اتنی تباہی نہیں مچا سکتے جتنی تباہی مال کے لالچی اور دینی وجاہت اور جاہ ومنصب کے بھوکے مچایا کرتے ہیں۔

اگر آپ جائزہ لیں کہ دارالعلوم دیوبند دونیم کیوں ہوا؟ اور اس کے فتنہ کو ہوا دینے میں بعض مقدس شخصیتوں نے کیا رول ادا کیا؟

اور تھوڑے ہی دنوں بعد ''مظاہر علوم'' دو حصوں میں کیوں تقسیم ہوا؟

یا آج تبلیغی جماعت میں دو دھڑے کیوں قائم ہیں؟ تو ہر جگہ ایک ہی طرح کی نفسیات سامنے آئے گی۔

بعض ایسی ''ہستیاں''، جن کے بارے میں عام خوش فہمی تو یہ ہوتی ہیکہ وہ ''خلاف شرع کبھی تھوکتے بھی نہیں''۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ نہایت فنکاری کے ساتھ سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید کرنے سے باز رہتے ہیں اور نہ باطل کو حق اور حق کو باطل قرار دینے میں ان کو کوئی تامل ہوتا ہے ان کی حرکتیں دیکھ کر آدمی پکار اٹھتا ہے کہ:

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

دارالعلوم دیو بند کی تاریخ نہایت تابناک رہی ہے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے پایہ کے لوگ برصغیر ہی نہیں دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی ان کے ہم عصروں میں نہیں مل سکتے۔لیکن غالب کے بقول:

مری تعمیر میں مضمر تھی اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خوف گرم ودھقاں کا

اندرونی فتنوں اور ریشہ دوانیوں کا سلسلہ کبھی موقوف نہیں ہوا، حضرت مولانا تھانویؒ کو اندرونی خلفشار اور رشہ کشی کی وجہ سے دارالعلوم کی سرپرستی سے استعفیٰ دینا پڑا۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو اپنے شاگردوں کا علمی قافلہ لے کر گجرات جانے کی نوبت آئی جہاں انہوں نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی بنیاد ڈالی۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا عہد اہتمام ساٹھ سال تک پھیلا ہوا ہے اس لئے حالات کی سنگینی کا سامنا بھی انہیں بارہا کرنا پڑا۔

آخری فتنہ میں طالع آزماؤں کے تیور تو اجلاس صد سالہ سے پہلے ہی بدلے ہوئے تھے اجلاس کے بعد آر پار کی جنگ چھیڑ دی گئی اور وہ سارے حربے استعمال کئے گئے جو دنیوی لڑائیوں اور اختلافات میں استعمال کئے جاتے ہیں۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ایک نہایت ہی کربناک داستان ہے جس کا ذکر بھی تکلیف دہ ہے مختصر یہ کہ ۱۹۸۲ء میں ''سقوط دارالعلوم'' کا سانحہ صرف ایک دینی ادارہ میں اقتدار کی تبدیلی کا مسئلہ نہیں تھا ہماری دینی قیادت کا دیوالیہ پن اور تمام اخلاقی وروحانی قدروں کی پامالی کے مرادف ہے اور ان تمام اہل تقدس کا سقوط تھا جو جانے کن کن آداب والقاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب علماء کے طبقہ کے سرخیل اکابر واسلاف کے علوم وکمالات کے وارث، حکمت ولی اللّٰہی اور علوم نانوتوی کے مستند ترجمان تھے ان کی ذات سارے عالم میں دارالعلوم کی شناخت سمجھی جاتی تھی دارالعلوم کے مسلک ومشرب کی حفاظت ان کی زندگی کا مشن رہا، اور امت نے ان پر ہمیشہ عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کئے۔

اس نشان علم وحکمت اور کوہ عظمت وشرافت کے خلاف جب مہم شروع کی گئی تو تمام اخلاقی وشرعی

حدود کو پار کر کے ان کو زندہ درگور کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی اور جس ذات نے دار العلوم کو کوخ سے کاخ تک پہنچایا تھا اور ایک چھوٹے سے دینی ادارہ کو ایک عالمی اسلامی دانشگاہ کے درجہ تک پروان چڑھایا اسے بے دخل کرنے کے لئے ہر طرح کے جتن کئے گئے اور حال یہ ہو گیا کہ:

میں نے ہی تو گلستاں کو گلستاں بنایا
میرے ہی مقدر میں کوئی جام نہیں ہے

اس مہم کی کمان جن بزرگ نے سنبھال رکھی تھی وہ اپنی تلوّن مزاجی کی وجہ سے کئی اداروں کا پہلے ہی خون کر چکے تھے، یہاں بھی انہوں نے قتل کے بعد جفا سے توبہ کا اعلان کیا لیکن:

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مولانا محمد اسلم قاسمی صاحب نے یہ سارا ڈرامہ اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ اس سے دوچار رہے انتہائی سنگین حالات میں ثابت قدم رہنا ہر شخص کے بس میں نہیں ہوتا، اس کے بعد ان کی زندگی میں اچانک بے پناہ تبدیلی حیرت انگیز بھی ہے اور قابل رشک بھی۔

عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد ان کو تنظیم و ترقی کا شعبہ ملا تھا اور برقیات کا نظم و نسق ان کے ذمہ لگایا گیا تھا۔

اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ان کو پدر بزرگوار کی علمی میراث ملے گی اور وہ نامور خطیب بن جائیں گے یا وہ تدریس و تعلیم کے میدان میں قدم رکھیں گے اور اپنی حیات مستعار پوری کر کے دنیا سے اس حال میں رخصت ہوں گے کہ دنیا انہیں ''شیخ الحدیث'' کی حیثیت سے یاد کرے گی اور وہ اپنے پیچھے ہزاروں شاگردوں اور عقیدت مندوں کی ایسی جماعت چھوڑ کر جائیں گے جو پس مرگ ان کو دعاؤں کی سوغات بھیجتی رہے گی اور لوگوں کو ان کی ذات میں حضرت حکیم الاسلام کی شبیہ نظر آنے لگے گی، اسے ان کی نسبت کا کرشمہ کہئے یا ان کی خوش بختی کا اعجاز بہر صورت یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔

تواضع و شرافت اور سادہ مزاجی تو خاندانی تھی اور علمی و عقلی کمالات کچھ اکتسابی اور کچھ لدنّی ان کو حاصل ہوئے۔

انہوں نے کامیاب زندگی گزاری اور زندگی میں اس زبردست انقلاب سے پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ حوادث نے ان کو مایوس کرنے کے بجائے نئی زندگی کی راہ دکھلائی پھر وہ اپنی زندگی کے آخری دم تک علوم نبوت کی میراث کو ایک باکمال مدرس اور خوش بیاں خطیب و واعظ اور ایک اچھے قلمکار کی حیثیت سے تقسیم کرتے رہے اور آخری ایام ضعف میں اور بیماری کے بعد ہاتف غیبی سے اس نغمہ دلنواز کے سننے کا انتظار و اشتیاق ہی باقی رہ گیا تھا کہ

(یا ایتھا النفس المطمئنۃارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی)۔
تا آنکہ وقت موعود آ گیا اور انہوں نے جان جاں آفریں کے سپرد کردی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

....

حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری

سہارنپور 9جولائی: دینی علمی تبلیغی اوراصلاحی مرکزعلم وہنر کا گہوارہ سرزمین مرادآباد کے مشہورعالم دین، مایہ ناز شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری بجنوری دارفانی سے دار بقاء کی طرف کوچ کر گئے۔مولانا کی عمر تقریباً80 سال تھی۔مولانا نسیم احمد غازی مظاہری کی انتقال پرملال کی خبر ملتے ہی مظاہرعلوم وقف کے اساتذہ، ذمہ دران اورطلبا میں رنج وغم کا ماحول طاری ہوگیا۔اس حادثہ پر مدرسہ مظاہرعلوم وقف کے استاذ وایڈیٹر آئینہ مظاہرعلوم مفتی ناصرالدین مظاہری نے اظہاررنج وغم کرتے ہوئے کہا کہ مولانا اکابر کی یادگار تھے،صاف گو، مرنجامرنج طبیعت کے مالک تھے،سادگی اورمعاملہ کی صفائی ان کی طبیعت کا اہم حصہ تھے۔مفتی ناصرالدین مظاہری کہا کہ دیانت دار،امانت دار،تقویٰ شعار،ملنساراورنہایت ذہین وذکی شخص تھے۔انہوں نے کہا کہ مجھ سے شفقت فرماتے تھے۔انہوں نے کہا کہ مولانا تمام علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل تھی خاص کرعلم حدیث اورتفسیر میں۔مولانا آخرعمر تک علم حدیث ودیگر کتابوں کا درس سے طلباء کو فیضیات اور اصلاح معاشرہ کرتے رہے۔انہوں نے مزید کہا کہ مولانا کے ہزاروں کی تعداد میں شاگردملک وبیرون ملک میں درس وتدریس کے ساتھ ساتھ اسلام کی اشاعت وترویج تن من دھن اورخلوص وللّٰہیت کے ساتھ بخوبی انجام دے رہے ہیں۔مفتی ناصر مظاہری نے کہا کہ مولانا غازی کئی درجن کتابوں کے مصنف،کئی اداروں کے سرپرست،بے باک مقرر انشاء پرداز اورمرکز والی مسجد مرادآباد کے باوقار امام بھی تھے۔مفتی ناصر نے کہا کہ مولانا غازی کے صاحب زادگان عالم ہیں۔پسماندگان میں مولانا نعیم احمد، مولانا فہیم احمد، مولانا زعیم احمد، مولانا نجیم احمد اورمولانا تمیم احمداورکئی بیٹیاں بھی ہیں۔اللہ تعالیٰ حضرت والا کودرجات بلند سے بلندتر عطا فرمائے اورپسماندگان کوصبرجمیل عطا فرمائے۔آمین۔(مختلف اخبارات میں شائع ہوئی)

مفتی محمد عبداللہ پھولپوریؒ

عبدالرشید طلحہ نعمانی

قحط الرجال کے اس دور میں مردان حق کی پے در پے رحلتیں جہاں قرب قیامت کی نشان دہی کررہی ہیں ، وہیں یکے بعد دیگرے انفرادی و اجتماعی صدموں سے دوچار ملت اسلامیہ، شریعت و طریقت اورقیادت و سیادت کے مختلف میدانوں میں علماء ربانیین کے فقدان کا شکوہ کرتی نظر آرہی ہے۔ابھی چند ہفتے قبل خانوادۂ قاسمی کے چشم وچراغ ،معروف محدث وسیرت نگار حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی کی وفات سے علمی حلقوں میں ایک بجلی سے کوندگئی تھی اور امت مسلمہ اس اندوہناک صورت حال سے ابھی باہر بھی نہیں آئی تھی کہ یکا یک 30 /نومبر، بہ روز جمعرات مطابق 10 / ربیع الاول کو یہ خبر کانوں سے ٹکرائی کہ حضرت مولانا مفتی شاہ عبداللہ صاحب پھول پوری (مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ بیت العلوم سرائے میر) عمرے کے مبارک سفر کے دوران مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین پر مختصر سی علالت کے بعد راہ ءملک بقاء ہوگئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون ۔

آپ کی وفات تنہا ایک شخص کی وفات نہیں ؛ بل کہ ایک شخصیت کا ارتحال ہے،ایک ذات کا نقصان نہیں پوری انجمن کا خسارہ ہے، ایک فرد کی رحلت نہیں ایک عہد کا خاتمہ ہے،آپ اصلاح امت کے عظیم الشان داعی ،تصوف وسلوک کے رمز شناس، اسرار شریعت کے رازداں ،علوم حدیث وفقہ کے پاسباں ، ہندوستان کے ممتاز، باعزت اورمشہورعلمی وروحانی خاندان کے مایۂ ناز سپوت، حضرت محی السنۃ شاہ ابرارالحقؒ کے جلیل القدر خلیفہ اورایک دینی وفکری مرکز کے روح رواں ومیر کارواں تھے،آپ اپنے پہلو میں دردمند دل رکھتے تھے؛ جو ہر وقت اسلام اور عالم اسلام کے درد سے معمور رہتا تھا،آپ کا شمار خدائے بزرگ وبرتر کے ان برگزیدہ بندوں میں ہوتا تھا جو اپنی تمام تر زندگی اللہ تعالٰی کی بندگی ،اس کی عبادت و اطاعت اور زہد وتقویٰ کیلئے وقف کردیتے ہیں۔اس وقت میرے پیش نظر ماہ نامہ دارالعلوم کا وہ اداریہ ہے؛ جس میں حضرت شاہ ہردوئی کی وفات حسرت آیات پر گہرے دکھ اور رنج کا اظہار کرتے ہوئے محدث جلیل، استاذ مکرم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی اعظمی مدظلہ نے ارقام فرمایا تھا کہ ” آپ (شاہ ابرارالحقؒ) کی وفات کا سانحہ تنہا کسی فرد، جماعت، یا ادارہ کا غم نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا

غم ہے پھر اس لحاظ سے اس غم کی وسعت اور ہمہ گیر ہو جاتی ہے کہ حضرات اکابر رحمہم اللہ نے برصغیر میں علم ومعرفت اور فضل وکمال کی جو بساط بچھائی تھی وہ بڑی سرعت کے ساتھ لپٹتی جا رہی ہے، اپنی تاریخ کے ماضی پر نگاہ دوڑائیں تو آپ دیکھیں گے کہ حضرت حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ گئے تو اپنے پیچھے شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر وغیرہ جیسے عبقری اخلاف چھوڑ گئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے رخت سفر باندھا تو اپنے پیچھے سید احمد شہید، مولانا شاہ عبدالحیٔ بڈھانوی، مولانا شاہ اسماعیل شہید، شاہ محمد اسحاق علم وفضل وجہد وعمل کا ایک کارواں چھوڑ گئے۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت قطب ارشاد محدث کبیر مولانا رشید احمد گنگوہی نے علم وفضل اور حکمت ومعرفت کا جو باغ لگایا تھا اس کی آبیاری کیلئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن جیسا خلف رشید چھوڑ گئے تھے پھر حضرت شیخ الہند کی مجلس علم وفضل اور مسند جہاد وعزیمت کو حضرت محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے آراستہ وپیراستہ رکھا۔ داعی کبیر حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے جاری کردہ دعوت وتذکیر کے کام کو آگے بڑھانے کیلئے امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی موجود تھے، خانقاہ رائے پوری کی رونق وتازگی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر کے دم قدم سے قائم رہی، حضرت محدث جلیل مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے جاری کردہ علمی وروحانی سلسلے کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نے نہ صرف سنبھالے رکھا بلکہ اس کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے فیض کو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نے عروج وکمال عطا کیا، اسی روحانی سلسلے کی ایک زریں کڑی حضرت مولانا ہردوئی قدس سرہ کی باکمال شخصیت تھی، ان کی وفات حسرت آیات سے ایک ایسے خلاء کا احساس ہوتا ہے جسے پُر کرنے والا بظاہر کوئی نظر نہیں آتا۔'' (ماہنامہ دارالعلوم، جون 2005)

ٹھیک اسی طرح حضرت والا رحمہ اللہ بھی حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ اور حضرت محی السنۃ ہردوئیؒ کے لگائے ہوئے سرسبز وشاداب چمن کے گل سرسبد تھے آپ کی رحلت سے پسماندگان کو جو علمی وروحانی نقصان ہوا اس کے تلافی کی بھی بہ ظاہر کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔

مختصر سوانح حیات:

اس عظیم درویش صفت، احسان کیش مرد قلندر اور مفکر ومحدث کے تمام خدوخال کو نمایاں کرنا اور جملہ اوصاف وکمالات کا احصاء کرنا مجھ کم علم اور کوتاہ فہم کے بس کی بات نہیں؛ تاہم اجمال واختصار کے

ساتھ سوانحی خاکہ پیش خدمت ہے۔

آپ کا نام نامی:

عبداللہ، والد ماجد کا اسم گرامی :ابوالبرکات ہے۔ سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے :عبداللہ بن ابوالبرکات بن عبدالغنی بن عبدالوہاب بن امانت اللہ۔ آپ کے جدامجد امانت اللہ وقت کے ولی کامل اور صاحب نسبت بزرگ تھے، حضرت مرزا مظہر جان جاںؒ کے فیض یافتگاں میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ کے دادا نے اپنا آبائی وطن چھوڑ کر پھول پور کی طرف ہجرت فرمائی تھی اس مناسبت سے آپ کو پھول پوری کہا جاتا ہے۔ آپ کی ولادت ہندوستان کے مردم خیز قصبے اعظم گڑھ میں ہوئی، چوں کہ آپ کے دادا پیکر فناء فی اللہ، سلطان الاولیاء حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، یگانہ روزگار صوفی، عارف وقت اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز، جید اور بلند پایہ خلیفہ تھے؛اس لیے آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت گھر ہی میں ہوئی پھر مدرسہ بیت العلوم سرائیمیر سے حفظ اورعربی درجات کی تکمیل فرمائی بعد ازاں مظاہرعلوم سہارن پور میں داخلہ لیااور عالمیت وافتاء سے فراغت حاصل فرمائی۔ مدرسہ بیت العلوم میں زبدۃ الافاضل حضرت مولانا سجاداحمد جون پوری(خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ)،مولانا عبدالقیوم بکھراویؒ، مولانا عبدالرشید مظاہری سلطان پوری،مولانا محفوظ الرحمٰن مظاہری سلطان پوری آپ کے نمایاں اساتذہ میں ہیں، ان کے علاوہ مظاہرعلوم سہارن پور میں حضرت مفتی مظفرحسین صاحبؒ،حضرت شیخ محمد یونسؒ اور دوسرے موقر اساتذہ سے اکتساب فیض فرمایا۔ علوم ظاہرہ کی تحصیل کے بعد بیت العلوم ہی میں عربی درجات کے استاذ مقرر ہوئے، آپ کی صلاحیت اور علمی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے ارکان مدرسہ نے نائب ناظم کی ذمہ داری تفویض کردی، اسی اثناء میں حضرت ہردوئی، نے بیت العلوم کے ناظم اعلیٰ کے منصب کو زینت بخشی، حضرت ہردوئیؒ کے دوراہتمام میں آپ بہ حیثیت نائب ناظم خدمات انجام دیتے رہے،اورحضرت ہی کے دامن سے وابستہ رہ کرعلوم باطنہ کی بھی تکمیل فرمالی اس طرح حضرت محی السنۃ کی صحبت کیمیا اثر نے آپ کو کندن بنادیا، پھرحضرت کی وفات کے بعد متفقہ طور پرآپ ہی کو''ناظم اعلیٰ''منتخب کیا گیا۔ حضرت والا کے نیابت اہتمام میں بیت العلوم میں دورہ حدیث اورافتاء کا آغاز ہوا، حضرت اقدس مفتی محمد حنیف صاحب جون پوریؒ شیخ الحدیث اول

اور مفتی صاحب شیخ ثانی مقرر ہوئے، مفتی محمد حنیف جون پوریؒ کی علالت کے وران آپ ہی کو شیخ الحدیث اور صدر مفتی بنادیا گیا۔علمی وعملی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ مدرسہ بیت العلوم کی موجودہ تمام عمارتوں کی تعمیر حضرت والا ہی کے کے دوراہتمام میں ہوئی، بیت العلوم سے ماہنامہ "فیضان اشرف'' نامی ایک ماہانہ رسالہ پابندی سے آپ ہی کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔

شمائل وخصائل:

اللہ تعالی نے آپ کو گوناں گو خصوصیات سے سرفراز فرمایا، آپ بہ یک وقت ایک عظیم محدث، دور رس مفکر، مایۂ ناز فقیہ، ہوش مند منتظم، روشن ضمیر پیر طریقت اور متعدد مکاتب/ مدارس اور ملی وسماجی تنظیموں کے سرپرست تھے، آپ علم وعمل کے پیکر جمیل، حضرت پھول پوریؒ وہردوئیؒ کے چشمہائے فیوض وبرکات کے حسین امتزاج، دلوں کو اپنے پراثر مواعظ وبیانات سے جلاء وتازگی بخشنے والے، گم گشتہ راہوں کو راہ راست پر لانے والے، تزکیہ کے ذریعہ قلوب کو اللہ کی طرف موڑنے والے، گناہوں کی قباحت اور سنتوں کی محبت دلوں میں جاگزیں کرنے والے تھے۔ آپ روشن و وجیہ چہرہ، نرم وشگفتہ مزاج، متبسم ہونٹ، سادگی وکسر نفسی کا مجسم آئینہ تھے، فقراء ومساکین کے ساتھ حسن وسلوک برتتے، علماء وطلبہ کا بہت زیادہ پاس ولحاظ فرماتے، دست سوال دراز کرنے والوں کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے تھے، آپ کو فقط اس بات کی فکر تھی ساری امت کا تعلق اللہ پاک سے مضبوط ہوجائے، یہی سوز دروں اور دردفزوں لیے آپ نے اطراف عالم کا چکر لگایا اور اسی متاع غم کو تقسیم کیا۔آپ کی اہم خصوصیت عنداللہ مقبولیت کے ساتھ ساتھ عندالناس محبوبیت بھی تھی، آپ بلا استثناء سبھوں کے نزدیک محبوب تھے، آپ کی مجلس علم وذکر کی مجلس ہوتی تھی اور آپ کے پیغام میں بے حد تاثیر، دلربائی، دل نشینی اور بلا کی چاشنی تھی۔



علم وعمل اور صلاح وصلاحیت کے پیکر:

حضرت مولانا مفتی عبداللہ پھول پوریؒ

مفتی محمد ساجد کھجناوری مدیر ماہ نامہ صدائے حق گنگوہ

ابھی حال ہی میں جن اہم شخصیات کے داغِ مفارقت دینے سے ملتِ اسلامیہ کو واقعی نا قابلِ تلافی صدمات سے دو چار ہونا پڑا ہے اس میں حضرت مولانا مفتی عبداللہ پھول پوری کا سانحہ وفات بھی ہے وہ ابھی 30/نومبر 2017 کو سفرِ عمرہ کے دوران مکہ المکرّمہ میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون

وفات کے وقت آپ کی عمر محض ۱۲ سال تھی قسمت کی بلندی کہ انہوں نے بلد امین میں قابل رشک موت پائی اور وہاں کے تاریخی قبرستان جنت المعلی میں علمائے دیوبند کے سرخیل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پہلو میں آسودہ خواب ہوئے

مفتی عبداللہ پھول پوری اھلِ علم وتصوف کے اس ممتاز حلقے کے فرد تھے جنھیں مصدرِ فیاض نے صراطِ مستقیم کی وضاحت اوراپنے دین کی سربلندی وترجمانی کیلئے موفق فرمایاوہ زمانہ کے مدوجزر اور حالات کی ستم ظریفی کا شکوہ نہ کرکیا پنی زبان وقلم اور مجالسِ اصلاح وارشاد سے پریشان امت کی دینی وفکری آبیاری کا ایسا قابلِ عمل فریضہ سرانجام دیتے ہیں کہ ان کے معاصرین کو بھی ان کی اداؤں پر پیار آنے لگتا ہے اور وہ بزبانِ حال یہی کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مفتی عبداللہ پھول پوری بھی ان با فیض خدارسیدہ بندگان میں سے تھے جنھیں خاندانی نسبتوں نے چمک اور روحانی کشش سے بہرہ ورکرنے کے ساتھ اسلاف کی سنتِ متوارثہ کواپنے اندر جذب کر لینے بلکہ کمالِ فرزانگی کے ساتھ اسے متعدی کرنے کا حوصلہ وسلیقہ وہبی طور پر بخشا تھا اسی لئے ان کے حلقہ ارادت میں ملک کے نامی گرامی گھرانوں کے جویانِ حق اور طالبین وسالکین نظر آتے ہیں ان کے جدّ بزرگوار حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوری نے مفتی صاحب کے اندرون پر کیا انقلابی اثرات ڈالے ہوں گے کہ بہت جلد وہ عوام وخواص کے ایک معتدبہ حلقے میں شہرتوں کے آسمان سر کرنے لگے جبکہ

روحانیت کا درجہ کمال انھیں محی السنہ حضرت مولانا شاہ محمد ابرار الحق ہردوئی کے دربار سے حاصل ہوگیا تھا جو حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے براہِ چنانچہ جیسے ہی میدانِ عمل میں آپ نے قدم رکھا تو سعادت واقبال مندی ان کے شانہ بشانہ تھی اور شمعِ روحانیت کے پروانے دیوانہ واران کے اردگرد جمع ہونے لگے تھے۔

اللہ نے انھیں بے شمار کمالات سے نوازا تھا وہ عالم باعمل صوفی صافی ولی وعارف اور باصلاح استاذِ حدیث وروشن دماغ مفتی تھے ان کے والد ابوالبرکات نے انھیں ابتدائی عربی تا متوسطات کی تعلیم کے بعد جامعہ مظاہر علوم سہارن پور تحصیلِ علم وآدمیت کیلئے بھیجا تھا اس وقت آپ کی عمر محض 21/سال تھی یہ سن 1402 ھجری مطابق 1982 عیسوی کی بات ہے جب آپ نے مختلف کتب کا اہلیتی امتحان دے کر عربی ہفتم (مشکوۃ) میں داخلہ لیا پھر آئندہ سال اس شان کے ساتھ فاتحہ فراغ پڑھی کہ سالانہ امتحان میں اعلی نمبرات سے ظفریاب ہوئے جس کی بنا پر آپ کو خصوصی انعام سے بھی نوازا گیا علم وتحقیق کی انگیٹھی کو مزید گرمانے کیلئے اگلیسال یہیں سے افتا کی بھی تکمیل فرمائی۔

مفتی عبداللہ اپنے درسی ساتھیوں میں صلاح واستعداد کے لحاظ سے خاصے نیک نام تھے اسلئے فقیہ الاسلام مفتی مظفر حسین اجراڑوی چاہتے تھے کہ ان کا تقرر برائے تدریس جامعہ مظاہر علوم میں کرلیا جائے لیکن قسامِ ازل نے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کی وقیع خدمت آپ کے حق میں لکھی تھی چنانچہ آپ عملاً اسی ادارہ سے وابستہ ہوگئے جہاں بتدریج وہ شیخ الحدیث اور دارالاہتمام تک پہنچے انہوں نے قلیل سے زمانی رقبے میں مدرسہ کو مکانی وسعتوں سے نہ صرف مالا مال کیا بلکہ متعدد تعلیمی شعبوں کے اضافے کے ساتھ ملکی سطح پر اسے مستحکم شناخت سے بھی آشنا کیا۔

جامعہ کے تعارف ومقاصد اور ابلاغِ دین کیلئے وہاں سے ایک دینی واصلاحی اور علمی رسالہ بنام فیضانِ اشرف شروع کیا جو تقریبا ڈیڑھ دہائی سے پابندی کے ساتھ مسلسل اشاعت پذیر ہے اور قلم وکتاب کے رسیا اس سے استفادہ کرتے ہیں مفتی صاحب ہی اس کے شذرات لکھتے تھے ان کی یہ خوبی بھی قابلِ ذکر ہے کہ وہ ہر موضوع پر اس کے ادارتی صفحات پہ اپنا واضح موقف رکھتے تھے بلکہ بسا اوقات سیاسی احوال وظروف پر بھی ان کی باوزن تحریریں ملک کے سیاسی منظر نامہ کو سمجھنے میں سنگِ میل کا کام کرتی تھیں ان کے نام اور کام سے واقفیت تو غالبا ان کی نگارشات سے ہی ممکن ہوئی تھی حسنِ اتفاق کہ کئی سال پیشتر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے کسی ہال میں حکیم الامہ مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ پر منعقد

ہوئی کانفرنس میں جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کی نسبت پر یہ خاکسار بھی شریک ہوا تھا اس علمی سمینار میں ملک کی عبقری شخصیات کے ساتھ ہمارے ممدوح مفتی عبداللہ پھول پوری بھی تھے۔

ویسے تو وہ اپنی وضع قطع اور عالمانہ رنگ وآہنگ کے اعتبار سے ہی ناظرین پر ایک خوش گوار اثر چھوڑ دیتے تھے مگر یہاں کا تو ماحول بھی ان کے حق میں ساز گار ثابت ہوا چنانچہ جیسے ہی انھیں اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی تو وہ اپنے اسلوبِ خطابت مدلل گفتگو اور ساحرانہ زبان و بیان کی معرفت حاضرین پر چھا گئے عنوانِ سمینار کے تناظر میں وہ گویا ہوئے ان کے یہاں معلومات کی ترسیل مطلب خیز عبارت والفاظ کا انتخاب چست جملے اور متأثر کن اظہارِ تعبیر کا ملکہ وافر مقدار میں محسوس ہوتا تھا۔

ایک دوسرے موقعہ پر انہوں نے ائمہ اور مؤذنین کے مسائل وفرائض پر ایسا چشم کشا خطاب فرمایا تھا کہ سامعین محوِ حیرت گوش برآواز تھے اور بقدر ظرف مستفید ہو رہے تھے، راست خلیفہ ومجاز تھے۔

یہ اچانک سے بچھڑنا گر چہ دل پر ہے گراں
کیا تعجب ہے کہ ہوں بیساختہ آنسو رواں
تیری جدائی ہے یقیناً باعثِ رنج و الم
ہے مگر حکمِ خدا پر اب سرِ تسلیم خم
ہوگا کہیں فلک پر وہ خورشید جلوہ گر
کہتے ہیں آفتاب کبھی ڈوبتا نہیں
زندگی ایسی جیو کہ دشمنوں کو رشک ہو
موت ہو ایسی کہ دنیا دیر تک ماتم کرے

پھول پور کا پھول

مفتی ناصرالدین مظاہری

تسبیح کے ٹوٹے دانوں کے مانند ہمارے اسلاف ایک ایک کر کے رخصت ہوتے جارہے ہیں...... ۲۰۱۷ء کیا گل کھلائے گا نہیں معلوم...... کن کن ستودہ و برگزیدہ ہستیوں کو زمین کی پستیوں میں اتارا جائیگا...... یہ بھی نہیں معلوم...... ابھی کتنے ہاتھوں کو مٹی دینا اور کتنی زبانوں کو منہا خلقناکم کہنا ہے یہ بھی نہیں معلوم...... کتنے قلوب کو کسی کی موت پر دھڑکنا اور کتنی آنکھوں کو اشکہائے زیاں بہانا مقدر ہے پتہ نہیں...... کتنی نمازہائے جنازہ ادا کرنی ہیں اور کتنے آنسوؤں کی سوغات اور نالہ وشیون کی گرم بازی کاتب تقدیر نے لکھی ہے؟ ہر شخص اس سے لاعلم ہے...... کتنے جنازوں کو کاندھا دینا اور کتنی میتوں پر گریہ کناں ہونا اللہ نے لکھ دیا ہے کوئی نہیں جانتا......اور...... یہ لاعلمی ہی سچ پوچھو تو حضرت انسان کے لئے قدرت کی جانب سے بے مثال تحفہ ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ موت مؤمن کے لئے تحفہ ہے......اس پر بھی یقین کامل ہے کہ موت ایک مؤمن کو دوسرے مؤمن سے ملانے کا ذریعہ ہے......اس کا بھی علم ہے کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے......اور...... یہ بھی پتہ ہے کہ فنائیت ہر چیز کے لئے مقدر ہے مگر کیا کیجئے؟ جب بھی کسی کی موت واقع ہوتی ہے تو وقتی طور پر احساس زیاں ہوتا ہی ہے...... جب بھی کسی نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو تھوڑی دیر کیلئے بے قراری فطری چیز ہے......اسی لئے تو صاحب زادۂ گرامی حضرت ابراہیمؓ کی وفات پر نبی ﷺ کی زبان مبارک سے بے ساختہ جو کلمات بابرکات نکلے وہ آنے والی نسلوں کے لئے ڈھارس کا سامان بن گئے:

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابوسیف لوہار کے پاس گئے وہ ابراہیمؓ کی دایہ کا شوہر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابراہیم کو اٹھایا، پھر بوسہ لیا اور سونگھا پھر ہم جب بعد میں دوبارہ اس کے پاس گئے، جبکہ ابراہیمؓ حالت نزاع میں تھے تو نبی ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تعجب سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! آپ بھی روتے ہیں؟ تو فرمایا: اے ابن عوفؓ! یہ رحمت ہے۔ پھر اس کے بعد روئے اور فرمایا:

ان العین تدمع والقلب یحزن ولانقول الامایرضی ربنا،وانابفراقک لمحزونون(متفق علیه بحواله مشکوٰۃ)

’’آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غمگین ہے مگر اس کے باوجود ہم وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو اور ہم اے ابراہیمؓ! تیری جدائی کے سبب غمگین ہیں۔‘‘

روایت سے ایک بات تو صاف طور پر واضح ہے کہ موت پر غم اور رونے کو ایک فطری جذبہ قرار دینے کے باجود بھی آپ ﷺ نے موت پر کیے جانے والے نوحہ اور بین کی سختی کے ساتھ مذمت کی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو اپنے رخسار پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی پکاریں پکارے۔**لیس منّامن ضرب الخدودوشق الجیوب ودعابدعوی الجاهلیة .(متفق علیه بحواله مشکوٰۃ)**

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے۔ ان کی بیوی ام عبداللہؓ چلا کر رونے لگیں، وہ جب ہوش میں آئے تو کہا تو جانتی نہیں اور پھر ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اس سے بری ہوں جو سر کے بال منڈوائے ، چلا کر روئے اور کپڑے پھاڑے۔(متفق علیه بحواله مشکوٰۃ)

ضرورت جتنی جتنی بڑھ رہی ہے صبح روشن کی
اندھیرا اور گہرا اور گہرا ہوتا جاتا ہے

نامور بزرگ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کے پوتے، مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کے منتظم اعلیٰ، اپنے عہد کے مشہورترین صاحب نسبت بزرگ حضرت مولانا ابرارالحق ہردوئیؒ کے خلیفہ، ہندوستان کے افق پر مثل آفتاب وماہتاب روشن روحانی ادارہ مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ وفاضل ،فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ کے ہونہار تلمیذِ رشید، ستودہ صفات بزرگ ہستی، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ پھولپوریؒ عمر مستعار کی ۷۵ بہاریں دیکھ کر دورانِ عمرہ مکہ مکرمہ کے ایک ہسپتال میں انتقال فرماگئے۔

آپ آبرودار، ہونہار، پرہیزگار، تقویٰ شعار، والا تبار، برخوردار، بزرگوار، خجستہ خو، فرخندہ فال، جید عالم، ہوشمند وہونہار، پاک دامن، نیکوکار، بزرگ عادت، خدارسیدہ، خوش اخلاق، بامروت، درویش صفت، پرکھاوار، پوتر پاترتا، بھگت وپارسا، شریف وبھلے مانس، بہشتی و بیکنٹھی، سورگ باش وفردوس

نشیں، مرنجاں مرنج ، خاموش طبع ، مستعد، حوصلہ مند، حلیم وبردبار، شفیق وملنسار، کریم النفس وتقویٰ شعار......نسبتوں کا پاس ولحاظ رکھنے والے......بدعات وخرافات کی دلدل سے ہدایت کی راہوں پر لانے کا مزاج رکھنے والے......کسی کی غیبت نہ کرنے والے...... برائی نہ سننے والے......چھوٹی چھوٹی باتوں پر حوصلہ افزا کلمات ادا فرمانے والے ......خوردوں کو آگے بڑھانے والے......نئی نسلوں میں اسلام کا مستقبل دیکھنے والے......حدیث وتفسیر پڑھانے والے......وعظ وارشاد کرنے والے...... امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے والے......انزلوا الناس منازلھم پر عمل پیرا...... ہر شخص کو اس کے مرتبہ میں اتارنے والے......نہ خوامخواہ تعریف کرنے والے......نہ تنقیص کرنے والے......اسلاف واکابر کی مستجاب دُعائیں پانے والے......مسلکاً حنفی، مشرباً چشتی اور نسبتاً مظاہری......سنجیدہ سخن، سخن سنج، سخن فہم، سخن دان......بصیرت مند عالم باعمل اور بھی بہت سی خصوصیات اورخوبیوں سے مرصع تھے۔

ولادت:

۲۰/دسمبر ۱۹۶۱ء کو آنکھیں کھولیں تو پورے گھر کو روح وروحانیت سے مالا مال پایا......ایک طرف آپ کی والدہ تھیں جو نیک صفت، صالحہ، عفیفہ، خداترس وخدارسیدہ، نیک نہاد بندی تو دوسری طرف آپ کے والد محترم ابوالبرکات تھے جو صحیح معنوں میں ''ابوالبرکات'' تھے، وہ عالم دین تو نہ تھے لیکن حضرت اقدس شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کے صاحبزادے اوران کی نظر کیمیا اثر سے مالا مال ضرور تھے۔

تعلیمی شروعات:

پرائمری اور حفظ کی تعلیم مدرسہ روضۃ العلوم پھولپور میں حاصل کی جب کہ حفظ کا دور محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحقؒ کی زیرسرپرستی مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی نیز مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں کیا۔

مظاہر علوم میں:

ابتدائی درس نظامی سے جلالین شریف تک کی تمام تعلیم مدرسہ مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں پائی پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مادر علمی مظاہر علوم کا رخ کیا۔

۲۱/سال کی عمر میں ۱۹/شوال ۱۴۰۲ھ مطابق ۹/اگست ۱۹۸۲ء کو حضرت مولانا محمد اللہؒ ابن حضرت

مولانا شاہ محمد اسعد اللہؒ ناظم مدرسہ مظاہر علوم کو جلالین، ہدایہ اولین، مقامات حریری اور سلم العلوم کا امتحان دے کر درجہ ہفتم عربی میں داخلہ لیا۔

۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء یعنی پہلے سال آپؒ نے مولانا سید محمد سلمان صاحب سے مشکوۃ شریف، بیضاوی شریف، حضرت مولانا سید وقار علی بجنوریؒ سے ہدایہ ثالث، حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری مدظلہ سے ہدایہ رابع کے علاوہ مقدمہ جزری، سراجی، شاطبیہ، شرح نخبۃ الفکر، مقدمہ مشکوۃ وغیرہ کتب پڑھیں۔

اساتذۂ دورہ حدیث:

۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد یونسؒ جونپوریؒ سے بخاری شریف اور مسلم شریف، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے ترمذی شریف، حضرت مولانا سید محمد عاقل مدظلہ سے ابوداؤد شریف، حضرت مولانا مفتی محمد یحیٰؒ سے طحاوی شریف اور مولانا مفتی عبدالعزیز رائے پوریؒ سے نسائی شریف پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

امتحان سالانہ میں نہ صرف اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی بلکہ پوری جماعت اور پورے مدرسہ میں تمام طلبہ سے زیادہ نمبرات پاکر نقد انعام کے علاوہ متعدد کتابیں بطور انعام من جانب مدرسہ پائیں، فراغت کے بعد مزید تعلیم کی طلب ہنوز باقی تھی چنانچہ ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء میں شعبہ تدریب الافتاء میں داخلہ لیا اور الاشباہ والنظائر، شرح عقائد نسفی، رسم المفتی، درمختار جلد اول وجلد دوم پڑھ کر فقہ وفتاویٰ میں کمال اور علمی استعداد میں جمال پیدا کیا۔

ممتاز رفقاء دورہ:

آپ کے دورۂ حدیث شریف کے مخصوص رفقاء میں مفتی سفیان احمد صاحب شیخ الحدیث مطلع العلوم بنارس، مولانا سراج السالکین بھاگل پوری (مقیم حال الہ آباد) مولانا محی الدین جامی مرحوم ابن حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی الہ آبادیؒ، مولانا مظفر الاسلام تھانوی استاذ مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور، مولانا محمد عاقل مہتمم مدرسہ بدر العلوم گڑھی دولت ضلع شاملی اور مولانا محمد شاہد شیخ پوری دارالعلوم اسعدیہ ایکڑ خورد ضلع ہریدوار قابل ذکر ہیں۔

امتیازی شان:

راقم الحروف سے مفتی صاحبؒ کے درسی ساتھی مولانا مظفر الاسلام تھانوی (استاذ مظاہر علوم (وقف) نے بیان کیا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ اشرف المدارس ہردوئی، بیت العلوم سرائے میر اور مظاہر علوم سہارنپور تینوں جگہ تمام ساتھیوں میں اس معنی کر ممتاز رہے کیونکہ آپ پڑھنے میں اچھی خاصی محنت کے علاوہ تقریر وغیرہ میں بھی خوب حصہ لیا کرتے تھے، انھیں جب بھی موقع ملتا تو تقریر کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے، موقوف علیہ اور دورۂ حدیث شریف دونوں درجات میں آپ بطور خاص عبارت بھی پڑھتے تھے اور اساتذہ آپ کی نسبت کا خیال بھی رکھتے تھے۔

سب سے پہلی تصنیف:

راقم الحروف کو الحمدللہ کتابیں پڑھنے بلکہ چاٹنے کا بڑا شوق ہے، اسی شوق اور ذوق کی برکت تھی کہ ۱۹۹۴ء میں جب مظاہر علوم میں میرا پہلا تعلیمی سال تھا اسی سال کسی طرح "تذکار خیر الأخیار فی مولدۃ سید الابرار" نامی کتابچہ پڑھنے کو ملا، کتابچہ کیا تھا عربی اور فارسی آمیز اردو زبان میں سیرت نبوی پر اَدق ومشکل اور پیچیدہ ونامانوس الفاظ کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا، پڑھ پڑھ کر ہنسی بھی آتی تھی اور تعجب بھی کہ اتنے مشکل الفاظ ایک طالبعلم نے کیسے یکجا کئے ہوں گے۔

کتاب کے ٹائٹل پر پہلی بار "مُتَـــدَرِّس" لکھا ہوا دیکھ کر اول مرحلہ میں گمان ہوا کہ کاتب نے غلطی کر دی لیکن پھر دھیان دیا تو معلوم ہوا کہ کاتب کی غلطی نہیں بلکہ قاری کے فہم کا قصور تھا" متدرس" متعلم کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

یہ کتاب ٹائٹل کے علاوہ ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے، اندرونی صفحات کاتب محمد سفیان نعمانی دیوبندی کے لکھے ہوئے ہیں، جب کہ ظہیر الاسلام اسعدی مرحوم نے ٹائٹل کی کتابت اور پیلے رنگ میں ڈیزائننگ کی ہے، دیوبند کے محبوب پریس سے طبع کرائی گئی، کتاب کے شروع میں فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے ساتھ جو القاب استعمال کئے گئے ہیں وہ اس طرح ہیں" **فقیه اعظم، مفتی افخم، برکة زمن حضرت الحاج محمود حسن صاحب گنگوهی دام ظله الکریم** ، زینت بخش جامعہ مظاہر علوم سہارنپور"

فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ کے ساتھ جن القاب کا استعمال ہوا ہے وہ یوں ہیں:

’’جمل توثیقیه، ازعلام قمقام، نحریر همام، محقق هنگام حضرت حاجی مفتی مظفر حسین صاحب والیٔ زمام اہتمام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور‘‘

صدر القراء حضرت مولانا قاری رضوان نسیم صاحب مدظلہ کے لئے ’’تأثرات کلک فیض رساں صدرالقراء مقری قرآن استاذ مهربان‘‘

جناب مولانا سید محمد سلمان صاحب مدظلہ کے لئے ’’فرمان والاشان ازسحبان الهندهندوستان فائق الاقران استادفنان‘‘

حضرت مولانا محمد اللہ صاحبؒ کے لئے ’’نابغۂ روزگار، ادیب گوهر بار، تفقه شعار‘‘

ان دلچسپ القاب آداب کے علاوہ اس کتاب کا انتساب مفتی صاحبؒ نے اپنے جد محترم حضرت مولانا شاہ عبدالغنیؒ پھولپوریؒ کی طرف کرتے ہوئے اپنے دل کی ترجمانی لوح صفحات پر یوں کی ہے:

اے شہ عبدالغنی اے روح ما

صدقۂ تو جملہ ایں مفتوح ما

چونکہ خاکسار کی یہ ابتدائی خامائی سعی بحمد للہ بعض ارباب فضل وکمال کی نظروں سے گزر کر یاران نکتہ داں کو صلائے عام کا پیام دے رہی ہے اور مقالہ نگار کی قلبی خواہش ہے کہ رب العزت کے یہاں سے اس حقیر کد وکاوش کو خلقت رضا مکرمت ہو وبسوئے ایں حبیب خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بینش پسند منعطف ہوجائے اس لئے اس کتاب کو چک کا استناد جد امجد شیخ المشائخ عارف باللہ شیدائی سنت رسول اللہ الحاج الحافظ مولانا الشاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری تغمد اللہ بالغفران وادخلہ بحبوبۃ الجنان کی طرف کرتا ہے تاکہ حق جل وتقدس اپنے بندے ہی کے صدقہ وطفیل اپنی پذیرش کا ایک شمّہ عنایت کردیں اور حق نبوت کی کچھ ادائیگی ہوجائے۔ع بمردان راحت کہ راہم بدہ‘‘

بتاتا چلوں کہ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا ہے:

’’محترم مولانا عبداللہ صاحب پھولپوری امسال مشکوۃ شریف پڑھ رہے ہیں، انہوں نے مسئلہ میلاد کو خصوصیت سے اس مقالہ میں واضح کیا ہے‘‘

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ نے اپنی تحریر محررہ ۲۶؍رجب ۱۴۰۳ فرمایا کہ:

’’یہ رسالہ تذکار خیر الاخیار ایک بہت عمدہ اور بہترین موضوع پر تحریر کیا گیا ہے ......(کچھ آگے مزید تحریر فرمایا) عزیز موصوف! حضرت اقدس الشاہ مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کے نبیرۂ محترم ہیں اور میرے لئے ان کی یہی نسبت کافی اور قابل قدر ہے‘‘

اگر میں اس کتاب کے بارے میں تبصرہ کروں تو صرف اتنا کہ:

طلباء میں لیاقت وقابلیت تو عموماً ہوتی ہے لیکن بیک وقت اردو، عربی، فارسی زبان پر بولنے اور لکھنے کی قدرت وہ بھی تذکار خیرالاخیار کے طرز پر میں نے نہ دیکھی نہ سنی نہ پڑھی، چنانچہ میں اپنے اس دعویٰ کی دلیل کے لئے کتاب مذکور سے صرف ایک پیراگراف پیش کرنا چاہتا ہوں۔

''غیروں کے سراب نما آداب زندگی کو آزمانے کے چکر میں پڑ کر انمول فرصت دنیا کو مت ضائع کرو، بلکہ دنیا کی فضا میں زید وخبیب بنکر چھاجاؤ اور باطل کے ایوانوں میں لرزش ورعشہ کی لہر دوڑا کر لوح خاکی سے حرف غلط کی طرح مٹادو اور ارض دوتا کو ناپاک ملبوں سے سبک بارکردو۔اے جاں نثارو جاں سپار سپاہیو! ابن عمرؓ جیسی والہانہ انقیاد وعاشقانہ پیروی شیدائیانہ اطاعت کو لازم پکڑلو! تو جیسے تاریخ انھیں آج تک سرورق کئے ہوئے ہے ہمیں بھی اپنے سینے پر باقی رکھے گی''

نادر تعویذ اور اس کی اجازت:

جب مفتی صاحبؒ یہاں زیر تعلیم تھے تو آپ کے والد محترم ابوالبرکاتؒ مدرسہ میں حاضر ہوئے، استاذنا مفتی مجدالقدوس صاحب مدظلہ اُن کو لے کر فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفرحسینؒ کی خدمت میں دفتر اہتمام لائے، ملاقات کے دوران حضرت فقیہ الاسلامؒ کو معلوم ہوا کہ ابوالبرکات صاحبؒ کے پاس ایک نادر تعویذ ہے جو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ سے حاصل ہوا ہے، حضرت نے مفتی مجدالقدوس مدظلہ سے فرمایا کہ اِس تعویذ کی مجھے بھی اجازت دلواؤ! الحمدللہ حضرت فقیہ الاسلامؒ کو ابوالبرکات صاحبؒ نے مخصوص تعویذ کی اجازت دی۔

۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء میں جب آپ مظاہرعلوم سے فارغ ہورہے تھے تو حضرت مفتی مظفرحسینؒ سے خصوصی سندحدیث کی اجازت کی خواہش وفرمائش ظاہر کی، چنانچہ مفتی صاحبؒ نے اردوزبان میں (عام طور پر مفتی صاحبؒ کی اجازت حدیث کا متن عربی میں ہوا کرتا تھا) اجازت حدیث عنایت فرمائی۔

حضرت مفتی مظفرحسینؒ سے عقیدت وتعلق:

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفرحسینؒ کے آپ بہت چہیتے اور لاڈلے تھے، عالی نسبت، خداداد صلاحیت وصالحیت اور ایام خردی ہی سے آثار بزرگی ان کے ناصیہ وجبین میں دیکھ کر حضرت اقدس مفتی مظفرحسینؒ چاہتے تھے کہ مفتی محمد عبداللہ کا مظاہرعلوم میں ہی تقرر کرلیا جائے لیکن آپ کے والد ابوالبرکات

صاحبؒ نے مفتی صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت! میرے یہی تو ایک لڑکا ہے جس کو آپ یہاں رکھ لیں گے تو ہم لوگوں کا کیا ہوگا، چنانچہ مفتی محمد عبداللہ پھولپوریؒ نے اپنے وطن مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ کو اپنا تعلیمی وروحانی مرکز ومحور بنایا۔

مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ نے حضرت فقیہ الاسلامؒ سے بار بار سرائے میر اعظم گڑھ قدم رنجہ فرمانے کی خواہش وفرمائش کی، خطوط بھی لکھے تو آپؒ نے ایک مکتوب بطور جواب لکھا کہ ''سرائے میر تو میرا گھر ہے اور اپنے گھر کیلئے کوئی تاریخ نہیں دی جاتی'' آخر کار ۱۴۰۷ھ میں آپ نے سرائے میر کا پہلا سفر فرمایا چنانچہ میرے افتاء کے استاذ حضرت مولانا مفتی عبد الحسیب اعظمی مدظلہ نے مجھ سے بیان فرمایا:

> ''۱۴۰۷ھ میں جب مفتی صاحبؒ سرائے میر تشریف لے گئے تو پورے مدرسہ میں ایک ہلچل سی محسوس ہو رہی تھی، میرے بڑے بڑے اساتذہ مفتی صاحب کی تشریف آوری پر فرحاں وشاداں تھے، مفتی صاحبؒ نے جب تقریر فرمائی تو میرے اساتذہ اسٹیج پر سامنے سرنگوں، ہمہ تن گوش، مؤدب بیٹھے تھے، میں چونکہ مفتی صاحبؒ سے اس وقت تک واقف نہ تھا لیکن اپنے اساتذہ کو مفتی صاحبؒ کا اس قدر ادب واحترام کرتے دیکھ کر ایک ہیبت اور عقیدت دل میں بیٹھ گئی تھی، چنانچہ یہی عقیدت بعد میں میرے مظاہر علوم آنے، داخلہ لینے اور پھر خدمت کرنے کا سبب بنی''۔

مفتی محمد عبداللہ پھولپوریؒ بعد میں بھی مفتی صاحبؒ کو سرائے میر تشریف آوری کی دعوت دیتے رہے چنانچہ سن ۱۹۹۳ء میں دوبارہ سرائے میر جانا طے ہوگیا لیکن بعض شر پسندوں عناصر نے حضرت فقیہ الاسلامؒ کے خلاف پوسٹر بازی کر دی، جس کے نتیجہ میں وقتی طور پر جانا موقوف ہوگیا پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد آپؒ وہاں تشریف لے گئے۔ ایک بس بھر کر اساتذہ اور محبین کے ساتھ مفتی محمد عبداللہؒ پھولپوریؒ ریلوے شاہ گنج ریلوے اسٹیشن استقبال کے لئے اسٹیشن پہنچے اور بہزار خوشی ومسرت حضرت فقیہ الاسلامؒ کو مدرسہ بیت العلوم لے گئے۔ حضرت فقیہ الاسلامؒ نے ''الزام تراشی'' کے موضوع پر بڑا ہی عالمانہ، فاضلانہ سیر حاصل وعظ فرمایا، جس کا تذکرہ اب بھی وہاں کے اساتذہ کی زبانوں پر رہتا ہے۔

آغاز تدریس:

بہر حال مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں مشکوۃ، مقامات اور سراجی وغیرہ کتابیں پڑھانے کو سپرد کی گئیں آپؒ نے کامیابی کے ساتھ تمام کتابوں کا درس دیا تا آنکہ آپ مسند افتاء سے مفتی، مسندِ حدیث سے شیخ الحدیث، مسند وعظ وارشاد سے واعظ ومقرر، مسندِ نظامت سے منتظم اعلیٰ اور مسند طریقت سے

مختلف افراد واشخاص کے پیر ومرشد اور مربی نظر آئے۔

خورد وکلاں کے محبوب:

چنانچہ میرے استاذ حضرت مولانا مفتی عبدالحسیب مدظلہ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ:

''حضرت مفتی محمد عبداللہؒ صاحب جس طرح اپنے سے چھوٹوں کے درمیان مقبول ومحبوب تھے اسی طرح بڑوں میں بھی محبت وعقیدت کینظر سے دیکھے جاتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا عبدالحفیظ ڈمری اعظمی مدظلہ ایک باردارالافتاء مظاہر علوم وقف سہارنپور تشریف لائے تو دوران گفتگو انہوں نے اپنے بارے میں بتایا کہ میں مفتی محمد عبداللہ پھولپوری کا استاذ ہوں لیکن پھر بھی میرا اصلاحی تعلق حضرت مفتی صاحب ہی سے ہے''

عالی دماغ، عالی حوصلہ:

مفتی محمد عبداللہ پھولپوریؒ عہد حاضر کے کم عمر، صاحب نسبت، عالی ہمت، بلند حوصلہ، جری وبہادر، نڈر وبیباک عالم، مقرر، محدث، مفسر، دانا وبزرگ اور صلاحیت وصالحیت کی دولتوں سے مالا مال فرد تھے، اخیر عمر میں تو آپ کے اسفار کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا تھا، جگہ جگہ وعظ وارشاد کی محفلیں جمتیں اور مجلسیں قائم ہوتیں، جلسوں، اجتماعات، ذکر واذکار وغیرہ کے حلقہ جات منعقد ہوتے، ان کے مریدین کا سلسلہ ہندوستان بھر میں پھیلا ہوا ہے، الحمدللہ جب تک حیات رہے نیک نام نیک فرجام اور فائز المرام رہے۔

ان کے مواعظ میں دین کا درد، فکر، اور احساس زیاں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا تھا چنانچہ ایک موقع پر ایک مجمع کو خطاب کرتے ہوئے گویا ہوئے:

''اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے دشمنوں کے ذریعہ پٹوا کر تمہاری غیرت کو ابھارنا چاہتے ہیں کہ بھائی تم تو مسلمان تھے، دنیا کو تو تم سلامتی بانٹ رہے تھے، تم دہشت گرد کیسے کہے جارہے ہو''؟

ایک دوسرے موقع پر مسلمانوں کو حوصلہ واستقامت کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''کیا مسلمان قرآن کی اس آیت کو نہیں جانتا؟ وأنتم الأعلون ان کنتم مؤمنینکہ اگر تم صحیح ایمان والے رہے تو تم ہی سربلند رہوگے، اللہ تعالیٰ مؤمن کی سربلندی کا اعلان کررہے ہیں اور اگر آج مسلمان کی سربلندی نہیں ہے تو صرف اس لئے نہیں ہے کہ آج اپنے اسلام کو اس نے خود اپنے اوپر سے رخصت کردیا ہے''

۲۰۰۵ء میں محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق ہردوئی علیہ الرحمہ کے انتقال پر جب جانشین فقیہ

الاسلام حضرت مولانا محمد سعیدی ناظم مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کے حکم وایماء پر ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم سہارنپور کا خصوصی شمارہ ''محی السنۃ نمبر'' کی اشاعت کی تیاری شروع ہوئی تو راقم الحروف نے مفتی صاحبؒ فون پر اطلاع دی، بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ پانچ سو شمارے میرے لئے مختص کر دینا۔

مفتی صاحبؒ کو رفاہی کاموں میں بھی بڑی دلچسپی تھی چنانچہ بہار کے سیلاب زدگان کے لئے آپ نے تعاون کی اپیل کی، لوگوں نے بلا تفریق مذہب وملت سب کے لئے سامان ضروری مہیا کیا، چنانچہ اشیاء خوردونوش کے علاوہ مفتی صاحبؒ نے سیلاب زدگان کو فی کس پانچ سو روپے بھی دئے۔ بعد میں تمام معاونین کا شکریہ بھی ادا کیا اور سیلاب زدگان کو کیا راحت پہنچائی گئی؟ اس کی تفصیلات بھی شائع کیں۔

سترہ سال قبل مفتی صاحبؒ کے زیر انتظام ما''ہنامہ فیضان اشرف'' جاری ہوا جو ماشاء اللہ پابندی کیساتھ مختلف علمی دینی، اصلاحی اور معاشرتی مضامین شائع کر کے نیک نام ہو چکا ہے، اس میں مفتی صاحبؒ کی بھی اکثر وبیشتر چیزیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

علالت:

ایک سال پہلے ممبئی کے اسمٰعیلیہ ہوسپٹل میں زیر علاج رہے، اخبارات میں دعائے صحت وشفا کی اپیلیں اور خبریں شائع ہوئیں، لوگوں کو بڑی فکر وتشویش لاحق ہوئی، پھر الحمدللہ روبصحت ہو گئے مگر کیا معلوم تھا کہ ان کی یہ صحت بہت کم مدت کے لئے ہے۔

آخری عمرہ:

درجنوں حج اور بے شمار عمرہ ادا کر کے اپنی سعادت ونیک بختی پر مہر لگانے والے حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ پھولپوریؒ نے نومبر ۲۰۱۷ء کو اپنی اہلیہ، تین بیٹوں اور ایک بہو (اہلیہ مفتی محمد اسجد) کے ساتھ روانہ ہوئے، سفر پر جانے سے پہلے بعض مخصوص لوگوں سے دوران گفتگو یہ کلمات ان کی زبان سے ادا ہوئے: ''اب میرا یہ سفر عمرہ آخری ہے اس کے بعد مشکل ہے''

سفر آخرت:

عمرہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ آپؒ کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے، اِن چھالوں کا علاج کرانے کیلئے مکہ مکرمہ کے ''النور'' نامی ہسپتال میں داخل ہوئے، شوگر کا مرض پہلے سے ہی تھا اس لئے اُن

چھالوں کا سوکھنا نہایت ضروری تھا، دوتین روز کے علاج سے چھالے سوکھ گئے، جمعرات کو ڈسچارج ہونا طے پایا، دوران علاج آپ نے اپنی فیملی کو مدینہ بھیج دیا تھا وہ لوگ مدینہ تھے۔ بدھ کو میزبان نے کہا کہ کل جمعرات کو بارہ ربیع الاول ہے اس لئے کل فلائٹ سے مدینہ چلتے ہیں، روضۂ اقدس پر سلام پیش کرکے شام تک واپس آجائیں گے؟۔ یہ سن کر آپ نے رخ پھیرلیا اور مسکراتے ہوئے کہا کہ ''میں خود ہی ملاقات کرلونگا'' میزبان بات کی تہ تک نہ پہنچ سکا۔ بدھ کی رات سے ہی گھبراہٹ شروع ہوگئی، مفتی صاحبؒ نے اپنی خدمت پر مامور عبدالعزیز سے سورۂ فاتحہ پڑھنے کیلئے کہا، چنانچہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت جاری رہی، آپؒ خود بھی پڑھتے رہے، اسی بے چینی و بے کلی اور گھبراہٹ کی حالت میں کلمہ اور قرآنی آیات کی تلاوت کے دوران ۳۰؍نومبر ۲۰۱۷ء جمعرات کے دن صبح پانچ بج کر چالیس منٹ پر حضرت مفتی صاحبؒ کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا۔ اناللّٰه و انا الیه راجعون.

غسل دینے والوں کا بیان ہے کہ کسی کی موت کے بعد اتنا نورانی اور مسکراتا ہوا چہرہ سولہ سال کی ملازمت کے دوران پہلی بار دیکھا ہے۔

انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور پھیلتی چلی گئی، آپ کے بے شمار تلامذہ، ملک و بیرون ملک کے خلفاء و مریدین اور اہل تعلق ناقابل بیان کرب وقلق سے دوچار ہوئے، قانونی کارروائی کے دوران وہاں کے عملہ نے تدفین کے متعلق پوچھا کہ کہاں دفن ہونگے؟ لوگوں نے جنت المعلّٰی میں دفن کرنے کی خواہش ظاہر کی تو عملہ نے کہا کہ جنت المعلیٰ کا خیال دل سے نکال دو! کیونکہ وہاں باہر کے افراد کی تدفین کی اجازت نہیں ملتی ہے۔

متعلقین ومحبین کوشش میں لگے رہے یہاں تک کہ جنت المعلی کا مدیر خود چل کر آیا اور کہا کہ اوپر سے (وزارت) سے حکم ہوا ہے کہ انھیں جنت المعلیٰ میں دفن کی اجازت دیدی جائے۔

امام حرم مکی حضرت شیخ خالد حفظہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اُمُّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا کی قبر سے متصل (قاضی عیاضؒ کی قبر ہے، اس سے متصل سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ علیہ کی قبر ہے، اُن ہی کے بازو میں حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ پھولپوریؒ کی) تدفین عمل میں آئی۔ وذلک فضل اللّٰه یوتیه من یشاء.

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں بطور یادگار چھوڑیں، تیسرے بیٹے مولانا مفتی احمد اللہ قاسمی سلمہٗ کو مفتی صاحب نے حیات ہی میں نہ صرف مدرسہ کی ذمہ داریاں سپرد فرمادی تھیں بلکہ سال گزشتہ حرم شریف میں اجازت بیعت وتلقین بھی دیدی تھی۔ اللہ تعالیٰ حوصلہ واستقامت کے ساتھ اس کارواں کو چلانے اور آگے بڑھانے کی سعادت سے بہرہ ورفرمائے۔

حضرت مفتی صاحبؒ چلے گئے، مگر انہوں نے جو کام کئے ہیں، خیر اور صلاح کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، بیت العلوم کو ذرے سے آفتاب بنانے میں جس جگرسوزی کا مظاہرہ کیا ہے، وعظ اور تلقین وہدایت کے ذریعہ معاشرہ میں جو خوشنما انقلاب بپا کیا ہے، خانقاہی نظام میں جو شفافیت آپ کی ذات سے آئی ہے، علماء اور اہل علم کا جو سلوک واحسان کی طرف رجحان بڑھا ہے وہ سب اللہ نے چاہا تو قیامت تک جاری رہ کر صدقہ جاریہ ثابت ہوگا، کم عمری کے باوجود بڑی عمر والوں کا کام کیا ہے اور ''بزرگی بعقل ست نہ بسال'' کو سچ ثابت کردکھایا ہے، آج ملک ہی نہیں ملک سے باہر بھی مفتی صاحب کے عقیدت مندوں کا جو ہجوم بیکراں آپؒ کی رحلت پر گریہ کناں اور مصروف فغاں ہے ان سے صرف اتنا ہی کہوں گا۔

سارا کلیجہ کٹ کٹ کر جب اشکوں میں بہ جائے ہے
تب کوئی فرہاد بنے ہے تب مجنوں کہلائے ہے



مآخذ ومصادر

(۱) روداد مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور۔ ۱۹۸۲ء۔ ۱۹۸۳ء۔ ۱۹۸۴ء
(۲) تعلیمی ریکارڈ مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور
(۳) ذکر جامی: از حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ
(۴) اقوال سلف، جلد پنجم: از حضرت مولانا محمد قمر الزماں مدظلہ
(۵) معرفت الٰہیہ از حضرت مولانا حکیم محمد اخترؒ کراچی
(۶) انتقال اور تدفین کا آنکھوں دیکھا حال: از، مفتی محمد اسجد اللہ ابن حضرت مفتی محمد عبداللہ پھولپوریؒ
(۷) روایت: مولانا محمد الیاس صاحب ناظم تنظیم وترقی مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ
(۸) روایت: مفتی مجد القدوس رومی مدظلہ الہ آباد
(۹) روایت: مفتی عبد الحسیب اعظمی صدر مفتی مظاہر علوم (وقف) سہارنپور
(۱۰) روایت: مولانا نجم الحسن تھانوی متولی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع شاملی
(۱۱) روایت: مفتی مظفر الاسلام تھانوی، استاذ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

مرثیہ

مفتی حفیظ اللہ حفیظ قاسمی بھیونڈی

الٰہی! رحم کر، پھر آج یہ کیسی خبر آئی
جسے سنتے ہی آنکھیں نم ہوئیں، آواز بھرّائی
تھی برحق پیش گوئی مردحق آگاہ "نعمت" کی
کہا تھا جس نے یہ سَن ہے، سَنِ صبر و شکیبائی
جنازوں پر جنازے اہل علم وفن کے اُٹھیں گے
مراثی کہتے کہتے روپڑے گی خامہ فرسائی
اِدھر اک مرگ کا ماتم مکمل ہو نہ پائے گا
اُدھر آواز گونجے گی فلاں رخصت ہوا بھائی
گیا پھر آج اک شیخِ طریقت "شیخ عبداللہ"
بجا کرتی تھی "بیتِ علم وفن" میں جس کی شہنائی
وہ جس کے ساز پر طلبہ مسلسل رقص کرتے تھے
وہ جس کی دھن پہ ساری مستیاں لیتی تھیں انگڑائی
ہمیشہ جس نے ہر مردہ دلی کو زندگی بخشی
خدامستی پہ جس کی ایک دنیا تھی تماشائی
کمالِ فنِّ تحریر وخطابت جس کو حاصل تھا
مسلّم اہل فن تک کو تھی جس کے فن کی گہرائی
جو سینے میں بسا رکھتا تھا یوں قرآن وسنت کو
کہ جلوہ گر رہی کردار میں دونوں کی پرچھائی
جو طلبہ کے لئے یکساں سراپا مہر وشفقت تھا
یہ "بیتِ علم وعرفاں" جس کی نسبت پر تھا شیدائی

وہی جس کے تبسم پر یہ گلشن مسکراتا تھا
وہ بلبل، غنچہ وگل جس کے یکساں تھے تمنائی
جو مستغرق رہا کرتا تھا بس یادِ الٰہی میں
مریضانِ محبت کی جو کرتا تھا مسیحائی
جو سر افگندگی سے بندگی کا ناز اٹھاتا تھا
نہیں تھی جس کے معمولات میں ادنی سی خودرائی
جسے محبوب تھی تا زندگی آہِ سحرگاہی
سرفرازی کا باعث بن گئی جس کی جبیں سائی
گیا وہ بزم سے اٹھ کر تو محفل ہوگئی سونی
مرے آقا تو اپنا فضل فرما کر دے بھرپائی
سراپا زندگی جس کی تواضع سے عبارت تھی
تھی سرتاسر فقط راحت رساں جس کی شناسائی
جو حضرت "شیخِ ہردوئی" کی نسبت سے مجلیٰ تھا
رہی صدر شک یکساں جس کی جلوت اور تنہائی
مبارک روح نے رختِ سفر باندھا ہے " مکہ " سے
گیا آغوشِ الفت میں جہاں سے مردِ سودائی
یہ "اہلِ علم و اہلِ تزکیہ" سب کا خسارہ ہے
کرے اب کون دردِ دل کا درماں اور شنوائی
سراپا غم ہیں "اہلِ بیت" و "بیتُ العلم والعرفاں
نگاہیں ڈھونڈتی پھرتی ہیں بس گھبرائی گھبرائی
مرے مولی تو اپنے فضل سے جنت عطا کرنا
جسے ہم "پھول پوری" کہہ رہے تھے، تھا وہ صحرائی
"حفیظ"! اب باندھ رکھیو، آپ اپنا بوریا بستر
نہ جانے کب کہاں آئے اجل، کس نے خبر...